ربِّ لاتذرنی فرداً وانت خیرالوارثین
حیاتِ وارث
حصہ دوم
مصنّف جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی لکھنوی

نفاق سے احتراز لیکن اس کے ساتھ حضرت حبیب عجمی علیہ الرحمتہ کا یہ مستند قول بھی قابل لحاظ ہے جو خصوصیات مرتبۂ رضا کی صراحت میں آپ نے فرمایا ہے کہ رضائے حق کا تعلق اس مخصوص قلب سے ہوتا ہے جس کی صفت یہ ہو "فِی قَلْبٍ لَیْسَ فِیْہِ غُبَارُ النِّفَاقِ" یعنی غبار نفاق اور تکدر عناد سے وہ مکدر اور آلودہ نہ ہو۔ ورنہ رضائے الٰہی پر قائم رہنے کی اہلیت نہ ہوگی۔

صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ پھر حضرت عجمی نے اپنے اس ارشاد کی وضاحت میں فرمایا کہ لفظ نفاق کو جو خلاف مرتبۂ رضا شرط گردانا ہے۔ اس کی اصل اور حقیقت یہ ہے کہ نفاق ضد ہے وفاق کی۔ اور وفاق عین محبت ہے پس مقصود ہمارا یہ ہوا کہ جو قلب نفاق سے محترز اور متنفر ہے وہ ضرور محبت سے معمور اور متاثر ہوگا۔ اور وہی دل میدان رضا میں شاہد بے نیاز کے منشا اور ارادہ کے سامنے جانباز اور لبیک کہنے والا ہو سکتا ہے۔

آپ کی اس تشریح سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ "فِی قَلْبٍ لَیْسَ فِیْہِ غُبَارُ النِّفَاقِ" کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو قلب غبار نفاق سے آلودہ ہے۔ وہ امر حق کی تسلیم کا اہل ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ صفت وفاق سے معرا ہے اور چونکہ رضائے الٰہی کی تعمیل مشروط بہ محبت ہے۔ کیونکہ خود مرتبۂ رضا ثمرہ ہے محبت کا۔ اسواسطے یہ لازم ہو گیا کہ جو دل نوازش محبت سے معمور ہوگا وہ ضرور احکام قضا وقدر کے آگے بلا اعراض وانکار سرنگوں رہے گا۔

غرض نفاق ووفاق یا یوں کہیے کہ نفرت کلی اور تعلق قلبی یہ دو صفات ہیں۔ اور دونوں میں ان کے حسن وقبح کے لحاظ سے یہ تفریق ہے کہ ایک صفت مذموم ہے دوسری محمود۔ نفاق دشمنوں کی صفت ہے۔ اور وفاق دوستوں کا شیوہ ہے۔ اور دونوں صفات صفات قلبی ہیں۔ ہر قلب کو انہیں دو صفتوں میں سے ایک صفت سے تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ اور ان ہر دو صفات سے قوائے انسانیہ اس قدر متاثر رہتے ہیں کہ انسان کے اقوال و احوال سے اس کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ صفت نفاق سے موصوف ہے۔ یا نیر وفاق سے مستفیض ہے۔

الحاصل جبکہ صفات نفاق وو فاق کا اثر انسان کے قول و فعل سے ظاہر ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ انسان کی قلبی ماہیت کا اندازہ اس کے طرزِ گفتار اور طریق اطوار سے ہوتا ہے۔ تو اس تشریح سے ضرورت اس کی پیش آئی کہ اب ہم حضور قبلۂ عالم کے اقوال و احوال کا بکمال غور و تأمل اس لئے مطالعہ کریں کہ ہم کو امتیاز ہو جائے کہ آپکے حالات و عادات کو کہاں تک صفات نفاق یا وفاق سے سروکار ہے اور ان دونوں صفات میں سے کس صفت کو آپ کے قلب مطہر سے زیادہ تعلق ہے۔

لہذا پہلے صفت نفاق کی نسبت یہ عرض کرونگا کہ ہمارے غور و تجسس کا آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سرکار عالم پناہ کا قلب منور سراپا صفت وفاق سے ایسا مملو اور معمور تھا کہ جس پر غبار نفاق و تکدر عناد کا سایہ بھی نہیں پڑا۔ چنانچہ آپ کے حالات و عادات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج ہمایوں کی یہ مخصوص صفت تھی کہ نفاق کے نام سے آپکو نفرت تھی نہ کبھی کسی کو دشمن سمجھا نہ کسی کے دشمن ہوئے۔ ہمیشہ آپکی چشم حق بین نے مخلوقِ الٰہی کو ان کی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے بغیر کسی تخصیص و تفریق کے ایک نظر سے دیکھا اور بمقتضائے مشرب اتحاد ہر قوم اور ملت کے افراد کو متحد جانا۔ اور بجز موافقت کے کسی سے آپکو اختلاف و عناد نہ تھا۔ کیونکہ عنایت وہبی سے آپکا سینہ بے کینہ تعصب و نفاق کے غبار و تکدرات سے ایسا پاک اور محفوظ تھا کہ دوست و دشمن کی کی تفریق۔ نہ یگانہ اور بیگانہ میں فرق و امتیاز۔ ہمیشہ سب سے ایک انداز سے پیش آئے۔ بلکہ اکثر اغیار پر زیادہ عنایت فرماتے تھے۔ اور غیر مشرب سے اسی طرح ملاقات کرتے تھے جس طرح ایک سچا مذہبی شخص اپنے ہم مذہب سے ملتا ہے چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جب کوئی ہندو عیسائی۔ یہودی۔ پارسی از روئے ارادت ظل عاطفت وارثی میں پناہ گزیں ہوا تو حضور قبلۂ عالم نے بکمال شفقت اسکو توحید الٰہی کی تلقین اور محبت ایزدی کی ہدایت اسی طرح فرمائی جس طرح ایک حق پرست مسلمان کو آپ حلقۂ بیعت میں داخل کرنے اور اس کو وحدانیت خداوندی کا سبق دیتے تھے۔

حضور قبلۂ عالم کے خلوص اور مساوات کے برتاؤ کا ایسا گہرا اثر تھا کہ دُوسرے مذہب کے پرستار۔ جو طریق آبائی سے خبردار تھے بکمال ارادت آپکے حلقہ بگوش ہوئے جنکا بالتفصیل تذکرہ آئندہ آئیگا لیکن اس سلسلہ میں بھی دوچار حضرات کا ذکر تمثیلاً نگارش کرتا ہوں۔

چنانچہ بابو گنیش پرشاد صاحب وطنی الہ آبادی نے۔ جو خاندانی رئیس اور مہاجن تھے اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہ میں بضرورت مکان سے اُوناؤ آیا تھا اسٹیشن پر دیکھا کہ ایک فینس رکھی ہے اور اس کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے میں سمجھا کہ کوئی دولہا ہے۔ اور خود بخود یہ بھی خیال ہوا کہ تم بھی دیکھو دولھا کیسا ہے فینس کے قریب گیا تو یہ کرشمہ دیکھا کہ دولہا تو نہیں ہے۔ مگر بیسر بستر میں خدا کی قُدرت کاملہ کا قد آدم ایک مرقع ہے جس کے شوق دید میں ہر طبقہ کے ہندو مسلمان محویت کے عالم میں کھڑے ہیں میں اور قریب گیا۔ اور قدمبوس ہوکر چند الائچیاں پیش کیں آپنے مسکرا کر الائچیاں قبول فرمائیں اور ارشاد ہوا کہ "سیٹھ جاؤ پھر ملاقات ہوگی" اسی عرصہ میں گاڑی آگئی۔ اور حضور سوار ہوکر لکھنؤ تشریف لے گئے۔

اور میری حالت یہ ہوئی کہ جس کام کے لئے اُوناؤ آیا تھا۔ ایک شئے یا بھی مگر نہ کرسکا۔ اور پریشانی اس قدر بڑھ گئی کہ نہ شب کو نیند آئی۔ نہ کھانا کھایا۔ دُوسرے روز اسی حالت اضطراری میں لکھنؤ آیا جب اپنے دُولہا کے سامنے حاضر ہوا تو آپنے عجیب دل آویز نظر سے دیکھا اور فرمایا کہ "سیٹھ آگئے۔ نہ تاب ہوئی" میں نے عرض کیا "تمنا یہ ہے کہ حلقۂ غلامی میں داخل فرمایئے۔ قبلۂ عالم نے بیعت لی۔ اور فرمایا "اب دُنیا کی محبت پر خدا کی محبت غالب ہوئی۔ اچھا ۔مرجانا۔ مگر اُف نہ کرنا۔ اور اسی روز میں الہ آباد واپس آیا۔ لیکن میری دیوانگی میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پُوجا پاٹ چھوٹ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد دیویٰ شریف میں آکر قدمبوس ہوا۔ ہنوز سر نہیں اُٹھایا تھا کہ آپ نے آہستہ سے پیٹھ پر گھونسا مار کر فرمایا "سیٹھو اپنے مرکز پر آگئے۔ اچھا درگاہ میں فضل حسین کے پاس رہو"۔

یہ خبر سُن کر سیٹھ صاحب کے اعزا نے کُل جائداد پر قبضہ کرلیا۔ اور پچاس روپیہ

ماہوار سیٹھ صاحب کے خرچ کے واسطے مقرر کردئے۔ سیٹھ صاحب دیوی شریف میں زیادہ قیام کرنے لگے۔ ہر روز صبح وشام حاضر خدمت ہوتے۔ اور چھوٹی آواز سے کہتے میرے دُولہا۔ اور قدمبوس ہو کر تھوڑی الائچیاں اسی طرح پیش کرتے جس طرح پہلے روز اسٹیشن آنا و پرسش کی تھیں۔

علیٰ ہذا ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم دربھنگہ سے واپسی کے وقت حسب عدہ گورکھپور میں منشی صفدر حسین خانصاحب ارج کے مہمان ہوئے مسٹر سید شرف الدین (ارج ہائیکورٹ) ہمراہ رکاب تھے۔ کہ بعد عصر ایک معتمد انگریز حاضر خدمت ہوا حضور حسب عادت خلاق سے پیش آئے۔ مگر وہ انگریز برابر آپ کی صورت دیکھا کیا۔ اور جب آپ نے رخصت کیا تو چلا گیا۔ رات کو پھر حاضر ہوا۔ اور بہت مؤدب طریقہ سے عرض کیا کہ میں پوچھ سکتا ہوں کہ پہلے آپ کا کیا نام تھا۔ آپنے فرمایا "یہی جو آج ہے" اس نے کہا نہیں معاف کیجیے مگر میں خوب جانتا ہوں کہ پہلے آپ کا نام عیسوٰ مسیح تھا۔ اور یاد دلاتا ہوں کہ مہربانی فرما کر آج اپنا وعدہ پورا کیجیے۔ ورنہ ایک بے گناہ کا خون آپ پر ہوگا مسٹر شرف الدین موصوف نے کہا کہ صاحب آپ کی یہ تقریر تھوڑی تفصیل کی محتاج ہے اس نے کہا کہ ایک سال سے کچھ زیادہ ہوا کہ دسمبر کی ۲۷ تاریخ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مسیح نے اپنے سینہ سے مجھ کو تمام کر لیا۔ اور اپنی چادر کا کونہ پکڑ کے کہا گھبراؤ نہیں۔ تم کو بھی ہم آ کپڑا دیں گے۔ اس وقت مسیح کا ایسا ہی کپڑا تھا۔ جیسا ان کا ہے۔ اور مسیح کی ایسی ہی صورت تھی جیسی انکی ہے۔ اس دن سے میں انتظار کرتا ہوں کہ ہمارا سچا مسیح ہم کو کب وہ کپڑا دیگا۔ آج میں نے پہلے اسٹیشن پر دیکھا۔ تو کچھ شبہ ہوا۔ چار بجے آ کر دیکھا اور حلیہ ملایا تو شبہ جاتا رہا۔ اور پہچان لیا کہ یہ وہی وعدہ فراموش ہیں جن کو چودہ مہینے سے میں تلاش کر رہا ہوں۔

مسٹر سید شرف الدین نے حضور سے عرض کیا کہ اب آپ کیا فرماتے ہیں۔ صاحب نے تو آپ کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو شبہ ہوا ہے ہم درحقیقت مسیح

نہیں ہیں"۔ مسٹر شرف الدین نے عرض کیا کہ صاحب تو جان دینے پر آمادہ ہیں۔ پس قبلہ عالم کو فوراً رحم آگیا۔ اور اپنا تہبند کھول کر دیا اور ارشاد ہوا "اُس کو باندھ لو" صاحب موصوف نے اپنے کپڑے اُتار کر پھینک دیئے۔ اور جب تہبند باندھ چکے تو حضور قبلہ عالم نے فرمایا "تمہارا نام ولائتی شاہ رکھا۔ اب دُنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرنا۔ اور خدا کی محبت میں مرجانا۔ اور کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔ نیپال جاؤ۔ اور پہاڑ کی جس چوٹی پر دل چاہے بیٹھ رہو۔ تمہارا جو حصہ ہوگا وہیں ملیگا"۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم فیض آباد میں قیام پذیر تھے کہ ایک مہنت صاحب ملاقات کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔ آپنے اُن سے معانقہ کیا۔ اور پاس بٹھا لیا۔ گسائیں صاحب حضور کے اس اخلاق اور خلوص سے بیحد متاثر ہوئے اور عرض کیا مہاراج دیا کی نظر رہے۔ آپنے مسکرا کر فرمایا "مہنت جی پریم جوگ بھی کیا ہے" گسائیں صاحب نے عرض کیا داتا جی دوگے وہ لونگا آپکے قدموں میں یہ سمجھ کر آیا ہوں کہ بھکاری کا کنڈل آپکے یہاں سے خالی نجائیگا حضور نے خادم سے چار سنگترے منگائے اور اپنے ہاتھ سے دیکر فرمایا "مہنت جی جاؤ پھر ملاقات ہوگی" گسائیں صاحب سلام کرکے باہر آئے مگر بجائے اپنے مکان جانیکے وہیں زمین پر بیٹھ گئے اور کسی خیال میں ایسے مستغرق ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مگر انکو اپنی اس حالت کا ہوش نہ تھا۔ جب انکی اس کیفیت کا ذکر حضور کے سامنے ہوا۔ تو آپنے بلا کر فرمایا "مہنت جی تم نے محبت میں دین بھی کھویا اور دُنیا بھی برباد کی" اُنہوں نے عرض کیا یہ ہم آتما۔ اگر دین دُنیا کے ساتھ جان بھی جائے تو منظور ہے۔ لیکن اب ایک تمنا یہ ہے کہ میرے استھان میں آپکے قدم جائیں اور وہاں کا رُوکھا سوکھا بھوجن آپ قبول فرمائیں۔ ورنہ سب میں آگ لگا کر جنگل کو نکل جاؤنگا۔ حضور نے متبسم لبوں سے فرمایا "ابھی سے گھر میں آگ لگانے لگے۔ خیر تمہاری خوشی یہی ہے تو کل دوپہر کے بعد چلیں گے"۔

یہ مژدہ سُن کر گسائیں صاحب نے خوش ہو کر قدمبوسی کی۔ اور اسی وقت

اپنے مکان واپس گئے - اور دُوسرے روز حسب وعدہ وقت مقررہ پر حاضر ہوئے۔ اور حضور قبلۂ عالم کو اپنے مکان پر لے گئے اور ایک وسیع کمرے میں نفیس فرش پر بستر لگا تھا - اس پر آپ کو بیٹھا دیا - اور برابر کا دُوسرا کمرہ خدام کے واسطے آراستہ کر رکھا تھا - اس میں ہم لوگوں کو ٹھہرایا۔

گوسائیں صاحب کا مکان اور ضیافت کا سامان دیکھ کر معلوم ہوا کہ علاوہ مذہبی پیشوا ہونے کے موصوف بہت خوشحال بھی ہیں - اور بڑے پیمانہ پر دعوت کا انتظام کیا ہے - باورچی کھانا پکا رہے ہیں - اور چند معزز مسلمان جو منتظم بھی تھے ہماری خاطر و مدارات کے لئے کمربستہ ہیں۔

رات کو پر تکلّف کھانے دسترخوان پر چُنے گئے لیکن حضور نے حسب معمول دُال چپاتی اور شوربا تناول فرمایا - بارہ بجے کے بعد معلوم ہوا کہ مہنت صاحب خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں - آپ نے بُلا لیا - مہنت جی قدمبوس ہو کر بیٹھ گئے - مگر دیکھا کہ بے محل ایک کُدال ان کے ہاتھ میں ہے - جب حضور مخاطب ہوئے تو گسائیں صاحب نے عرض کیا کہ مہاراج یہ کدال حاضر ہے - جو چیز یہاں کی خلاف مزاج ہو - اسکو خود کھود دو - یا مجھ کو حکم ہو تو میں اس کو مسمار کر دوں آپ نے فرمایا "مہنت جی جو رب ہے وہی رام ہے کس کو توڑیں کس کو بنائیں کھودنا تو دو بدھا ہے جس نے دل سے من و تو کا خیال نکال دیا ، وہ ہر جگہ ایک ذات کو دیکھتا ہے" مہنت جی نے عرض کیا - اگر یہ نہیں - تو مجھے اپنا چیلا بنا لو حضور نے ان کو مرید کیا - مہنت جی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا - گروجی - دھیان گیان کے لئے کوئی منتر دو - آپ نے فرمایا "پتھر کو نہ پُوجنا - اور دین دُنیا کا جو کام کرو خدا کی محبت سے خالی نہ ہو - اور خلق کی طلب میں حق کا ذکر اس طرح کیا کرو - کہ ذکر سے کوئی سانس خالی نہ جائے - اور تین سال تک خدا کے بھروسے پر سفر کرو - راستہ میں بلا قید مذہب جو تیرتھ - مندر - مسجد - مزار ملے بغیر تعصب عظمت کے ساتھ

اس کی زیارت کرنا۔ اور گھبرانا نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔

صبح کو مہنت صاحب نے اپنے چیلوں کو بھی مرید کرایا۔ اور حضور قبلہ عالم نے ہر ایک کو اسکی حیثیت و استعداد کے اعتبار سے ہدایت فرمائی۔ پھر مہنت صاحب کے بعض ہندو مسلمان احباب بھی حلقہ بگوش ہوئے اور شام کی گاڑی سے حضور مع خدام جونپور تشریف لیگئے۔

غرضکہ ہمارے سرکار عالم پناہ کے قلب مصفّا کی اس مہتم بالشان صفت "فِی قَلْبٍ لَیْسَ فِیْہِ غُبَارُ النِّفَاقِ" کا اظہار چار دانگ عالم میں ایسے مسلم الثبوت طریق سے ہو گیا کہ بجز اقرار کے اب کسی فریق کو گریز و انکار کا موقع نہیں رہا جس کو آپکی سچی محبت اور خاموش ہدایت کے اثرات اور آپ کے صدق و خلوص کے برکات کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ دنیا کی ہر قوم و ملت کے ہزار ہا افراد کو قید تفریق سے ایسا آزاد کیا کہ محبت الٰہی کے جوش میں متفق اور دوش بدوش رہنے لگے۔ اور باہم متحد اور ہم خیال ہو گئے۔

صفت محبت اب حضرت حبیب عجمی کی دوسری مشروط صفت کہ رضائے الٰہی کے واسطے محبت لازمی ہے۔ اس کی نسبت ہم غلامان وارثی باواز بلند کہتے ہیں کہ عنایت وہبی سے ہمارے حضور قبلہ عالم کا قلب مطہر انوار محبت سے ایسا مملوا اور بدرجہ اتم معمور تھا جسکی مثال ہمارے خیال میں ناممکن اور محال ہے۔ اور زمانہ شاہد ہے کہ آپکے عادات و حالات سے محبت الٰہی کے اثرات کا انہیں خصوصیات کے ساتھ ہمیشہ اظہار رہا جس طرح دیگر صفات کمالیہ کے برکات و تصرفات سے خاص و عام مستفیض اور فائز المرام ہوتے رہے۔ اور آپکے اکثر ارشادات کا بھی یہی مفہوم ہے کہ محبت کے دشوار گذار راستہ میں بہ ثبات و استقلال مشیت حضرت قادر ذوالجلال کو بغیر کسی حیل و اعراض کے بطیب خاطر قبول و منظور کرنا آپ کا حقیقی مسلک ہے۔

اور اسی مناسبت سے ہمیشہ سرکار عالم پناہ نے ارادتمندوں کو محبت کی ہدایت فرمائی اور عام طور پر ارشاد ہوا کہ محبت ہمارا عین مشرب ہے۔

اور اگر محبت کی نوعیت و اہمیت، نتائج و مفاد سے آگاہ کرنا مقصود ہوا تو اکثر یہ فرمایا کہ "محبت بھی خدا کا ایک راز ہے" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "بام حقیقت کا زینہ محبت ہے۔" کبھی یہ بھی فرمایا کہ "فرشتوں کو محبت جزوی دی گئی اور انسان کو محبت کامل مرحمت ہوئی" اور کبھی یہ بھی ارشاد ہوا کہ "اگر محبت صادق ہوتی ہے تو محب کو ہر چیز میں محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ "محبت ہی کے سبب انسان اشرف المخلوقات ہوا۔" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "اگر محبت ہے تو مسجد اور مندر میں ایک شان نظر آئے گی۔" یہ بھی فرمایا کہ "محبت میں قابت ضرور ہوتی ہے۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ "محبت میں شیطان بھی غیر نہیں"۔ اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی فرمایا ہے کہ "محبت میں شیطان بھی دوست ہو جاتا ہے۔" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "جو محبت میں برباد ہوا وہ حقیقت میں آباد ہوا۔" اکثر یہ بھی فرمایا ہے کہ "محب صادق کے واسطے ہر ذرّہ معرفت کا آئینہ ہوتا ہے۔" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "محبت میں انسان اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ "محب کو بجز ذات کے صفات سے تعلق نہیں رہتا۔" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "محبت میں عقل زائل ہو جاتی ہے۔" یہ بھی بارہا فرمایا ہے کہ "محبت میں انتظام نہیں"۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ "انسان نے محبت کا بار گراں جب اُٹھایا تو سرکار شاہد بے نیاز سے ظلوماً جہولاً کا خطاب ملا۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ "اگر محبت کامل ہے تو ایمان بھی کامل ہے۔ اور اگر محبت ناقص ہے تو ایمان بھی ناقص ہی۔" بلکہ مسترشدین کو اگر بطور تعمیم کوئی تعلیم دی ہے تو بغیر کسی تخصیص کے یہی فرمایا ہے کہ "محبت کرو۔"

ارشاد آخر الذکر بظاہر تو سات حروف کا ایک جملہ ہے لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو نہایت جامع اور وسیع المعنی۔ اور بہت بڑی طویل اور بسیط عبارت کا خلاصہ ہے جس کے نتائج اور ثمرات درحقیقت ہمارے خواہشات و مرادات سے بہت زیادہ ہم کو

فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

اگرچہ لغوی معنی اس جملہ کے اسی قدر ہیں کہ محبوب کے ساتھ قلبی تعلق ہو۔ مگر انسان محبت الٰہی سے متاثر ہو کر کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے کیا سنتا ہے بہت بڑے مدارج ہیں اور جس طرح محبت کے مدارج رفیع اور جلیل القدر ہیں، اسی طرح محبت کی ماہیت اور حقیقت کا اظہار ہمارے حد اختیار سے باہر ہے۔ کیونکہ محققین حضرات صوفیہ کے ارشادات سے معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ محبت محض موہبت ہے۔ اور جملہ اخلاق حسنہ اور اعمال عالیہ اسی عطیہ وہبی پر مبنی ہیں۔ بقول حافظ شیرازیؒ۔

می خور کہ عاشقی نہ بکسب ست و اختیار　　　این موہبت رسید ز دیوان قسمتم

حالانکہ ارباب طریقت نے اپنی دید و یافت کے اعتبار سے فرضی مثالوں کے ساتھ تفہیم ما و شما کے واسطے اس واردات قلبی کے نتائج اور اقسام اور ہر قسم کے مدارج۔ اور ہر درجہ کی خاصیت اور ہر خاصیت کے مفاد کا بکمال شرح و بسط ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں اس تشریح کا بالتفصیل اعادہ کرنا بے موقع ہے۔ اس لئے بہ نظر اختصار اسی قدر عرض کرونگا کہ ہمارے سرکار پناہ کی ذات محمود الصفات کو محبت اور محبت کے تمامی لوازمات سے گہرا تعلق ہے۔ کیونکہ آپ کے حالات و عادات تصرفات و ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکو محبت سے خاص سروکار تھا جو بغیر کسب و ریاضت اور بے واسطہ و وسیلہ حضرت واہب العطایا نے مرحمت فرمائی تھی اور اسی مناسبت سے آپ کے مسترشدین کے اعمال بھی بقدر ان کے احوال کے محبت سے وابستہ ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا کہ اگر مسلک وارثی کا نقشہ بنایا جائے۔ تو اس کا ہر گوشہ لفظ محبت سے محدود نظر آئے گا۔

اور اسی محبت کا نتیجہ رضائے شاہد حقیقی کی تعمیل تھی جسکی حضور قبلۂ عالم نے بکمال ضبط و استقامت ایسی تکمیل فرمائی کہ احکام قضا و قدر کے سامنے ہمہ تن تسلیم ہو گئے۔ جو رضا کا کامل مرتبہ ہے۔ چنانچہ جس طرح مرتبہ رضا دو قسم پر منقسم ہے کہ رضا اور رضائی کامل اور دونوں آپ کی ذات

جامع البرکات میں مجتمع تھے۔ اسی طرح محبت کے حقیقی مدارج دو ہیں محبت اور کمال محبت جس کو اصطلاح صوفیہ میں عشق کہتے ہیں۔ اور جو حضور کا عین مشرب تھا۔ اور جو آپ کے ملفوظات میں ہے اور آپکا یہ ملفوظ متواترات کا حکم رکھتا ہے جسکو آپ نے خلوت میں مخصوص خدام سے فرمایا ہے۔ اور جلوت میں بھی عام مریدین کے مجمع میں ارشاد ہوا ہے کہ "ہمارا مشرب عشق ہے" اور اسی مضمون کو یوں بھی فرمایا ہے کہ "ہماری منزل عشق ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "ہمارا مسلک عشق ہے اور ہمیں عشق سے سروکار ہے"۔

علاوہ ملفوظات مذکورہ کے دیگر ارشادات میں بھی آپ نے عشق کے صفات و برکات کا بصراحت ذکر فرمایا ہے۔ جن کے اثرات آپکے حالات و عادات سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں مثلاً ارشاد ہوا کہ "عشق میں ترک ہی ترک ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ عاشق ہر چیز میں معشوق کا جلوہ دیکھتا ہے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "عاشق وہ ہے جو معشوق کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "عاشق ہمیشہ غمگین رہتا ہے" یہ بھی فرمایا کہ "عاشق کو لازم ہے کہ سر کٹ جائے مگر شکایت نہ کرے۔ کیونکہ فاعل بھی غیر نہیں ہے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "عاشق وہ ہے جسکی کوئی سانس یاد مطلوب سے خالی نہ جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ "معشوق کی جفا بھی عین وفا ہے" یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "عاشق کو لازم ہے کہ معشوق کا فرمانبردار رہے" یہ بھی فرمایا کہ "معشوق کے سامنے عاشق ایسا بے اختیار ہو۔ جیسے غسال کے ہاتھ میں مردہ"۔ یہ بھی فرمایا کہ "عاشق کے عشق صادق کی علامت یہ ہے کہ ذکر یار کی کثرت ہو" یہ بھی فرمایا ہے کہ "عاشق اگر ایک ساعت بھی یاد معشوق سے غافل رہتا ہے تو وہ ساعت اس کے لئے بمنزلہ موت کے ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "معشوق کی جفا ہو یا عطا ہو عاشق کے لئے راز ہے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "یار کا تصور عاشق کی زندگی ہے" یہ بھی فرمایا کہ "عاشق نہ تعریف سے خوش ہوتا ہے نہ ملامت سے رنجیدہ کیونکہ تعریف اور ملامت کرنیوالے کو وہ غیر نہیں سمجھتا" یہ بھی فرمایا ہے کہ "ایک زمانہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق نہ ہجر کی شکایت

کرتا ہے نہ وصل کی حکایت" یہ بھی فرمایا کہ "عاشق کو بجز یار کے کسی سے سروکار نہیں ہوتا" یہ بھی فرمایا کہ عاشق کا وظیفہ ذکر یار رہتا ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ "عشق میں انتظام نہیں" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "عاشق دین و دنیا سے بیکار ہو جاتا ہے" یہ بھی فرمایا کہ "جس کو اپنی خبر ہے وہ عشق سے بے خبر ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ عاشق جب سب کو چھوڑتا ہے تو یار ملتا ہے"۔ یہ بھی فرمایا کہ جس کا عشق کامل ہوتا ہے اس کا شوق فراق و وصال میں یکساں رہتا ہے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ عشق وہی ہے جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا۔ یہ بھی فرمایا کہ "عاشق کم اور مشائخ زیادہ ہوتے ہیں"۔ یہ بھی فرمایا کہ "عاشق صادق مثل آنکھ کی پُتلی کے ہوتا ہے کہ وجود چھوٹا۔ اور شہود بڑا"۔ یہ بھی فرمایا کہ "جو جس کا عاشق ہوتا ہے۔ وہ اس کی پرستش کرتا ہے"۔ یہ بھی فرمایا کہ "جو جس صورت کا عاشق ہوتا ہے۔ وہ اس صورت میں ملجاتا ہے"۔ یہ بھی فرمایا کہ "عاشق کا منصب یہ ہے کہ احکام معشوق کے سامنے سر تسلیم خم رہے"۔ یہ بھی فرمایا کہ "عاشق کا ایمان رضائے یار ہے"۔

الغرض جس طرح آپ کے ارشادات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ افراط محبت یعنی عشق شاہد مطلق آپ کا عین مسلک تھا۔ اسی طرح آپ کے احوال سے رضائے کامل اور تسلیم اتم کی شان و عظمت کا بیّن اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ بنگاہ غور سے دیکھا جائے تو کوئی قول آپکا ایسا نہیں جو مذاق محبت سے مملو۔ اور عشق کے گہرے رنگ میں ڈوبا ہوا ہو اور آپ کا کوئی فعل ایسا نہیں جس نے رضائے کامل کے دشوار گزار میدان میں اپنے ثبات اور استقامت کا نشان نہ گاڑا ہو۔

سوال کرنا ممنوع ہے لیکن صاحب نفحات الانس نے لکھا ہے کہ ابراہیم بن داؤد علیہ الرحمۃ نے یہ فرمایا ہے کہ اہل رضا کے صبر و استقلال کی علامت یہ ہے کہ اپنی حاجت کے لئے سوال نہیں کرتے۔

درحقیقت ارباب رضا کی یہ خصوصیت بھی بجائے خود بہت وقیع اور جلیل الشان صفت ہے۔ اور اہلِ رضا و تسلیم کی عقلاً و نقلاً صحیح علامت یہی ہو سکتی ہے کہ مشیت حضرت رب العزت

کے خلاف غیر اللہ سے استعانت طلب نہ ہو۔ اور جو چیز منشاء الٰہی نے ان کے واسطے پسند نہ فرمائی ہو اس کے حصول کے لئے دوسروں سے سوال نہ کریں جو یقینی منافی شان رضا ہے۔

مگر سب کو معلوم ہے کہ منجملہ دیگر صفات کے ہمارے سرکار عالم پناہ کی یہ بھی مخصوص صفت ہے۔ بلکہ شاید تکمیل رضائے الٰہی کے واسطے آپ نے اس صفت کو لازمی گردانا ہے۔ کیونکہ آپ کے مشرب میں سوال کرنا قطعاً ممنوع ہے۔ اور اپنے خرقہ پوش غلاموں کو بتاکید اور متواتر فرمایا کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "مرجانا مگر سوال نہ کرنا" بمصداق حدیث نبوی صلعم "لَا تَسْئَلِ النَّاسَ شَيْئًا"

بلکہ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اولیائے عظام نے سوال کرنے سے قطعی احتراز فرمایا ہے۔ اور جنہوں نے وقتاً فوقتاً سوال کیا ہے وہ ان کی حالت اور کیفیت کا اقتضا تھا۔ ورنہ بغیر کسی خاص مصلحت کے سوال کرنا جملہ حضرات صوفیہ کے نزدیک ممنوع ہے خصوصاً ارباب رضا تو ہر حالت میں سوال کرنا مذموم اور منافی شان رضا فرماتے ہیں۔

لہٰذا محبت کی تاکید اور سوال کرنے کی امتناع۔ یہ دونوں ایسے عظیم الشان صفات ہیں جنکی ہدایت حضور قبلہ عالم نے متواتر فرمائی۔ اور اس تکرار و اصرار سے انکی اہمیت اس قدر زیادہ ہوگئی کہ انکو غلامان وارثی کے مشربی دستور العمل کا خلاصہ کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا جنکی صراحت ضرور کرتا۔ لیکن باب تسلیم و رضا میں اس موضوع پر زیادہ بحث کرنا نا موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے بلحاظ اختصار اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ حضور قبلہ عالم نے منزل تسلیم و رضا میں علاوہ شرائط معینہ و ضوابط مقررہ کے فروعی لوازمات کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ اور اسی اعتبار سے اپنے غلاموں کو بھی ہدایت فرمائی کہ محبت کرو اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے سامنے سرنگوں رہو۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ مؤلف مشکوٰۃ حقانیہ نے صفحہ ۱۲۱ باب رضا و تسلیم میں حضور قبلہ عالم کے ثبات و استقامت کا ثبوت جہاں آپ کے حالات و واقعات سے

دیا ہے۔ اسی کے تحت میں مولوی ناظم علی صاحب مجددی نقشبندی نائب مہتمم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کی ایک تحریر استدلال میں پیش کی ہے جسمیں مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ "حاجی صاحب اپنے وقت میں فقیر صاحب سکر۔ عدیم المثال۔ فقید النظیر سالک مجذوب تھے"

مولوی صاحب موصوف کا شکر گذار ہوں کہ باوجود غیر سلسلہ ہونیکے آپ نے ہمارے سرکار عالم پناہ کی نسبت وہ الفاظ تحریر فرمائے جو مشائخین علیا کی شان میں اسوقت لکھے جاتے ہیں جب ان کے مدارج علیا کا اظہار منظور ہوتا ہے۔

اس لئے نہ مجھ کو مؤلف مشکواۃ حقانیہ سے گہری شکایت ہے۔ کیونکہ اس تحریر سے ہمارے مشربی پہلو کو صدمہ نہیں پہنچا۔ بلکہ سب الفاظ نہایت شائستہ ہیں۔ البتہ یہ دریافت کرسکتا ہوں کہ رضا و تسلیم کی بحث میں یہ تحریر بطور استدلال پیش کی اس سے آپکے دعویٰ کو کیا فائدہ پہونچا۔ اس لئے کہ مولوی صاحب کی تحریر میں اس کا ذکر کیا اشارہ بھی نہیں ہے کہ حضور قبلۂ عالم صاحب رضا و تسلیم تھے۔ لہذا بے محل اور غیر مفید استدلال کرنا۔ لائق مؤلفین کی شان کے خلاف ہے۔

ہاں یہ ضرور گذارش کروں گا کہ صفات مرجبہ کے ساتھ یہ جو درج تالیف فرمایا ہے کہ "آپ سالک مجذوب تھے"۔ اس سے آپ کی عدم واقفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ جس طرح حضرات مشائخین کے نزدیک۔ مرتبۂ سالک۔ مجذوب۔ مقربین بارگاہ احدیت کا مقام ہے۔ اور واقعی ہے بھی۔ اسی طرح غلامان وارثی کا خیال ہے کہ مرتبۂ مجذوب سالک یا سالک مجذوب کو حضور قبلۂ عالم کے نام نامی کے ساتھ منسوب کرنا خلاف مشرب نہیں تو کم سے کم منافی ادب ضرور ہے۔ جس کا ذکر پہلے سفر حجاز میں بصراحت لکھ چکا ہوں۔ اور مختصر طور پر پھر نگارش کرتا ہوں کہ سرکار عالم پناہ نے اس ممتاز مرتبہ سے قطعاً انکار کیا ہے۔ اور کراہت کے ساتھ فرمایا ہے کہ "ہم مجذوب نہیں ہیں"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے "ہم لنگوٹ بند ہیں۔ جذب کا نام بھی نہیں"

اب ہمارا ادب اس کا مقتضی ہے کہ مرتبہ سالک مجذوب کیسا ہی جلیل القدر اور رفیع الشان ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ہم اپنے قلم یا اپنی زبان سے اس مرتبہ کو آپ کی ذات محمود الصفات کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے ورنہ صریح اعراض عائد ہوگا۔

غرض صاحب مشکوٰۃ حقانیہ۔ چونکہ پرستار بارگاہ وارثی ہیں۔ اس لحاظ سے شکایت آمیز لہجہ میں یہ تنقید بھی کی۔ اور حضور قبلۂ عالم کے ملفوظات کے حوالہ سے یہ ثابت کیا کہ آپ مجذوب نہ تھے۔ ورنہ مولوی ناظم علی صاحب کی تحریر کا تو وہی مضمون ہے جو ایک صوفی کسی بزرگ اور برگزیدہ ہستی کی نسبت اپنا خیال ظاہر کرتا ہے۔ مزید براں مولوی صاحب موصوف کی یہ ذاتی رائے بھی نہیں۔ بلکہ مستند بزرگوں کے اقوال کا اعادہ کیا ہے۔ اور غور کیا جائے تو ان بزرگان وقت کے اس خیال کو ان کا مغالطہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ سرکار عالم پناہ کے ہمعصر اہل طریقت نے جب آپ کے مدارج علیا کو آپ کے عشق صادق کی تیز روشنی میں دیکھا تو آپکی شان رفعت کے لحاظ سے آپکو عدیم المثال فقید النظر سمجھا اور اپنی وسعت خیال کے اعتبار سے آپکو اس مقام کا سیاح جانا جو ارباب سلوک کا منتہا کمال ہے۔ لہٰذا ان کی یہ تجویز بجائے خود اس لحاظ سے صحیح بھی ہو سکتی ہے کہ در حقیقت عشق جملہ اخلاق حسنہ کا چونکہ مرکز ہے۔ اور تمام صفات عشق ہی کے اثرات کا نتیجہ ہیں پس جنکی نظر بصیرت کی رسائی عین مرکز تک ہوئی۔ انہوں نے آپکے عشق کی تصدیق کی اور جنکی نگاہ انوار عشق کے آگے خیرہ ہوگئی اور مقامات تحت مرکز کو دیکھا۔ انہوں نے آپکو انہیں صفات سے موصوف کیا۔ جو ان کے مشاہدہ میں آئے۔ اس لئے ان کی محدود نظر کو جو کچھ سمجھا جائے۔ مگر ان کا خیال شک و شبہ سے معرّا اور اصول طریقت کے مطابق ہے۔

عشق صفات حسنہ کا مرکز ہے چنانچہ اکثر ممتاز و جلیل القدر صوفیائے کرام نے عشق صادق کو صفات حسنہ کا مرکز ہونا تسلیم کیا ہے جیسا کہ حضرت امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے جنکے تجرد و تقدس کا زمانہ معترف ہے طبقات الکبریٰ جلد ثانی صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے کہ سید علی فرزند سید محمد وفا

رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "قَالَ سَیِّدِیْ اَبُوالْحَسَنِ الشَّاذِلِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَلْمَحَبَّۃُ قُطْبٌ وَّالْخَیْرَاتُ کُلُّھَا دَائِرَۃٌ عَلَیْھَا فَافْھَمْ" یعنی سید ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ عشق قطب ہے۔ اور کل نیکیاں اس کے گرد چکر لگاتی ہیں۔

پس حضور قبلہ عالم کے ارشادات سے جبکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا مشرب عین عشق ہے اور اب حضرت ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ کے مستند قول سے یہ ثابت ہو گیا کہ دیگر صفات دائمی آثار عشق ہیں۔ جن کو اصطلاح صوفیہ میں نتیجۂ عشق یا ضمیمۂ عشق کہتے ہیں۔ تو اطمینان ہو گیا کہ یہی وجہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم کی ذات مجموعہ صفات کو جب نظر تامل سے دیکھتے ہیں۔ تو کسی نہ کسی خاص صفت کا ایسے نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے کہ ہم محو حیرت ہو جاتے ہیں۔

آپ کا توکل مثلاً توکل۔ جو ارباب طریقت کا مخصوص جوہر ہے۔ اور جس کے معنی اصطلاح صوفیہ میں سبب و اسباب سے قطعاً فراموشی اور مسبب الاسباب پر کامل بھروسا ہیں۔ بمصداق اَلتَّوَکُّلُ ھُوَ الْاِعْتِصَامُ بِاللّٰہِ۔ یعنی اللہ پر مضبوط بھروسا کرنا توکل ہے۔ اور حقیقت توکل متوکل کا کمال یقین ہے۔

حالانکہ یہ صفت علاماتِ رضا اور نتائج و نتائج عشق میں سے ہے۔ لیکن دیکھتے یہ ہیں کہ حضور قبلۂ عالم کی ذات محمود الصفات میں اس صفت توکل کا بھی ظہور بدرجۂ اتم ہے۔ کیونکہ آپ نے اوائل عمر سے تا نفسِ آخر سبب و اسباب سے انقطاع کلی۔ اور مسبب الاسباب پر ایسا اعتماد کامل فرمایا۔ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے کہ تمام عمر اسباب ضروری اور سامان لازمی سے بھی آپ دست بردار رہے۔ حتے کہ نہ رہنے کو مکان بنایا۔ نہ ماکولات و مشروبات کی فکر کی۔ جو بقائے زندگی کے واسطے لازمات سے ہے۔ ہر امر میں خدا پر بھروسا اور ہر حالت میں خدا پر تکیہ کیا۔ جو توکل کامل کی حقیقی تعریف ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ سیاحت قصبۂ سترکہ کی واپسی میں حسب دستور قدیم سرکار عالم پناہ بارہ بنکی میں حافظ رضائی صاحب کے مہمان ہوئے۔ شب کو حافظ صاحب نہایت غمگین اور پریشان

حال خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ آج صبح کو بھی ہم غلاموں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ کیونکہ ایک پیسہ بھی پاس نہ تھا۔ جب آپ تشریف لائے۔ تو میں نے بہت کوشش کی کہ قرض ہی مل جائے۔ تو کچھ پکواؤں۔ مگر اس میں بھی مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ واللہ مجھ کو اپنے فاقہ کا مطلق خیال نہیں۔ لیکن زیادہ افسوس ہی اس بدقسمتی کا ہی کہ آپ کے سامنے کچھ پیش نہ کر سکا۔ کاش اس کے قبل مر جاتا کہ آج اپنی بداعمالی سے یہ دن تو نہ دیکھتا۔

صلوٰۃ الشکر حضور قبلۂ عالم نے فرمایا۔ حافظ جی۔ پریشان نہ ہو۔ صبر کرو۔ ہم کو تو بچپن سے فاقے کی عادت ہے۔ جب رازق مطلق ہمارا تمہارا رزق بھیجے گا۔ اس وقت ہم بھی کھائیں گے اور تم بھی کھانا۔ اور حافظ جی تم نے یہ بھی سنا ہے کہ شاہد بے نیاز کے نعمت خانہ میں سب سے بڑی نعمت فاقہ ہے۔ اور جس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اس کو یہ نعمت مرحمت فرماتا ہے۔ خوش ہو۔ اور دو رکعت صلوٰۃ الشکر پڑھو کہ تمہارا نام اس کے دوستوں میں لکھا گیا۔ اور حافظ جی یہ بھی یہ جانتے ہو۔ کہ اس نماز کی پہلی رکعت میں "والضحیٰ" اور دوسری میں "الم نشرح" اور بعد ختم نماز سجدہ میں ستر مرتبہ "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ" پڑھ کر سر اٹھاتے ہیں۔ اچھا جاؤ۔

حافظ صاحب حسب ہدایت تحیۃ الشکر ادا کرنے میں مصروف ہوئے۔ اسی عرصہ میں معلوم ہوا کہ راجہ سردیپ سنگھ کی جانب سے میلاد شریف ہوا تھا۔ تو منشی غلام دستگیر صاحب نائب ریاست نے کھانا بھیجا ہے۔ حافظ صاحب نے سب کھانا لا کر حضور کے سامنے پیش کیا اور سب حال عرض کیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہمیشہ پہلے ہم کو کھانا کھلا کر تم کھاتے تھے۔ آج تم پہلے کھاؤ۔ کیونکہ صبح سے نہیں کھایا ہے۔ پھر ہم کھائیں گے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا یہ بے ادبی نہ ہوگی۔ پہلے حضور تناول فرمائیں۔ مگر حضور نے پھر فرمایا کہ نہیں پہلے تم کھاؤ۔ اور اگر ادب کا خیال ہے۔ تو ہم نے معاف کیا۔ مجبوراً حافظ صاحب نے تھوڑا سا کھانا اس میں سے لے کر کھا لیا۔ تب حضور نے تناول فرمایا۔

حافظ صاحب ناقل تھے کہ اس کے بعد سے آج تک میں نے فاقہ نہیں کیا۔ مسبب الاسباب میری ضرورت سے زیادہ مجھ کو دیتا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تحیۃ الشکر کی برکت سے یہ فراغ حالی ہوئی۔

الغرض ایسے واقعات بکثرت ہیں۔ جن سے آپ کے توکل کامل کی شان نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اور اسی مضمون کے ملفوظات بھی متعدد ہیں۔ چنانچہ اکثر آپ نے فرمایا کہ۔ "جس طرح خدا سب کا خالق برحق ہے۔ اسی طرح رازق مطلق بھی ہے" یہ فرمان حضور کا اس آیۂ کریمہ کی پوری تفسیر ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ" یہ بھی فرمایا ہے کہ "فاقہ ہو تو صبر کرو۔ خدا علیم بھی ہے۔ بصیر بھی" یہ بھی ارشاد ہوا۔ کہ جو جس کی قسمت کا ہے۔ وہ اس کو ضرور پہونچتا ہے" یہ بھی فرمایا کہ "جو خدا پر بھروسا کرتا ہے۔ خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے" یہ بھی فرمایا کہ "انسان ہزار کوس سے جورو کی فکر کرتا ہے۔ اور محنت کر کے اس کو خرچ پہونچاتا ہے۔ اور جو تمہاری شہ رگ سے قریب تر ہے۔ کیا اس کو تمہاری فکر اس قدر بھی نہ ہوگی۔ جس قدر خاوند کو جورو کی ہوتی ہے" حضور کا یہ ارشاد حضرت رازق العباد کے اس وعدہ کی تصدیق ہے جس کا ذکر آیہ وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا میں ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ "توکل انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "خدا کو اپنا وکیل بناؤ" وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا" یہ بھی فرمایا کہ "خدا تمہارے رزق کا ضامن ہے" یہ بھی فرمایا کہ "توکل طمع کی ضد ہے" یہ بھی فرمایا کہ "توکل حیا کی علامت ہے"

سرکار عالم پناہ کے ان ارشادات کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ اخلاق حسنہ میں توکل نہایت مہتم بالشان صفت ہے۔ لیکن حضور قبلۂ عالم کے توکل کامل کا یہ عجیب کرشمہ تھا کہ اس کے تصرفات کی روشنی دوسروں کو آنِ واحد میں متوکل بنا دیتی تھی۔ جس کا سبب بجز اس کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کا توکل درحقیقت آپ کے عشق کا عکس تھا

اس لئے اس کے اثر سے غیر متوکل بھی متاثر ہو کر متوکل ہو جاتے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ توکل کے پردہ میں ان غیر معمولی فیوض و برکات کے حقیقی کارفرما آپ کے عشق کامل کے اثرات تھے

آپ کا استغنار علیٰ ہذا صفات حسنہ میں استغنار بھی عدیم النظیر صفت ہے۔ جو مخصوص سالکین کا حصہ ہے۔ کیونکہ حقیقت استغنار کامل توکل ہے۔ جیسا کہ دلدادۂ سرکار مدینہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طَلَبْتُ الْاِسْتِغْنَاءَ فَوَجَدْتُہٗ فِی التَّوَکُّلِ ۔ اور استغنار کے معنی اصطلاحات صوفیہ میں دل کا خواہشات و مرادات سے خالی ہونا ہے بقول خُلُوُّ الْقَلْبِ عَنِ الْاَشْکَالِ ۔ اس لئے کہ اللہ کا ناظر ماسوائے اللہ سے مستغنی ہوتا ہے لیکن حقیقت استغنار نتائج در نتائج عشق میں سے ہے یا یوں کہا جائے کہ منجملہ دیگر علامات کے استغنار بھی عشق صادق کی ایک علامت ہے۔ اس واسطے کہ رہروان وادیٔ محبت کا مستغنی المزاج ہونا لازمات سے ہے۔ چنانچہ بعض صوفیائے عظام نے فرمایا ہے کہ منازل عشق میں استغنار عاشقان صادق کا توشہ ہے۔

لہذا حضور قبلۂ عالم کا استغنار بھی قابل ذکر ہے۔ جو آپ کی قدیم بلکہ فطرتی صفت ہے کیونکہ آپ کے صغر سنی کے حالات جو معمر حضرات کے نقل کردہ ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ابتدائے سن شعور سے آپ کے مزاج ہمایوں کا یہ انداز تھا کہ غریب ہمسایہ کی جب اعانت فرمائی ہے۔ تو اس کا اندازہ کبھی نہیں کیا کہ ان کی حاجت روائی کے لئے کس قدر امداد کی ضرورت ہے بلکہ اکثر یہ ہوا ہے کہ مٹی کے برتنوں کے لئے لاچار دیکھا۔ تو آپ نے مکان سے تانبے اور چینی کے برتن لا کر ان کو دیدیئے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ظروف نقرئی ان کو تفویض فرمائے۔

کیونکہ آپ کی سیر چشمی نے کسی چیز کے کم قیمت یا گراں بہا ہونے کا اندازہ نہیں کیا۔ حالانکہ استغنار کی تعریف تو اسی قدر ہے کہ اسباب موجودات سے بے پرواہ ہو۔ مگر آپ کا استغنار بھی چونکہ استغنار کامل تھا۔ جس کی تعریف بھی یہ ہو سکتی ہے کہ اشیاء عالم کی نوعیت اور حیثیت کے خیال کو صفحۂ قلب سے نہ اور فنا کرنا چاہئے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ جس کو جو چیز عطا فرمائی تو یہ نہیں دیکھا

کہ اس شخص کی حیثیت اس چیز کے لئے موزوں ہے یا نہیں ہے یا اس کی موجودہ ضرورت سے مقدار عطیہ زیادہ ہے۔ بلکہ طرز تقسیم سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ کے استغنار کامل کے آگے جواہرات کے نگینے اور سنگ خارا کے ٹکڑے دونوں یکساں اور برابر ہیں۔

بلکہ آپ کی صغر سنی کا یہ مشہور قصہ ہے۔ جس کو حضور قبلۂ عالم نے خود بیان فرمایا ہے کہ لوکی حلوائی سے ہم ایک اشرفی کا پیلی کے برابر ایک بتاشا بنواتے تھے جو توڑ توڑ کر بچوں کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس قصے سے آپ کے استغنار کامل کی شان نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ نہ بتاشے کی حیثیت پر آپ کی نظر تھی۔ اور نہ اشرفی کی قدر و قیمت فرماتے تھے۔

اور یہ انداز طبیعت بھی آپ کی عمر شریف کے ساتھ یوماً فیوماً بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ بمصداق "لَا یَمْلِكُ وَلَا یُمْلَكُ" جملہ اشیائے عالم سے کلیتہً احتراز فرمایا۔ اور کسی چیز کو اپنی ملک سمجھنا قطعاً ناپسند کیا۔

سکہ جات سے نفرت مثلاً ہر انسان کو بہ اقتضائے بشریت۔ ضروریات زندگی کے واسطے روپیہ فراہم کرنے کی فکر لازمی طور پر ہوتی ہے۔ اور بقدر امکان روپیہ حاصل کرتا ہے لیکن ہمارے سرکار عالم پناہ کو روپیہ اشرفی کی صورت سے تنفر تھا۔ بلکہ مسلمہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں جب سیاحت مغرب کا عزم فرمایا۔ اس وقت سے سکہ جات کا چھونا آپ کے متروکات میں داخل ہو گیا۔

مزید براں۔ چشم دید واقعہ ہے کہ دوسرے شخص کا روپیہ اس کے ہاتھ میں یا اس کے آگے رکھا ہوا جب آپ کی نظر سے گزرا ہے۔ تو آپ نے اس طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور آپ کے اس تنفر سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا دیکھنا بھی آپ کو ناپسند ہے۔

یہ واقعہ بھی اکثر پیش آیا ہے کہ وہ خدام جو صاحب لباس دنیوی تھے۔ اگر ان کی جیب میں روپیہ ہوا اور اتفاق سے اس کی آواز آپ کے گوش گزار ہوئی۔ تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ جیب میں کیا ہے۔ وہ عرض کرتا تھا کہ روپیہ ہے۔ پھر پوچھتے تھے کہ کس کا ہے۔ اگر اس

نے کہا کہ بیر لیے۔ تو آپ کے چہرۂ اقدس پر تشویش کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ اس اثناء میں کوئی سائل آ گیا۔ تو اس خادم سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ روپیہ اس کو دیدو۔ جب وہ سائل روپیہ لے کر چلا جاتا۔ اس وقت آپ بہ اطمینان استراحت فرماتے تھے۔

حضور قبلۂ عالم کے اس طرز احتیاط کا بجز اس کے اور کوئی مفہوم نہیں ہے کہ مستغنی اور بے پرواہ مزاج ہمایوں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ہمارے پاس بیٹھنے والے کی جیب میں یہ مکروہ چیز ہو۔ کیونکہ جب تک اس کی جیب میں روپیہ رہا۔ اس وقت تک طبیعت آپ کی متشوش رہی اور صرف ہو جانے کے بعد اطمینان ہو گیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ آگرہ کے سفر میں ایک دنیا دار خادم بھی ہمرکاب تھا۔ اور سرکار عالم پناہ پر ظاہر ہو گیا کہ اس نے بہ نظر احتیاط کچھ روپیہ ساتھ لے لیا ہے۔ حسب عادت آپ کو تشویش ہوئی۔ اور لکھنؤ سے اس کا روپیہ صرف کرانا شروع کیا۔ اٹاوہ تک پہونچ کر وہ روپیہ خرچ ہو گیا۔ جب اس نے کہا کہ اب روپیہ نہیں رہا یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور اس کو سینۂ اقدس سے لگا کر متبسم لبوں سے فرمایا "اب تم کو چور کا کھٹکا نہیں رہا۔ دیکھو کہ دنیا میں زن۔ زمین۔ زر کی وجہ سے انسان جھگڑے میں پڑتا ہے۔ جب ان تینوں کا تعلق دل سے نکل جائے۔ تو پھر اسی دل کا نام قلب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔" اور یہ بھی متواتر فرمایا ہے کہ "روپیہ سے اگر دنیا کے کام بنتے ہیں۔ تو آخرت کے کام اکثر بگڑتے بھی ہیں۔" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "روپیہ چھونے سے ہاتھ کالا ہوتا ہے اور اس کی محبت قلب کو سیاہ کرتی ہے۔" یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ "روپیہ نے قارون کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔"

الغرض جس طرح مختلف اقسام کے تحائف روزمرہ آتے تھے۔ اسی طرح آپ ان کو بلا لحاظ شخصیت تقسیم کر دیتے تھے۔ اس میں قیمتی چیزیں بھی ہوتی تھیں! اور معمولی بھی۔ مگر حضور قبلۂ عالم نے کبھی اس کا خیال نہیں فرمایا کہ قیمتی چیز کس کو ملی اور معمولی کس کو دی گئی۔ اس کا سبب بظاہر

یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا استغنا اشیاء عالم کی حیثیت و ماہیت کو محو اور فراموش کر چکا تھا

علیٰ ہذا کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ چند احرام تبدیل نہ ہوتے ہوں۔ جن میں نین سکھ

کا بھی ہوتا تھا۔ اور بالینہ دالوان کا بھی۔ مگر سرکار عالم پناہ جس سادگی سے نین سکھ کا احرام

تقسیم فرماتے تھے اسی طرح الوان کا۔

سائل کی حاجت روائی یہ تقسیم بغیر طلب تو روزانہ ہوا ہی کرتی تھی۔ اور اگر کسی نے

سوال کیا۔ تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کی خواہش سے زیادہ اس کو نہ دیا ہو۔ چنانچہ ایک

مرتبہ حضور شکوہ آباد میں قیام فرماتے۔ شب کو غریب مگر پردہ نشین عورتیں جب قدمبوسی کو

آئیں۔ گو اس سفر میں دیگر ممتاز خدام بھی ہمراہ تھے۔ مگر اس وقت مجھ حقیر کو شرف حضوری نصیب تھا

آپ کے حکم سے میں باہر آیا۔ اور عورتیں کمرے میں بہر زیارت جانے لگیں اور میں اپنی ضرورت

سے اس مکان کے دوسرے حصے میں چلا گیا۔ مگر بابو کنھیا لال صاحب وارثی۔ وکیل علی گڈھ کو

حضور کے کمرے کے پاس اس لئے بٹھایا گیا کہ جب حضور طلب فرمائیں۔ تو بابو صاحب موصوف مجھ

کو خبر کر دیں۔ چنانچہ جب عورتوں کی آمدو رفت موقوف ہوئی۔ تو بابو صاحب نے کمرے میں دیکھا تو

جناب والا کو تنہا اور عجیب صورت میں پایا۔ فوراً مجھ کو بلایا۔ میں نے جا کر یہ دیکھا کہ نہ فرش پر

چادر ہے۔ نہ لحاف، نہ رضائی۔ بلکہ تہبند بھی نہیں ہے۔ آپ صرف لنگوٹ باندھے ہیں میری

زبان سے اضطرابی میں یہ نکل گیا کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ حضور نے فرمایا۔ عورتوں نے مانگا

تھا۔ ان کو دے دیا۔

الغرض ایسے واقعات متعدد ہیں کہ حضور نے سائل کی اس خوبی سے حاجت روائی

فرمائی کہ جس سے آپ کے استغنائے کامل کا اظہار ہوتا تھا۔ اور سخائے پنجتنی کی شان نظر

آتی تھی۔ بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ شرف سخاوت آپ کا خاندانی حصہ ہے۔ جو

وراثتاً آپ کو تفویض ہوا تھا۔

شمائل شریف الحاصل انہیں اخلاق حسنہ پر آپ کے اوصاف عالیہ کا انحصار

نہیں ہے۔ بلکہ سرکار عالم پناہ کے جسم اطہر کا ہر ایک حصہ گلدستۂ صفات اور مجموعۂ برکات ہے۔ اس لئے کہ تصرفات عشق کامل اور اثرات فنائے اتم سے انوار حضرت حق کی دید میں آپ ہمہ تن محو و مستغرق تھے۔ اس واسطے آپ کے تن اطہر کا کوئی عضو ایسا نہیں تھا۔ جو مخصوص اوصاف سے مملو اور معمور نہ ہو۔ گو صورتاً۔ مگر وہ بھی کسی نہ کسی امتیازی حسن کے ساتھ آپ کے اعضائے لطیف کی وہی شکل تھی۔ جیسی ہر انسان کے اعضا کی ہوتی ہے۔ لیکن سیرتاً زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اور آپ کے ہر عضو میں ظاہری خوبیوں کے علاوہ معنوی اوصاف بھی متعدد پائے جاتے تھے۔ لمؤلفہ۔

گو کہ مشکل ہے جناب شہ وارث کی ثنا ذات عالی ہے اولوالعزم و غنی کان عطا

ہر تاباں وجاہت قمر چرخ سخا آسمانِ کرم و ظل خدائے دوسرا

جس نے دیکھا وہ ہوا عاشق و شیدا ان کا

سر بسر شان الٰہی ہے سراپا ان کا

مثلاً آپ کا قامتِ زیبا۔ جو مائل بہ درازی ضرور تھا۔ مگر نہایت موزوں بہ خوشنمائی۔ اور محدود بہ حسن تناسب۔ جس کے اردو کے محاورے میں مردانہ وجاہت کہتے ہیں۔ یعنی ایسا زیادہ بلند بھی نہیں جو نظر کو بدنما اور معیوب معلوم ہو۔

چنانچہ آپ کے قامت زیبا کی ایک مخصوص صفت یہ تھی کہ کسی قد آور شخص کے مقابلہ میں جب کسی نے دیکھا۔ تو آپ کا سر مبارک بلند نظر آتا تھا۔ اور اس صفت کا ظہور خاص خاص مواقع پر نہیں ہوا ہے۔ بلکہ یہ امتیازی شان آپ کی عام تھی۔ اور ہر وقت دیکھی گئی ہے خصوصاً اس صفت کے مشاہدے سے اس وقت ناظرین کو زیادہ استعجاب ہوتا تھا۔ جب حضور قبلۂ عالم ہزاروں مریدین و معتقدین کے مجمع میں ہوتے تھے۔ اور اس ہجوم سے باہر کے مشتاقین زیارت آپ کے فرق اقدس کو مثل گلوئے انور نمایاں دیکھتے تھے۔

اور یہ بھی ہے کہ سرکار عالم پناہ کی یہ صفت دنیا میں مشہور ہے۔ اور عموماً فلاماں

بارگاہ داری فخر و مباہات کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کرنا بھی چاہیئے۔ کیونکہ یہ سربلندی آپ کی سیادت و سرداری کی عین دلیل اور آپ کی عظمت و رفعت کا بین ثبوت ہے۔

لیکن اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس مخصوص صفت کی معنوی حقیقت کیا ہے۔ تو یہی عرض کروں گا۔ کہ اس کو ارباب بصیرت خوب جانتے ہیں۔ مجھ نا اہل کو روحانیت کے رموز و اسرار سے کیا سروکار۔ البتہ اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بھی حضور کی اس امتیازی شان و رفعت کا مشاہدہ ضرور کیا ہے۔ اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس صفت کے مشاہدے سے وہ برگزیدہ ہستیاں تو کیف ہوتی تھیں۔ جن کے پہلو میں محبت کا مارا ہوا دل تھا۔ اور مجھ ایسے کور باطن حضور کی یہ شان سربلندی دیکھ کر متحیر ضرور ہو جاتے تھے۔ غرض دونوں کو لطف ملتا تھا بقول

بہار عارض گلگوں دل و جاں تازہ میدارد | برنگ اصحاب صورت را بہ بوار باب معنی را

حقیقت یہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے قامت بالا کے صفات اور فرق ممتاز کی شان رفعت کے خصوصیات کا اظہار وہ بھی میرے قلم سے بہت مشکل اور دشوار ہے۔ ملولفہٗ

دیکھ کر دنگ ہوا ہوں قد بالا کا جمال | وصف اس قد کا لکھوں میں یہ کہاں میری مجال
رشک طوبیٰ کہوں تو بھی تو غلط ہے یہ مثال | اس کے سایہ سے ہوا گلشن عالم ہے نہال

جان و دل ہیچ کے سب بید کے مشتاق ہوئے
سرو قامت پہ فدا سیکڑوں عشاق ہوئے

ہے یہ سر مخزن اسرار خدائے اکبر | کیوں نہ ہو سایۂ افضال الٰہی اس پر۔
پیش معبود سرافراز نہ ہو یہ کیوں کر | بے ریا سجدۂ خالق میں گرا ہے یہی سر

انکساری سے سدا اس نے اطاعت کی ہے
کوئی واقف نہ ہوا ایسی عبادت کی ہے

رُخ پر نور پہ گیسو مجھے آئے جو نظر | مجھ کو حیرت ہوئی پر دل نے کہا فکر نہ کر
عنبریں زلف ہے واللیل کی تفسیر اگر | والضحیٰ رُخ کو سمجھ ہوتا ہے تو کیوں ششدر

ظلمت و نور بہم دیکھ کے حیراں کیوں ہے
رخ و گیسو کی صفت میں تو پریشاں کیوں ہے

گیسوؤں کا رخ انور پہ عجب حسن ہے واہ — ہیں یہ دو راتوں میں اک چاند ہے شان اللہ
چودھویں رات کا یا سنبلہ میں آ گیا ماہ — من کو حلقے میں لئے بیٹھا ہے یا مار سیاہ
کیا مری فکر بیاں اس کی حقیقت کرتی
یہ شب قدر ہے کعبہ کی زیارت کرتی

سچ ہے ان بالوں کو جو سنبل جنت کہئے — رخ کو زیبا ہے اگر آیۂ رحمت کہئے
غیرت بدر ہے یا خلق کی زینت کہئے — حق تو یہ ہے اسے اللہ کی قدرت کہئے
آنکھ والوں سے کہو آ کے تماشا دیکھیں
ذات خالق کا اس آئینہ میں جلوہ دیکھیں

دعوئے بدر نہ کس طرح سے باطل ہووے — اس میں دھبا ہے وہ کس منہ سے مقابل ہووے
اوج یہ مہر کو تا حشر نہ حاصل ہووے — اس میں یہ بات ہے جو دیکھے وہ مائل ہووے
کب یہ طاقت ہے کوئی کر سکے مدحت اسکی
ہوتے موسیٰ تو بیاں کرتے حقیقت اسکی

رخ انور کے تصور میں جبیں آئی نظر — کہوں آئینہ تو اس میں کہاں یہ جوہر
کس سے تشبیہ دوں حیرت سے ہوا میں ششدر — یک بیک وجد میں یہ بیت خود آئی لب پر
ہاں اگر مصحف کامل رخ نورانی ہے
سورۂ فاتحہ واللہ یہ پیشانی ہے

گوش دیکھے جو تہہ زلف کہا دل نے کہ واہ — پھول ہیں سنبل پیچاں میں زہے شان اللہ
طبع غواصی میں تا دیر رہی جب کہ تباہ — دُرِ مقصد ملا کوشش جو ہوئی خاطر خواہ
فکر بولے ارنی اتنا بھی تجھے ہوش نہیں
ہیں صدف چشمۂ ظلمات میں یہ گوش نہیں

آپ کی چشم سرمہ گیں علیٰ ہذا آپ کی چشم سرمہ گیں جو صورتاً بھی نہایت حسین اور بدرجہ غایت خوبیوں سے معمور، شان رعنائی میں یکتا اور دلربائی میں بے مثل غرور تھیں۔ کیونکہ آنکھ کی خوشنمائی کے لیے جس قدر اوصاف مشہور و معروف ہیں اور ان جمیع صفات کا مجموعہ اگر کسی آنکھ کو دیکھا ہے۔ تو وہ حضور قبلۂ عالم کی چشم مخمور تھی۔ ورنہ میں نے اپنی اس پچھتر سال کی عمر میں ایسے دلفریب صفات سے مملو کوئی آنکھ نہیں دیکھی اور قرینہ ہے کہ جو حضرات شرف زیارت آنحضرت سے مشرف ہوئے ہیں وہ ضرور میرے ہم خیال و ہمنوا ہوں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یار داغیار نے بالاتفاق اور بہ یک زبان اگر حضور کی کوئی مدح سرائی کی ہے۔ تو وہ آپکی خوبصورت آنکھ کا قصیدہ ہے۔ علاوہ ان خوبیوں کے صفت حیا و شرم جو مہذب اور محتاط آنکھ کے جوہر ہیں۔ وہ بھی سرکار عالم پناہ کی چشم مبارک کے خاص صفات میں داخل ہیں۔ مثلاً کبھی حضور نے چار آنکھ کر کے کسی طرف نگاہ نہیں فرمائی۔ استتار ستر کے لحاظ سے کبھی باریک کپڑہ کا تہبند نہیں باندھا۔ غسل کے وقت ہمیشہ خدام کو بہ نظر احتیاط ہٹا دیتے تھے۔ حتیٰ کہ کبھی اور کسی حالت میں آپ کی ساق مبارک بے پردہ نہیں ہوئی جو آپکے جد اعلیٰ کی خاص سنت ہے

اور معنوی لحاظ سے بھی آپ کی آنکھیں حق بیں اور حقیقت شناس تو عام طور پر مشہور ہیں۔ اور واقعی یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کی دائمی محویت۔ یعنی ہر وقت کسی گہرے خیال میں غرق اور مصروف رہنے سے ان کے جوش محبت اور شوق دید کا اظہار اس عنوان سے ہوتا تھا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ مردم چشم کسی ذات کا نظارہ کر رہے ہیں۔ اور شاہد بے مثال کے جمال باکمال کو بے حجاب دیکھ رہے ہیں۔ المؤلفہ

نرگس کو ایسی آنکھوں سے نسبت کہاں بھلا ۔۔۔ وہ ہے مریض ان کے اشاروں میں ہے شفا

دیدان کی اہل درد کو صحت کی ہے دوا ۔۔۔ حق بیں ہیں یہ۔ انھیں سے عرفان کا ہے نشا

مست انکے دیکھنے ہی سے سب خاص و عام ہیں

آنکھیں ہیں یا کہ بادۂ وحدت کے جام ہیں

اور ان آنکھوں کی دوسری معنوی شایان نمایاں طور پر یہ تھی کہ آپ کی چشم حقیقت نگر کے باطنی فیوض و برکات اس قدر ہیں کہ اگر اپنے چشم دید واقعات نگارش کردں۔ تو یہ مجموعہ ان کی گنجائش کے واسطے کافی نہ ہو۔ اس لئے تمثیلاً بعض تصرفات کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتا ہوں۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم منشی تفضل حسین صاحب وارثی۔ وکیل اوناؤ کے مہمان تھے کہ مضافات سہارنپور کے باشندے مولوی عبدالمنان صاحب نے حاضر خدمت ہو کر یہ عرض کیا کہ جناب اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ماورائے یوم النشور دنیا میں بھی رویت باری تعالیٰ ہو سکتی ہے۔ آپ نے مسکرا کے مولوی صاحب کو دیکھا اور فرمایا کیا آپ کو اس آیۂ کریمہ کا علم نہیں ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ یعنی جو یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا رہے گا۔

آپ کے ان الفاظ میں بظاہر وجدانی مضامین کا اشارہ بھی نہیں ہے۔ البتہ آپ نے سائل کو دیکھا ضرور تھا۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے تیر نظر کا کرشمہ ہوگا کہ حضور قبلۂ عالم سے یہ مختصر جملہ سنتے ہی مولوی صاحب مکیف اور از خود رفتہ ہو کر رقص کرنے لگے۔ اور حالت جوش میں بار بار کہتے تھے جادو بھرے نینا نے مارا۔

اسی مدہوشی میں لوگ مولوی صاحب کو دوسرے کمرے میں لے گئے۔ دو تین گھنٹے کے بعد جب افاقہ ہوا تو سب نے اس بیقراری کا سبب پوچھا۔ موصوف نے کہا۔ برادرم کیا بتاؤں کہ ان آنکھوں نے کیا دیکھا۔ اور پھر وہی حالت ہو گئی کہ مولوی صاحب حالت وجد میں بار بار کہتے تھے۔ جادو بھرے نینا نے مارا۔

دوسرے دن مولوی صاحب کو منشی تفضل حسین صاحب حضور کی خدمت میں لائے اور عرض کیا یہ غریب مولوی کل سے بے آب و دانہ تڑپ رہا ہے حضور نے مسکرا کے فرمایا مولوی صاحب کیسا مزاج ہے۔ عرض کیا شکر خدا کا۔ لیکن استدعا یہ ہے کہ اپنا بندہ بنا لو۔ حضور نے فرمایا مولوی صاحب کفر کی باتیں نہ کرو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کفر ہو یا اسلام حلقۂ غلامی میں داخل فرمائیے۔ آپ

نے بیعت لی۔ اور چند ہدایتیں فرماکر حکم دیا کہ جاؤ سیر کرو۔ آئندہ ذالحجہ کی نو تاریخ کو سید نہور (ضلع بارہ بنکی) میں آنا وہاں ملاقات ہوگی۔ حضور قبلہ عالم کی آخری علالت کے دوران میں ۲۵ محرم ۱۳۲۳ ہجری کو ایک نانک شاہی ممبر فقیر در دولت پر حاضر ہوئے۔ اور بعض غلامانِ وارثی سے اپنی حاضری کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے گرو نے ہدایت کی ہے کہ بہت جلد حاجی صاحب کے پاس جاؤ۔ ان کی آنکھ کی جوت میں نرنکار کا درشن ہوتا ہے۔ وہیں تمہاری سدھ ہوگی۔ دوسرے روز جب خدمت والا میں حاضر ہوکر زمین بوس ہوئے۔ تو حضور نے قریب بلایا۔ اور اسی حالت ضعف میں ان کو استغفار پڑھا کر مرید کیا۔ اور خرقۂ فقر مرحمت فرماکر حکم دیا کہ "تم حج کرنے جاؤ دنیا کی کسی چیز سے تعلق نہ رکھنا۔ اور سات فاقوں کے بعد بھی سوال نہ کرنا"۔

علی ہذا مسٹر جان بانکی پور کے مشہور بیرسٹر کا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جب حضور قبلۂ عالم پٹنہ تشریف لے جاتے تھے۔ تو بے ضرورت وہ کلکتہ چلا جاتا تھا۔ ایک روز خان بہادر مولوی سید فضل امام صاحب وارثی نے پوچھا کہ مسٹر جان تم حاجی صاحب قبلہ کی موجودگی میں ہمارے یہاں کیوں نہیں آتے۔ مسٹر موصوف نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ ہمارا دوست حکیم مبارک حسین ان کے سامنے گیا تھا۔ اور ان کی آنکھیں دیکھ کر پاگل ہوگیا۔ اب ننگے سر اور ننگے پاؤں پھرتا ہے۔ اور بنگلا کہتا ہے کہ میرا نام عبد اللہ شاہ ہے۔

بلکہ بعض جنٹلمین نے بھی مجھ سے کہا کہ جیسے ہم نے حاجی صاحب بابا کی آنکھ دیکھی ہے دنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ اور نہ کسی کام میں دل لگتا ہے۔ تو بھائی مجھے پاگل ہونا منظور نہیں ہے۔ اس لئے جب وہ آتے ہیں۔ تو میں بانکی پور سے بھاگ جاتا ہوں کہ ان کی آنکھیں دیکھ کر میری زندگی خراب نہ ہو۔

مختصر یہ کہ مریدین یا غیر مریدین کے جس قدر واقعات ہیں۔ گو ان کا موضوع اور کچھ یا مضمون دوسرا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ہر ایک واقعہ میں تھوڑا بہت آپ کی چشم سرمگیں کا تعلق ضرور ہے۔ بلکہ حضور قبلہ عالم کے کسی دست گرفتہ سے اس کی یافت اور کیفیت یا قلبی اہمیت

کے اسباب دریافت کئے جائیں۔ تو قرینہ غالب ہے کہ اگر وہ کوئی بتائے گا۔ تو یہ بھی ضرور کہے گا کہ حضور قبلۂ عالم کی دلفریب آنکھوں کا یہ کرشمہ ہے۔ اس لئے واقعات کا اعادہ کرنا صرف طوالت کا باعث ہے۔ اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ ہر قوم اور ہر مذہب کے افراد آپ کی چشم حقیقت بیں سے آگاہ ہونے کے ساتھ مداح بھی ہیں۔ لہٰذا آپ کی چشم حق شناس کا ایک واقعہ عجیب بلکہ عجیب تر لکھ کر اس مضمون کو ختم کر دوں گا۔

چنانچہ مسٹر سید شرف الدین بیرسٹر وارثی (جج ہائیکورٹ کلکتہ) ناقل تھے کہ ٹھاکر اودگر دموہن سنگھ رئیس اعظم بھاگلپور میرے مہمان تھے۔ ایک روز میں نے کچہری سے آکر دیکھا۔ تو ٹھاکر صاحب موصوف کو ان کے کمرے میں نہ پایا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ چار گھنٹے سے وہ میرے سونے کے کمرے میں تنہا بیٹھے ہیں۔ میں اس کمرے میں گیا تو یہ تماشا دیکھا کہ سرکار عالم پناہ کا وہ کارڈ سائز فوٹو جو پلنگ کے قریب چھوٹی سی میز پر رکھا رہتا تھا۔ ٹھاکر صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ اور چہرہ متغیر اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر سبب پوچھا تو موصوف نے غمگین لہجے میں کہا کہ بھائی شرف الدین یہ کس کا فوٹو ہے۔ میں نے چند لفظوں میں حقیقت بیان کردی۔ ٹھاکر صاحب اور زیادہ بیقرار ہو گئے۔ اور فوٹو کو سینے سے لگا لیا۔ میں نے کہا کہ اپنی اس بے چینی کا حال تو بیان کرو۔ موصوف نے کہا بھائی اس تصویر کی آنکھ جب سے دیکھی ہے اس وقت سے تن۔ من۔ دھن دھرم کا ہوش نہیں خدا کے واسطے وہ اصل آنکھ دکھا دو جس کی یہ تصویر ہے۔ میں نے کہا گھبراؤ نہیں اسی آخر ہفتہ میں اس آنکھ والے کو دکھا دوں گا۔

چنانچہ جمعہ کے روز کچہری کے بعد ٹھاکر صاحب کو لے کر دیوی شریف آیا۔ اور حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں یہ کہہ کر ان کو پیش کیا لیجئے آپ کی چشم مخمور کا یہ تازہ شکار ہے۔ آپ نے مسکرا کے برجستہ فرمایا۔ ٹھاکر صاحب بڑے نظر باز ہیں"۔ ٹھاکر صاحب نے قدمبوسی کی اور مرید ہوئے۔ حضور نے چند ضروری ہدایتیں فرما کر بکمال شفقت پیٹھ پر آہستہ سے گھونسا مارا اور ارشاد ہوا۔ "ٹھاکر جاؤ جس صورت کو دیکھا ہے اس کو یاد رکھنا ہی

کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔"

اس قصہ سے مجھ کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ آپ کی چشم سرمگیں کے صفات و تصرفات جس قدر دیکھے اور سنے ہیں۔ گو وہ اوصاف کسی دوسری آنکھ میں دیکھے نہ سنے۔ لیکن جس طرح بلحاظ تواترات ان کی صحت میں کلام نہیں۔ اسی طرح وہ اس لئے بھی مان لینے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ کہ اگر ایک مقدس اور برگزیدہ ہستی کی چشم حق شناس سے حسنِ خداداد کے عکس و اثرات سے غیر معمولی واقعات کا اظہار ہوا۔ تو عقلاً بھی بعید نہیں ہے۔ مگر یہ حیرت خیز واقعہ تو زبان حال سے شاہد ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے نوٹو کی آنکھ نے یہ کرشمہ دکھایا کہ ایک عیش پسند ہندو کے قلب تیرہ و تار کو محبت کے انوار گوناگوں سے ایسا معمور کیا کہ خود صاحب چشم حقیقت بین نے بکمال عنایت یہ وعدہ فرمایا کہ تمہارا حشر ہمارے ساتھ ہوگا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

الغرض یہ اس عدیم النظیر آنکھ کے حسن و جمال کے کارنامے ہیں۔ جس میں صانع باکمال نے کوٹ کوٹ کے گوہر صفات بھر دیئے تھے۔ جن کی صراحت بجز صاحب دیدہ یانت مجھ بے بصیرت سے ناممکن اور محال ہے۔ ملولفہٗ۔

سرمگیں آنکھوں میں یہ بھید ہے بھری شرم و حیا
ہم میں بھی نہیں اپنے جو انھوں نے دیکھا

عرش سے آگے رسائی ہے زہے شان علاو
واقفِ پردہ اسرار یہی ہیں بخدا

رازِ سربستہ سے آگاہ یہی آنکھیں ہیں
دید جن کو ہوئی واللہ یہی آنکھیں ہیں

بینیٔ پاک کی توصیف جو درپیش ہے اب
حل یہ عقدہ کروں پایا ہے دماغ ایسا کب

کوئی بینی کی نہ تشبیہ ملی مجھ کو جب
منفصل گوش جو دیکھے تو کھلا یہ مطلب

خضر جس طرح رہا کرتے ہیں الیاسؑ کے پاس
قطب دو یہ بھی ہیں اک صاحب انفاس کے پاس

یہ کہاں منہ ہے مرا میں جو کروں وصف دہن　　چشمۂ فیض ہے یا غنچۂ نسریں دہن
فصحا شرم سے چپ ہیں کیے نیچی گردن　　نطق عیسٰی کا ہو بند ایسے ہیں اعجاز سخن

قدرت حق کا تماشا یہ دکھا دیتا ہے
بات کی بات میں مردوں کو جلا دیتا ہے

آگیا اب دُرِ دنداں کا مرے دل میں خیال　　کس سے نسبت انھیں دوں انکی ہے تشبیہ محال
گو کہوں سلک گہر تو بھی غلط ہے یہ مثال　　جان دیتا ہے ہر اک ان پہ یہ ہے ان کا جمال

جس نے دیکھا انھیں وہ تاب نہیں لاتا ہے
عاشق ان دانتوں کا ہیرے کی کنی کھاتا ہے

بے محل اب نہ کروں بات یہی ہے بہتر　　آگیا ذکر زباں کا نہ رہوں چپ کیوں کر
روح سحبان کی ہو دنگ اسکی فصاحت سنکر　　اس کے عاشق سے تو پوچھے کوئی اس کے جوہر

جو کہا اس نے وہ ٹلتا نہیں زنہار کبھی
اس سروپی کے نہیں دیکھے ہیں کیا وار کبھی

آپ کا طرز کلام حضور قبلۂ عالم کا طرز کلام اپنی نوعیت میں فرد۔ اور راہبیت میں یگانہ ہے یا یوں کہا جائے کہ آپ کی باتوں کے اثرات صوری و تصرفات معنوی سے ایک عالم علیٰ قدر مراتب مستفیض اور فائز المرام ہوا کہ باعتبار ظاہر اہل حاجت کی حاجت روائی کی اور بلحاظ باطن ارباب ارادت کی رہنمائی ایسی فرمائی کہ اکثر آزاد دنیا کے دام تزویر سے آزاد ہو کر تعلقات عالم کے بار گراں سے سبکدوش۔ اور بجائے ذکر ماسوے اللہ کے فکر وصال شاہد حقیقی میں خاموش ہو گئے۔ بقول بلبلؔ شیراز علیہ الرحمتہ

ز مرغ صبح ندانم کہ سوسن آزاد　　چہ گوش کرد کہ بادہ زبان خموش آمد

چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ سرکار عالم پناہ کی خوشگوار باتیں جس طرح رموز و نکات کی سرچشمہ اور فیوض و برکات کی مجموعہ تھیں۔ اسی طرح آپکی بے نظیر تقریر دافع آفات و رافع مہمات بھی تھی۔

حالانکہ کسی مخصوص خیال میں ہمہ وقت مصروف رہنے کی وجہ سے آپ گفتگو بہت کم فرماتے تھے اور اگر کسی ارادتمند یا عقیدت شعار سے مخاطب ہو کر بہ اقتضائے خلقِ عمیم یا بخیال تربیت و تعلیم کچھ ارشاد فرمایا۔ تو ایسے چند جملوں میں جو باوجود اختصار کے نہایت جامع اور معنی خیز ہوتے تھے۔ مگر طویل اور بسیط گفتگو کرنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔

ریزد چو لعلش حرف گرانمایہ تو گوئی گنج از در گنجینۂ اسرار برآمد

لیکن انھیں چھوٹے چھوٹے جملوں کا مفہوم مختلف الخیال سامعین کے مقاصد اور مطالب کا کافی جواب ہوتا تھا۔ اور اسی مختصر عبارت کے باطنی فیضان سے طالبین راہ حق کے خدشات و خطرات کی اصلاح بھی ہوتی تھی۔ اور اہل ضرورت کے حاجات و مرادات بھی حسب مقصود پورے ہوتے تھے۔ یعنی طالب خدا اگر فیوض باطنی سے شرف اندوز ہوتے تھے تو حاجتمند بھی ناکام نہیں رہتے تھے۔ اس لئے آپ کی تقریر کو جامعیت کے لحاظ سے اگر لاجواب اور عدیم النظیر کہا جائے۔ تو شاید کسی کو کلام نہ ہوگا۔

چنانچہ مقدمۂ منہاج العشقیہ میں نگارشش کر چکا ہوں کہ حضور قبلۂ عالم کی تقریر کو اگر فصاحت کے اعتبار سے دیکھتے ہیں۔ تو باوجود دائمی محویت اور مستقل استغراق کے نہایت برجستہ اور بغایت سلیس اور شستہ اور سادگی کے ساتھ خوشگوار بھی ہوتی تھی۔

یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ کی تقریر میں مستند محاورات بھی شامل ہوتے تھے۔ اور اکثر کسی برگزیدہ صوفی کا کوئی مشہور مقولہ۔ یا کوئی صحیح حدیث یا کوئی آیت قرآنی تمثیلاً شریک ہوتی تھی۔

عموماً آپ کی تقریر انکسار آمیز۔ تعلی سے معرا۔ اور کسی کی تحقیر اور ہجو سے مبرا تعصب اور نفسانیت سے پاک۔ محبت اور صداقت سے مملو ہوتی تھی۔

آپ کی تقریر میں خوبصورت روانی۔ اور برجستہ آمد اور تکلفات آورد کے نقائص سے پاک اور صفات شائستگی سے سراپا موصوف ہوتی تھی۔

آپ کی تقریر کا طرز اور لہجہ اس قدر خوشگوار تھا۔ جس سے شان محبوبیت کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا تھا۔ جس سے ارادتمند متاثر ہوتے تھے۔

آپ کی وطنی زبان گوار ودتی۔ لیکن اہل عرب سے عربی میں۔ ایرانیوں سے فارسی میں۔ افغانیوں سے پشتو میں بلاتکلف آپ گفتگو کرتے تھے۔

اگر بلحاظ بلاغت دیکھا جائے۔ تو آپ کی تقریر مسائل تصوف کے معنوی لطائف اور فقر و فنا کے حقائق و معارف سے مملو ہوتی تھی۔

آپ کے انداز تقریر کی ایک شان یہ تھی کہ سامعین ہمہ تن گوش ہوجاتے تھے اور پھر ان کے عادات و معاملات انھیں نصائح کے تحت میں رہتے تھے۔

آپ کی تقریر کا ایک مخصوص حسن تصرف یہ تھا کہ گو سامعین مختلف الحال ہوتے تھے لیکن ہر شخص سمجھتا تھا کہ آپ مجھ سے مخاطب ہیں۔ اور روئے سخن میری جانب اور مفہوم میرے حسب حال ہے۔ اور اس ایک ہی تقریر کے ظاہری الفاظ کے فیوض و برکات سے ہر شخص باوجود مختلف الخیال ہونے کے مستفید ہوتا تھا۔

چنانچہ میرا مشاہدہ ہے کہ بیک وقت چار ارادتمند جو کلیتہً مختلف الخیال تھے۔ حاضر خدمت ہوئے۔ ہنوز کچھ عرض نہیں کیا تھا کہ حضور نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ "جو شخص خدا پر بھروسا کرتا ہے۔ خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔ اور تم تو آج رہو گے۔ کل چلے جانا۔"

حسب ارشاد چاروں ارادتمند قدمبوس ہو کر چلے۔ لیکن دیکھا کہ وہ لوگ مسرور بہت ہیں۔ ان کے بے محل اور غیر معمولی خوشی دیکھ کر مجھ کو خیال ہوا کہ موصوفین سے اس مسرت اور خوشی کا باعث دریافت کرنا چاہیئے۔ شب کو ان سے مل کر مستفسر حال ہوا۔ معلوم ہوا کہ ایک صاحب کا ہائیکورٹ میں مقدمہ ہے۔ جس کی کامیابی کے وہ ملتجی تھے۔ دوسرے صاحب کو بعض عقائد اسلام سے اختلاف تھا۔ تیسرے تہبند پوش اس کے خواستگار

تھے کہ کوئی ذکر تعلیم فرمایا جائے پر تھے حقائق توحید سے واقف ہونا چاہتے تھے۔ اور چاروں کو مسرت اس کی ہوئی تھی کہ فیضان وارثی نے ہماری خواہشات کو پورا کر دیا ظہوری

یک سخن از تو طرح گردیداست — در ہزاراں سخن نمی گنجد

لہذا اس مختصر تقریر کے برکات اور معمولی جملوں کے تصرفات کو نظر تامل سے دیکھنا چاہئے۔ کہ بظاہر تو سادہ الفاظ کے دو جملے تھے۔ مگر نہیں معلوم کونسا معنوی لعنت ان غلاموں کے پیش نظر کر دیا گیا۔ کہ اس ایک عبارت نے چاروں مسترشدین نے چار معنی اپنے اپنے حسب حال سمجھے۔ اور لطف یہ کہ ان کے خیال کو اس وقت عین الیقین کا مرتبہ دیا گیا۔ کہ بجائے تذبذب و احتمال کے ان کو اپنی سمجھ پر اس قدر وثوق ہوا کہ مطمئن اور مسرور ہو گئے۔

مزید براں۔ زیادہ حیرت خیز امر یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد جب انہیں حضرات سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ صاحب مقدمہ کو کامیابی ہوئی۔ اور دوسرے صاحب کے خدشات رفع ہو گئے۔ شاہ صاحب کو دیکھا کہ ذکر اسم ذات جاری ہے۔ اور چوتھے صاحب کو توحید وجودی کا قائل پایا۔

قربان۔ آپ کے طرز تقریر کی شان پر کہ معمولی الفاظ کے پردہ میں یہ کرشمہ دکھایا کہ چاروں کے امراض گو مختلف تھے۔ مگر اس طبیب باطنی کے ایک نسخہ نے سب کو شفائے کامل مرحمت فرمائی۔

علیٰ ہذا آپ کی برجستہ تقریر میں یہ روحانی اثر بھی دیکھا کہ اکثر غلاموں کے قلوب کدورت نفسانیہ سے صاف ہو گئے۔ اور فیضان کلام وارثی سے یہ نصفیہ ایسا قوی اور مستقل ہوا کہ تا دم مرگ قلب کو یقین اور اطمینان رہا۔ جس کو عرف صوفیہ میں تصدیق کہتے ہیں۔

آپ کی معجز نما تقریر کی ایک عجیب شان یہ بھی دیکھی ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے اپنے غلاموں سے الگ کی عدم موجودگی میں خطاب فرمایا اور انہوں نے اپنے مقام پر اس کو بخوبی سنا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بعد مغرب بمباحثہ آپ نے فرمایا کہ کیا باہیئت پڑھا کرو۔ چونکہ بظاہر

کوئی موجود نہ تھا۔ اس لئے استعجاب ہوا اور یہ واقعہ میں نے بقیہ تاریخ لکھ لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد چودھری خدا بخش صاحب ٹھیکیدار متوطن اٹاوہ جو بارگاہ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش تھے۔ بہ تمنائے قدمبوسی دیوی شریف حاضر ہوئے۔ جب مجھ سے ملاقات ہوئی۔ تو دوران گفتگو میں ان کے کاروبار کی حالت بھی دریافت کی۔ موصوف نے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ اس کے قبل میں بہت قرضدار ہو گیا تھا۔ لیکن سرکار کے کرم سے وہ پریشانی یوں مبدل بہ خوشحالی ہو گئی۔ کہ ایک روز بعد نماز مغرب حسب دستور میں نے تصور کیا۔ اور اتفاق سے حضور کی برزخ قائم ہو گئی اسی حالت میں آپ نے فرمایا: "یا باسط" پڑھا کرو۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور بہت جلد میرا کاروبار پہلے سے بھی اچھا ہو گیا۔ اور قرضہ کی بھی ادائی ہو گئی۔

چودھری صاحب سے یہ واقعہ جو سنا۔ اور اپنی یادداشت سے تاریخ کا مقابلہ کیا۔ تو مطابق پایا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ حضور قبلۂ عالم کا وہ ارشاد بے وجہ نہ تھا۔ بلکہ ایک نادار غلام کی پرورش منظور تھی۔

دو چار روز کے بعد میں نے برسبیل تذکرہ چودھری صاحب کا یہ تصہ حضور قبلۂ عالم سے عرض کیا۔ تو فرمایا۔ ہاں۔ جو تصدیق کے ساتھ "یا باسط" پڑھتا ہے۔ وہ تنگدست نہیں رہتا۔"

الغرض۔ اس مختصر تصریح سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ آپ کی تقریر فیوض و برکات سے مملو تھی۔ باوجودیکہ میری عدیم اہلیت سے وہ صفات چھوٹ گئے۔ جن کا روحانیت سے گہرا تعلق تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ظاہری خوبیوں کو بھی کما حقہ نہ دکھا سکا۔ اور نہ آپ کی تقریر کو مذکورۂ بالا صفات کے ساتھ محدود کر سکتا ہوں۔ کیونکہ جو اوصاف بیان ہوئے۔ یہ تو میری ناقص معلومات کا اندازہ تھا۔ ورنہ جو سامعین عالی خیال اور صاحب فہم و ادراک ہوں گے خدا جانے انھوں نے آپ کی برجستہ تقریر کی کیا عظمت سمجھی ہو گی۔

لہٰذا سرکار عالم پناہ کا تن اطہر سراپا قدرت الٰہی کا نمونہ اور صنعت ایزدی کا مجموعہ تھا۔ جس کے ہر عضو نے اپنے برکات ظاہری اور تصرفات باطنی سے تقریباً ستر سال تک دنیا کو

مستفید فرمایا۔ اس لئے ہر ایک جزو بدن آپ کا ہزار شاد ستائش کے قابل ہے۔ لمؤلفہ

مدحتِ چاہِ ذقن لکھنے کو بیٹھا جس دم — خوف طاری ہوا چلنے لگا رک رک کے قلم
کس سے تشبیہ دوں حیرت کا ہے مجھکو عالم — اس نشیبِ رہِ الفت کی ثنا کیا ہو رقم

چوٹ کھائے ہوئے دل سے یہ اذیت پوچھو
چل اس چاہ کی یوسف سے حقیقت پوچھو

بخدا ہے یہ گلا نور کے سانچے میں ڈھلا — طور کی شمع سے بہتر ہے کہیں اس کی ضیا
جس نے دیکھا اسے بے ہوش ہوا یہ جو سنا — عقل نے مجھ سے کہا ہے یہ محل خوف کی جا

کتنا بے خوف ہے تو ڈر نہیں اصلا تجھکو
مثل موسیٰ کہیں غش آئے نہ شیدا تجھکو

کہا گردن کو اگر میں نے کہ ہے شمع طور — بے وقوفی ہے نہ مانیں گے اے اہل شعور
اس کی توصیف بیاں ہو یہ ہے کس کا مقدور — یہ گلا وہ ہے جسے دیکھ کے ہوتا ہے سرور

نحن واقرب صفت آئی ہے اسی کی دیکھو
عاشقو بادۂ وحدت کی صراحی دیکھو

جان دیتے ہیں انھیں باتوں پہ سب اہل صفا — بر ملا کہتے ہیں سب کے ہیں یہی دستِ خدا
پوچھا باعث تو نہیں دیتے جواب اسکے سوا — تم ہو جاہل کبھی سمجھو گے نہ مطلب اس کا

خوبی بخت ہے ایسا جو ملا پیر ہمیں
یاد ہے خوب ید اللہ کی تفسیر ہمیں

پنجۂ مہر ہوا ہے اسی پنجہ سے خجل — مرتبا پنجۂ مریم کو کہاں یہ حاصل
کام آساں یہ نہیں اس کی ثنا ہے مشکل — اس میں ہے پنجتن پاک کا جلوہ اے دل

سب ہی قبضے میں ہے دعویٰ اے شاہی کا ہے
شش جہت میں یہی مختار خدائی کا ہے

انگلیوں پر ہوں نہ کس طرح فدا اہل مذاق — رہبری سب کی کریں اس میں یہی ہیں مشتاق
دستگیری کی صفت میں ہیں شہیر آفاق — لیویں مشکل میں خبر عقدہ کشائی میں ہیں طاق

نیک اور بد سے بھی آگاہ یہ کر دیتی ہیں
ہاتھ پکڑا تو مع اللہ یہ کر دیتی ہیں

سینۂ پاک ہے گنجینۂ راز احدی — کینہ و بغض و حسد کبر و کدورت سے بری
یہ صفائی کبھی آئینہ میں دیکھی نہ سنی — اہل دل سمجھیں نہ کس طرح بزرگی اسکی

زہد زاہد کو دل افگاروں کو الفت بخشی
جس کو سینے سے لگایا اسے نعمت بخشی

وصفِ سینے میں رہا ذہن رسا سرگرداں — دمِ تحریر ہوا فکر کو کیا کیا نہ گماں
کوششیں طبع نے کیں تب یہ کھلا راز نہاں۔ — لوحِ محفوظ ہے یا عرشِ خدائے دو جہاں

صدرِ اعظم ہے در فیض کا گنجینہ ہے
صورتِ علمِ لدنی کا یہ آئینہ ہے

اور اسی سینہ کے پہلو میں ہے دل کا بھی مقام — وصف اس دل کا ہو یہ دل نہیں کھلتا ہے قلام
ذکر میں شغل میں مصروف یہ رہتا ہے مدام — الغرض یاد الٰہی میں کٹی عمر تمام

بھول کر لذت دنیا کی طرف چاہ نہ کی
عشق میں سینکڑوں صدمے سہے پر آہ نہ کی

یہ شکم وہ ہے جو پر نعمتِ خالق سے رہا — مخزنِ صبر و توکل لئے کہنا ہے بجا
ذہن توصیفِ کمر میں ہوا کوشاں جو سوا — دل یہ بولا تجھے عنقا نہیں ہوش میں آ

مستعد ہو گیا تو کوشش بے جا کے لئے
دام پھیلایا گرفتاری عنقا کے لئے

مدحتِ موئے کمر ہو نہیں سکتی زنہار — فکر بے سود ہے۔ تدبیر ہے کرنا بیکار

اسم اعظم کی طرح یہ نہ کھلے گا اسرار ہے وجود اس کا مگر ہو نہیں سکتا اظہار
کیوں نہ خاموش ہوں عاقل کہ محل صبر کا ہے
اختیار اس میں نہیں مسئلہ یہ جبر کا ہے

صفت پائے مبارک بعض مؤلفین سیرت وارثی نے حضور قبلۂ عالم کی اس مخصوص صفت کا بھی ذکر کیا ہے کہ باوجود نعلین چوبی ہر وقت استعمال نفرمانے کے ہمیشہ پائے مبارک گرد وغبار سے ایسے پاک اور محفوظ رہتے تھے۔ جن کا فرش سفید پر بھی نشان نہ پڑتا تھا۔ بلکہ صاحبِ مشکوٰۃ حقانیہ نے بھی اس کی تائید میں بعض مستند اور ممتاز حضرات کے مشاہدات کا حوالہ دیا ہے۔ ظہوری سے

کعبہ رد نعلین دور انداز در گام نخست از مغیلان نشتران زیر قدم می آورد

واقعی حضور قبلۂ عالم کی یہ صفت عجیب اور عدیم المثال صفت ہے اور نظر غائر سے دیکھتے ہیں۔ تو صرف آپ کی ذات محمود الصفات اس مخصوص صفت سے موصوف معلوم ہوتی ہے اور آپ کی یہ صفت کسی خاص وقت اور موقع کے لئے موقوف نہ تھی۔ بلکہ بلا قید مکان و زماں ہمیشہ اور ہر حالت میں اس صفت کا علی الاعلان اظہار ہوتا تھا کہ جس کے شاہدین کی فہرست بجائے خود ایک مستقل کتاب ہو سکتی ہے۔

لیکن حضور قبلۂ عالم کی اس مخصوص صفت کا جس طرح زمانہ معترف ہے۔ اسی طرح آپ کی یہ خداداد صفت اپنی نوعیت میں عقلاً و نقلاً ایسی غیر معمولی و عدیم النظیر ہے۔ جس کا ذکر سن کے بوجہ اپنی عدم معرفت کے استعجاب ہوتا ہے۔

کیونکہ جب تک حضور کے پائے مبارک کی اس صفت کا خلق میں اظہار نہیں ہوا تھا کسی فرد بشر کے کانوں نے نہ اس غیر معمولی صفت کا افسانہ سنا تھا۔ اور نہ کسی کی آنکھ نے یہ عجیب و غریب کرشمہ دیکھا تھا۔ بلکہ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ متقدمین حضرات صوفیائے کرام کے صفات میں نہ اس بے مثل صفت کا ذکر ہے۔ اور نہ ان کے تصرفات میں کوئی ایسا تصرف

نظر آتا ہے جس سے ہمیشہ اور مستقل طور پر اس صفت کا اظہار ہوا ہو۔

علیٰ ہذا النظام فطرت بھی یہی ہے کہ خشک مٹی سے پاؤں گرد آلود اور تر مٹی سے پاؤں میلے ضرور ہو جاتے ہیں۔ اور ہر دو حالت میں ان کا نشان فرش پر محسوس ہونا لازمات سے ہے مگر حضور قبلۂ عالم کا معاملہ کلیتہً اس کے خلاف دیکھا کہ کوسوں کی مسافت پا پیادہ اور پا برہنہ طے کرنے کے بعد بھی آپ کی کف پا گرد آلود نہ ہوئی۔ اور نہ بارش کے زمانہ میں آپ کے پاؤں کبھی میلے ہوئے جن کا سفید فرش پر کبھی داغ نہ لگا۔

بلکہ حضور قبلۂ عالم کے سوانح میں ایسے واقعات بھی منقول ہیں کہ اکثر غیر مریدین نے آپ کی تشریف آوری کے وقت بہ نظر آزمائش اپنا صحن مکان پانی سے خوب تر کر دیا اور اسی میں سے گذر کر آپ فرش پر آئے۔ مگر اس سفید فرش پر دھبہ نہ لگا۔

مختصر یہ کہ نہ منقولات کی وساطت سے اس بے مثل صفت کے خصوصیات کا ہم کو علم ہوا۔ اور نہ معقولات کے ذریعہ سے آج تک یہ سمجھ میں آیا کہ واقعی اس صفت کی اصل وحقیقت کیا ہے۔ اس لئے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قدرتی ودلیعت اور وہبی عنایت ہے۔ اور اس راز سربستہ کی ماہیت کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ جس کو واہب العطایا نے حق شناس کیا ہے۔ بقول۔

در کارخانۂ کہ رہ علم وعقل نیست   وہم ضعیف درائے فضولی چرا کند

اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار عالم پناہ کی یہ غیر معمولی صفت اور عجیب وغریب خصوصیت جس کے ظاہری تصرف سے گروہ مریدین وزمرۂ معتقدین وغیر معتقدین میں قریب قریب ہر شخص واقف ہو اور جس کا خاص وعام بلکہ یار واغیار نے ہر شہر و دیار میں بار بار مشاہدہ کیا ہے اور جس حیرت خیز واقعہ کی یہ شان ہے کہ عین الیقین کا مرتبہ حاصل کر چکا ہے۔ لہذا خلق اللہ کی یہ چشم دید صفت نہ صراحت کی ابتشنہ ہے۔ نہ اشاعت کی محتاج اور اگر اس شہرت کے بعد بھی جس سے دنیا کا بڑا حصہ خبردار ہے۔ اس کا اعادہ کیا جائے

تو طوالت کے اعتبار سے بیکار ثابت ہوگا۔

قطع نظر اس کے ارباب طریقت نے ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اخبار جو مشتمل بہ رموز و اسرار ہوں۔ ان کا اعلان عام منافی احتیاط ہے۔ اس لئے کہ بہت بلند مضامین کی سماعت سے اکثر عوام الناس بجائے مفاد و منفعت کے مفاد و ضلالت کا نقصان اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ روحانی صفات اور معنوی حکایات کے تذکرہ سے انھیں طالبان راہ حق کو فائدہ پہونچتا ہے جن کا قلب درد و محبت سے متاثر ہو۔ چنانچہ اسی خیال سے مجموعۂ ہذا کے مقدمہ میں عرض کرچکا ہوں کہ حضور قبلۂ عالم کے وہ حالات و ارشادات نگارش نہ کرونگا جن کا نہایت ہی گہرا اسرار کار ہوگا۔

اور اسی اعتبار سے سرکار عالم پناہ کی اس مخصوص صفت کی تشریح و تصریح سے جو عین ودیعت حق اور عنایت وہبی ہے۔ معذور ہوں۔ اور اسی قدر عرض کروں گا کہ میری آنکھوں نے حضور کے پائے مبارک کی یہ صفت دیکھی ضرور ہے۔ کہ نہ کبھی وہ غبار آلود ہوتے۔ اور نہ سفید فرش پر ان کا دھبہ محسوس ہوا۔ مگر اس میں کیا اسرار خداوندی تھے۔ اس سے نابلد اور بے بہرہ ہوں۔ نہ یہ بتا سکتا ہوں کہ اس صفت کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے۔ نہ یہ سمجھانے کا شعور ہے کہ یہ صفت حاجی صاحب قبلہ کے واسطے مخصوص کیوں تھی۔ اور اس وصف خاص کا تمام عمر قدم قدم پر اظہار کیوں ہوا۔ البتہ یہ با آواز بلند کہہ سکتا ہوں کہ یہ صفت ہمارے سرکار عالم پناہ کی مخصوص صفت ہے۔ بلکہ مؤلفین سیرت وارثی نے شاید خیال نہیں کیا کہ حضور قبلۂ عالم کے اوصاف پائے مبارک میں ایک اور بھی چھوٹی سی صفت مستتر ہے۔ لیکن اس صفت کی بھی معنوی صراحت اس لئے ہمارے امکان سے باہر ہے کہ آپ کی چھوٹی سے چھوٹی صفت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ اسرار کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ وہ صفت نگارش کرنے سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کرونگا کہ نظام فطرت کا یہ کلیہ ہے کہ دنیا میں ہر قوم۔ اور ہر قوم میں ہر طبقہ کے افراد کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے یہ خصوصیت عموماً دیکھی جاتی ہے۔ کہ تمام جسم کی کھال سے ان کے تلوے کا چمڑا دبیز۔ اور ان کی ایڑی سخت ہوتی ہے۔

اور اگر اس کلیہ میں ان غریبوں کا شمار نہ بھی کیا جائے۔ جن کا ہمیشہ پا پیادہ پھرنا اور
پا برہنہ بہ سبب غربت یا بہ لحاظ پیشہ داخل معاشرت ہے۔ اور صرف اعلیٰ طبقہ کے حضرات
اہل ثروت کو دیکھا جائے۔ جو اپنے گھر میں جوتا اور پتابہ پہننے کے عادی ہیں۔ اور بغیر سواری
کے چار قدم بھی نہیں چلتے۔ تو وہ بھی اس نظریہ فطرت سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اور ان کے
بھی تلوے کی کھال۔ ان کے جسم کی کھال سے زیادہ موٹی۔ اور تلوے سے بہت زیادہ ایڑی
کی کھال موٹی اور سخت ہوتی ہے۔

لیکن اس فلسفۂ فطرت کے بالکل برعکس ہمارے سرکار عالم پناہ کے تلوے کی کھال
نہایت نازک اور ایڑی نرم تھی۔ باوجودیکہ آپ نے ہندوستان کے علاوہ حجاز۔ عراق۔ ایران
اور یدوس۔ مصر۔ قسطنطنیہ۔ شام۔ حلب اور بعض حصص یورپ کی پا پیادہ سیاحت فرمائی اور
پہاڑوں کے ناہموار راستے۔ اور ریگستان کے چٹیل میدانوں کا پا برہنہ سفر کیا۔ مگر آپ کی کف
پا شیرخوار اور ماں کی گود میں رہنے والے بچے کے تلووں سے زیادہ نرم و نازک تھے جس لئے
بیساختہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ صفت بھی حضور قبلہ عالم کے خصوصیات میں داخل اور کلیۂ فطرت
کا ایک نازک استثنا رہی۔ چنانچہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ پاؤں دبانے میں سرکار عالم پناہ
کی کف پا کو جب ازحد شفاف اور ریشم کی مثل نرم پایا۔ تو میں نے حالت استعجاب میں
اپنے گالوں سے مقابلہ کیا۔ اور خود حکم بنا۔ باللہ العظیم اس وقت میرے ایمان اور انصاف
نے یہی فیصلہ کیا کہ تیرے گالوں سے حضور کی کف پا بہت زیادہ نرم و نازک ہے۔

ہٰذا باعتبار ظاہر آپ کے پائے مبارک کی اس بعید از عقل لطافت کو جسمانی صفت
تو کہہ نہیں سکتا۔ کہ فلسفہ فطرت کے قطعی خلاف ہے۔ اور اس کا بھی محل نہیں ہے کہ بطور استدلال
یہ عرض کروں کہ قدرتی لطافت آپ کی شان عظمت و رفعت کی عین حجت۔ اور آپ
کے مراتب تقرب اور مدارج محبوبیت کی خاص علامت ہے۔

اور بوجہ عدم اہلیت نہ یہ جسارت کر سکتا ہوں کہ اس قدرتی لطافت کے رموز و

اسرار نگارش کروں۔ اس لئے زیادہ آسان صورت یہی نظر آتی ہے کہ برادران طریقت اس عجیب وغریب صفت کی حقیقت وماہیت کی نسبت خود محاکمہ فرمائیں۔ اور اپنے اپنے خیال اور مذاق کے مطابق حضور قبلۂ عالم کے کف پائے مبارک کے اس وصف کے ظاہری امتیاز اور باطنی اعزاز کا تصفیہ کریں۔

بہ تن بوپا کند گلہائے تصویر نہالی را | بپا بیدار سازد خفتگانِ نقش قالی را
لطافت آنقدر دارد کہ ہنگام خرامیدن | تواں از پشت پالش دید نقش روئے قالی را

ورنہ میں یہی عرض کروں گا کہ سرکار عالم پناہ کی یہ صفت اپنی نظیر آپ ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ اس واسطے کہ یہ صفت ان قدوم میمنت لزوم کی ہے۔ جن کے فیوض وبرکات سے ہزاروں گم کردہ راہ فائز المرام ہوئے۔

یہ وہی پاؤں ہیں جو راہ خدا میں ہیں چلے | وادیٔ صبر ورضا سے یہ قدم پھر نہ ٹلے
ہونے حق ہیں وہی یہ پاؤں جو آنکھوں سے ملے | ان کا پیرو جو نہیں عشق کا وہ نام نہ لے

کیوں نہ عشاق دل وجان سے چاہیں ان کو
مشق سب کوچۂ الفت کی ہیں راہیں ان کو

سر یہاں جس نے جھکایا وہ ہوا نیک انجام | دین ودنیا کے سبھی بن گئے بگڑے ہوئے کام
اپنے پیر دکی یہی رہبری کرتے ہیں مدام | اب قدم چوم لے شیدا کہ سراپا ہے تمام

کوئی دنیا میں تعلی سے نہ ممتاز ہوا
سر یہاں جس نے جھکایا وہ سرافراز ہوا

آپ کے جسم کی خوشبو اسی سلسلہ میں حضور قبلۂ عالم کی اس مشہور اور مخصوص صفت کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے جسم اقدس سے ایسی خوشگوار نکہت آتی تھی کہ علاوہ اہل ارادت کے غیر مریدین حضرات جب خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے تھے۔ تو وہ بھی اس روح پرور اور جان نواز خوشبو سے متاثر ہو کر آپ کی شان محبوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ ظہوری سے

پیراہن برگ سمن گشتہ ز لطف بدنش ‌ ‌ ‌ اے خوش آں مغز کہ بوئے کشد از پیرہنش

حالانکہ بعض مؤلفین سیرت وارثی نے سرکار عالم پناہ کی اس عدیم النظیر صفت کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے صفحہ ۳۹ میں مولانا فضل رحمٰن صاحب علیہ الرحمتہ کے ایک مقتدر حلقہ بگوش کی تصدیقی روایت نقل کی ہے۔

لیکن اس غیر معمولی صفت کا علم چونکہ جملہ غلامان وارثی کو بخوبی ہے۔ اس لئے جناب والا کے جسم اقدس کا یہ تصرف محتاج بیان نہیں۔ بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ اس جلیل القدر صفت کا تذکرہ ایسے بدیہی دلائل اور نمایاں اسناد کے ساتھ کیا جائے کہ اس گزشتہ واقعہ کے اہم اثرات اور زریں برکات سے خاص و عام ہمیشہ شرف اندوز اور فائز المرام ہوا کریں کیونکہ حضور قبلۂ عالم کی اس مہتم بالشان صفت کے دیکھنے والے ارادتمندوں سے اب دنیا کا ہر گوشہ خالی ہوتا جاتا ہے۔ اور اگر چند معمر پرستاران وارثی کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ تو وہ بھی اس عالم فانی کی سیر کر چکے ہیں۔ اور اب سفر ملک جاودانی کے لئے کمربستہ اور داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ بقول

بیٹھے مسافت راہِ عدم نے نکلے ہیں ‌ ‌ ‌ جس قافلے میں ہم ہیں وہ سب جانیوالے ہیں

عنقریب وہ زمانہ آتا ہے کہ یہ قدیم اور مغتنم صورتیں جو آج بزم عالم میں جھلملاتے ہوئے چراغ سحری کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ کل باد فنا کا جھونکا جب ان کو معدوم کردے گا۔ تو سرکار عالم پناہ کے یہ حیرت خیز واقعات کا چشم دید بیان کرنے والا ہمارے اس کثیر التعداد گروہ میں کوئی نہ رہے گا۔

لہٰذا ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ حضور قبلۂ عالم کی یہ جلیل القدر صفت ایسے عنوان سے قلمبند ہو کہ آئندہ نسلوں کے واسطے یہی تحریر دوربین کا کام دے۔ اور گھر بیٹھے اپنے آقائے نامدار کے جسم اقدس کی خوشبو سے متاثر ہوا کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکار عالم پناہ کی یہ بے مثل صفت واقعی مخصوص اور غیر معمولی

صفت ہے، اور آپ کے مدارج علیا کی کافی دلیل۔ اور تقرب و اختصاص کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ جس سے بین طور پر آپ کی عظمت و جلالت کا اظہار ہوتا ہے۔

لیکن یہ بھی خیال ہے کہ آپ کی اس صفت کی شرح حکایت سے وہ حضرات جو فلسفۂ جدید کے دلدادہ ہیں ضرور متعجب ہوں گے۔ اور آپ کی اس خصوصیت کو خلاف نیچر متصور فرمائیں گے۔ اور بیساختہ کہیں گے کہ ایک انسان کے جسم سے خود بخود ہمہ وقت خوشبو آنا نظام فطرت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ عام دستور ہے کہ عموماً پسینے سے کم یا زیادہ بوئے ناگوار آتی ہے۔ مگر امید ہے کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ جس نے سیرت پاک حضرت صاحب لولاک کا بالالتزام مطالعہ کیا ہے۔ وہ دفعتاً انکار نہ کرے گا۔ کیونکہ مستند احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت خاتم الرسالتؐ کے جسم اطہر کا یہ خاص معجزہ تھا کہ جس راہ سے آپ کا گزر ہوتا تھا وہ کوچہ ایسا معطر ہو جاتا تھا کہ صحابہ پہچان جاتے تھے کہ اس راستہ سے آپ تشریف لے گئے ہیں۔

اور بعض احادیث صحیحہ میں یہ بھی بصراحت منقول ہے کہ آپ کے پسینے کے قطرات جس عروس سے لگا دیئے گئے۔ اس کی نسل میں وہ خوشبو عرصہ تک باقی رہی۔

پس یہ مستند اخبار جب کہ شاہد ہیں کہ سردار عالم کے جسم اطہر کے عرق پر نکہت کا اثر عروس غیر کفو کی نسل میں عرصہ تک باقی رہا۔ تو باغ رسالت کا وہ نجیب الطرفین نونہال جو عنایت ایزدی سے صفات محمدیہ کا مظہر اتم بھی ہو۔ اگر اپنے جد اعلیٰ کی اس صفت سے موصوف ہوا۔ تو محل استعجاب کیا ہے۔ بلکہ اس دلبند مصطفوی کا نسبتی شرف اور وہبی اختصاص ضرور اس کا متقضی تھا کہ اس کی امتیازی شان کا خلق میں اظہار ہو۔ اور اس کے مشک بیز پسینے سے سیادت کی دلفریب خوشبو آئے۔

چنانچہ حسب منشاء جناب احدیت۔ اولاد حضرت رسالت میں ایک فرزند سعید کی وساطت سے تیرہویں صدی میں اس نکہت سیادت کا اس طرح دنیا میں علی الاعلان اظہار ہوا کہ اس عدیم النظیر خوشبو سے یار و اغیار سب متاثر ہوئے۔

بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس بوئے خوشگوار کی نسبت غیر سلسلہ حضرات کی شہادتیں زیادہ مذکور ہیں۔ شاید اس وجہ سے کہ ایسے لوگ جب حاضر خدمت ہوتے تھے۔ اور دفعتاً ان کے دماغ میں یہ غیر معمولی خوشبو آتی تھی۔ تو وہ متعجب اور متحیر ہو جاتے تھے۔ اور چونکہ واقعہ حیرت خیز ہوتا تھا۔ اس لئے اپنی اپنی صحبت میں اس کا ذکر ضرور کرتے تھے۔

اور مریدین تو اس بے مثل خوشبو کے اثرات اور برکات سے کماحقہٗ واقف ہیں۔ چنانچہ جملہ غلامان بارگاہ وارثی شاہد ہیں کہ حضور قبلۂ عالم کے جسم اقدس کی بھینی بھینی خوشبو جو ہر شخص کو محسوس ہوتی تھی۔ وہ ایسی مخصوص اور دل آویز خوشبو تھی۔ جس کو کسی دوسری خوشبو سے نہ تمثیل دے سکتے ہیں۔ اور نہ ایسے الفاظ ہمارے پاس ہیں۔ جن کے ذریعہ سے اس قدرتی نکہت کی حقیقی کیفیت کا اظہار کریں۔ مجملاً اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی ہر مشہور و معروف خوشبو سے آپ کے جسم اقدس کی خوشبو بالکل جداگانہ اور دلفریب تھی۔ جس کو اکثر حلقہ بگوش استعارہ کے طور پر دولہن کی خوشبو کہا کرتے تھے۔

اور جس کا دماغ ایک مرتبہ بھی حضور قبلۂ عالم کے جسم اقدس کی عدیم المثال خوشبو سے متاثر ہوتا تھا۔ وہ تمام عالم کی خوشبوؤں پر اس نکہت قدرت کو ترجیح دیتا تھا۔ بقول۔

کب خوش آتی ہے اسے سنبل و ریحاں کی بو ۔۔۔ جس نے سونگھی ہو گلے لگ کے گریباں کی بو

اور یہ صفت بھی دیکھی گئی ہے کہ وہ قدرتی نکہت اس قدر قوی الاثر بھی تھی کہ جو کپڑا سرکار عالم پناہ کے جسم اقدس سے مس ہو جاتا تھا۔ اس میں بھی وہ خوشگوار خوشبو ایسی آتی تھی کہ اس کپڑے کو دیکھ کر گلدستۂ قدرت کے پرستار فوراً کہتے تھے کہ یہ ہمارے آقائے نامدار کا ملبوس خاص ہے اور یہ بھی واضح ہو کہ اس کپڑے کے واسطے نہ رنگ کی قید تھی اور نہ سوتی۔ ریشمی۔ اونی ہونے کی شرط تھی۔ نہ اس کپڑے کے لانے والوں کی کسی امتیازی حیثیت کو دخل تھا کہ فلاں قوم یا فلاں مذہب کے ارادتمند کا پیش کردہ تھا۔ اس لئے جسم اقدس کی خوشبو سے متاثر ہو گیا بلکہ جو کپڑا۔ اور جس وقت جسد اطہر سے مس ہوا۔ وہ اس قدرتی نکہت سے ضرور معطر ہو جاتا تھا

کیونکہ آپ کے احرام کا کپڑا مختلف اقسام کا ہوتا تھا۔ اور مختلف مقامات سے مختلف الخیال اور مختلف الحیثیت بلکہ مختلف الاقوام اور مختلف المذاہب حلقہ بگوش لاتے تھے الیتہ یہ فرق ضرور ہوتا تھا کہ ارباب ثروت حضور کے احرام کے واسطے یہ اہتمام کرتے تھے کہ ان کا کپڑا قیمتی بھی ہوتا تھا۔ اور مختلف پھولوں کے رنگوں میں رنگے ہوتے اور مختلف عطریات سے بسے ہوئے ہوتے تھے۔ اور غریب ارادتمند سرکار عالم پناہ کا احرام اپنے ہاتھ سے معمولی رنگ میں رنگ کر بغیر عطر لگائے پیش کرتے تھے۔

اسی لئے جملہ احرام کا کپڑا جس طرح مختلف قسم اور مختلف قیمت کا ہوتا تھا۔ اسی طرح مختلف اللون اور مختلف قسم کی خوشبو سے معطر بھی اور غیر معطر بھی ہوتا تھا۔ غرض ہر حیثیت سے ہر ایک احرام میں صریح امتیاز اور بدیہی فرق ہونا لازمات سے تھا۔

اور چونکہ حضور قبلۂ عالم کے مزاج ہمایوں میں غربا نوازی کی شان نمایاں طور پر تھی اس واسطے جس طرح امراء کے قیمتی اور معطر احرام آپ قبول فرماتے تھے۔ اسی طرح غریب ارادتمندوں کے معمولی۔ اور غیر معطر احرام آپ باندھ لیتے تھے۔

اور کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ دو چار احرام تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد بدلے نہ جاتے ہوں۔ جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ کسی احرام کو جسم اقدس کی مواصلت کا شرف چار پانچ گھنٹے سے زیادہ نہیں حاصل ہوتا تھا۔

مگر یہ واقعہ ہے کہ اس مجموعہ صفات کے جسم اقدس کی خداداد نکہت کا یہ تصرف تھا کہ اس قلیل عرصہ کے اتصال سے وہ مختلف مقام کے اور مختلف رنگوں میں رنگے ہوئے اور مختلف عطریات سے معطر۔ اور غریبوں کے معمولی اور غیر معطر احرام ایک صفت سادات سے ایسے موصوف ہو جاتے تھے کہ ان کی پہلی مختلف خوشبوئیں قطعی مغلوب بلکہ غیر متمیز ہو جاتی تھیں۔ اور ہر ایک کا تار تار اس قدرتی نکہت سے معطر ہو جاتا تھا۔ اور ایک دلفریب خوشبو میں یکساں آتی تھی۔ بلکہ قدرت صنعت الہی کہ جسم اقدس کی مستقل خوشبو تھی

لیکن ہم نے اس زمانہ کے عجیب وغریب واقعہ کی یہ متفقہ شہادت دی ہے۔ جس کا اب عہد ماضی میں شمار ہے۔ اگر ناظرین کو اس جلیل القدر صفت کی عظمت واہمیت کے اعتبار سے ہنوز کافی اطمینان نہ ہو۔ اور تخیلات ایسی دلیل کے متقاضی ہوں۔ جو آج بدیہات سے پیش کی جائے۔ تو باوجود ہماری شہادت مذکور جو لاتعداد شاہدین کی رویت ہے۔ اور بہ لحاظ قانون شریعت جس کو تواتر کا مرتبہ حاصل ہے۔ اس کے گزر جانے کے بعد کسی اور جدید ثبوت کے ہم محتاج اور پابند نہ تھے۔ مگر آپ کی تشفی کے واسطے یہ عرض کروں گا۔ کہ موجودہ زمانہ میں بھی ہمارے سید السادات آقائے ذی صفات کے جسم اقدس کی اس انوکھی خوشبو کے اثرات و برکات بدستور جاری ہیں۔ اور ہر شخص بہ چشم خود اس دلفریب نکہت کا تصرف آج بھی اسی طرح مشاہدہ کر سکتا ہے۔ جس طرح چونتیس سال قبل ہماری آنکھیں روزانہ یہ کرشمہ دیکھتی تھیں

چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ ہر سال میلہ کاتک میں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ کے افراد کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے۔ اور ہزاروں زائرین مزار اقدس پر چادریں چڑھاتے ہیں۔ جن میں تقریباً فی صدی پانچ چادریں ایسی ہوتی ہیں جو معتقدین اپنے مکان سے تیار شدہ لاتے ہیں۔ وہ رنگین اور قیمتی بھی ہوتی ہیں۔ اور مختلف قسم کا عطر بھی اُن میں لگا ہوتا ہے۔ ورنہ بچانویں چادریں جو قرب وجوار کے ہندو مسلمان پیش کرتے ہیں۔ ان کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ میلہ میں ہی بزاز کی دکان سے دو ڈھائی گز کپڑا لے کر شیرینی کے ساتھ مزار اقدس پر چڑھا دیتے ہیں۔ جن میں عطر وغیرہ لگانے کا مقررہ کوئی انتظام نہیں ہے اور ان چادروں کو صرف چند گھنٹہ اس ننگی لوح مزار سے اتصال رہتا ہے۔ شب کو یہ ہزاروں چادریں جب مزار پر انور سے علیحدہ کی جاتی ہیں۔ تو ان کی پہلی ماہیت بالکل تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور جملہ چادریں رنگ مساوات میں ایسی رنگ جاتی ہیں کہ معطر اور غیر معطر چادروں میں ایک ہی قسم کی وہ مخصوص خوشبو آتی ہے۔ جو حضور قبلہ عالم کے جسم اقدس کی نکہت تھی۔ فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝۔

الغرض ہمارے سرکار عالم پناہ کا جسم اقدس صفات الٰہی کا گلدستہ اور کمالات خداوندی

کا مجموعہ تھا جس کی عدیم النظیر خوشبو نے اہل عالم کو اپنا شیفتہ اور فریفتہ کر لیا۔ اب اگر غلامان دارثی فخر و مباہات کے ساتھ بلبل شیراز کے ہمنوا ہو کر یہ عرض کریں۔ تو بے محل نہ ہوگا۔

طبلۂ عطر گل و درج عبیر افشانش
فیض یک شمہ ز بوئے خوش عطار منست

طریقہ بیعت | علیٰ ہذا سرکار عالم پناہ کے صفات کی تعریف جس طرح ہمارے حد امکان سے باہر ہے۔ اسی طرح اس کا بھی اعتراف ہے کہ ہمارے واسطے طریقہ بیعت جو تجویز فرمایا۔ وہ بھی ایسا جامع اور وسیع المعنی ہے۔ جس کی پوری تشریح کرنا ناممکن ہے۔ مگر اس کے قواعد اور ضوابط کے ظاہری مفاد و منفعت بقدر استعداد نگارش کرتا ہوں۔

چنانچہ حضور قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں داخل ہونا یہ شرف ایسا ہے کہ جس میں بغیر کسی فرق و امتیاز کے تمامی مریدین کی مساوی حیثیت ہے۔ کیونکہ اطاعت مرشد جو بیعت کی اصل یا بیعت کی شرط خاص ہے۔ اس کا اقرار جملہ ارادتمندوں نے بطریق واحد کیا۔ لیکن حلقۂ غلامی میں داخل کرنے کے وقت سرکار عالم پناہ نے کیا فرمایا وہ ضرور قابل ذکر اور لائق غور ہے لہٰذا یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مزاج ہمایوں کو عموماً طوالت ناپسند تھی۔ مزید براں آپ کا جوش عشق اور غلبۂ استغراق کب اس کا مقتضی تھا کہ قریب قریب ہمہ وقت بیعت لینے میں مصروف رہتے۔ شاید اسی لحاظ سے بیعت کے قواعد و جیہ میں آپ نے اختصار فرمایا۔ جس کو جناب حضرت کا اجتہاد بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اکثر ارباب طریقت نے قواعد تصوف میں ترمیم و تصرف فرمایا ہے۔ مثلاً خندوماتِ چشت نے مشائخین متقدمین کے مقرر کردہ مقامات سلوک میں کافی اختصار فرمایا۔ اور جو مراسم آپ نے ترک فرمائے۔ ان کا غیر ضروری ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ حضرات صوفیہ نے بیعت لینے کے وقت ایک ہی صورت نہیں اختیار فرمائی۔ بلکہ بیعت کے قواعد مروجہ میں بہت اختلاف ہے۔ مثلاً ایک طریقہ صوفیہ میں بیعت لینے کے وقت خطبہ کے ساتھ دعائیں [illegible] لکھے ہے۔ دوسرے سلسلہ میں دیگر ادعیہ قواعد بیعت میں داخل ہیں۔ بعض نے بیعت کے وقت شجرۂ بزرگان طریقت کا پڑھنا ضروری سمجھا ہے۔ ایک گروہ نے موئے تراشی کو بھی لازمی گردانا

ہے۔ کسی خاندان میں کلاہ و خرقہ پوشی بھی ایک شرط ہے۔ کسی خانوادہ میں جام نوشی بھی توابع بیعت میں داخل ہے۔ لہذا ان سب امور کو بیعت کے واسطے اگر ضروری مان لیا جائے۔ تو ہر سلسلہ کے متبعین کو دوسرے سلسلہ کے مریدین کی بیعت ناقص معلوم ہوگی۔ اس واسطے کہنا پڑتا ہے کہ یہ مراسم اصول بیعت میں داخل نہیں۔ بلکہ فروعات میں ہیں۔

انھیں جہات سے محققین ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ اصول بیعت میں صرف توحید حضرت احدیت کی تصدیق اور اطاعت مرشد کا اقرار ہو۔ اور جملہ قواعد مروجہ فروعات حسنہ ہیں۔ ورنہ مشائخین عظام یکساں متابعت کرتے۔

بلکہ سیرت ارباب طریقت کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہد رسالت سے چند صدیوں کے بعد یہ قواعد بیعت رائج ہوئے ہیں۔ چنانچہ صاحب کتاب معدن المعانی نے حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد صفحہ ۲۶۴ میں نقل کیا ہے: "در عہد رسول علیہ السلام حلق و قصر و بیعت بدین ہیئت نہ بود۔ خواجہ جنیدؒ از خود ابداع کردہ است"۔ قرینہ ہے کہ اسی خیال سے حضور قبلۂ عالم کی اختصار پسند طبیعت نے یہ تجویز فرمایا کہ قواعد مروجہ کا خلاصہ مگر اصول بیعت کے مطابق۔ مرید سے یہی اقرار لینا کافی ہے۔ کہ "ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا۔ پنجتن پاک کا۔ خدا رسول کا"۔ اور بقیہ فروعات کو شرائط بیعت نہیں جانا۔

لیکن بیعت کی دوسری شرط یعنی اطاعت پیر یہ کسی قدر تصریح طلب ہے۔ اور یہ معلوم ہو جانا چاہیئے۔ کہ اطاعت پیر سے صرف ہاتھ پکڑنا اور قدمبوسی کرنا مراد نہیں ہے۔ چنانچہ اطاعت دو قسم پر منقسم ہے۔ جسمانی اور روحانی۔ اور جو اطاعت بیعت کے واسطے مشروط ہے۔ وہ ہر دو صفات سے موصوف ہے۔ اس لئے مرید کو لازم ہے کہ پیر کے احکام ظاہری کی اتباع کا بھی مستقل تہیہ کرے۔ اور بیعت کے وقت پیر کی محبت بھی قلب میں جاگزیں ہو۔ اس واسطے کہ وہ جملہ عقائد جن کا مرید کو ہمیشہ سختی کے ساتھ خیال رکھنا لازمی ہے۔ وہ پیر کی محبت پر محمول ہیں۔

مثلاً پیر کو موجودہ تمام عالم سے بہتر سمجھنا لازمی ہے۔ یہ بغیر محبت کے ممکن نہیں۔ کیونکہ محبت ہی کا یہ خاصہ ہے کہ محب اپنے حبیب کو تمام عالم سے افضل جانتا ہے۔ یا جس چیز کو پیر سے نسبت ہو۔ اس کا نقصان بیان کرنا قطعاً ممنوع ہے۔ یہ خیال بھی بغیر محبت کے قائم نہیں ہو سکتا۔ یا تصور پیر۔ جو مرید کے واسطے بہت ضروری ہے یہ بھی مقتضار محبت ہے۔

چنانچہ امام شعرانی علیہ الرحمتہ نے طبقات الکبریٰ میں شیخ عدی بن مسافر اموی علیہ الرحمتہ کا جو مشائخین شام کے صدر اور امام تھے۔ یہ قول نقل فرمایا ہے کہ "تم اپنے پیر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مگر اس صورت میں کہ محبت ہو۔ اور تمہارا اعتقاد اس کی نسبت ہر اعتقاد سے زیادہ ہو۔" اور صاحب فوائد الفواد لکھتے ہیں۔ کہ "ارادت و بیعت عبارتیست از عشق و محبت پیر۔" اور ہمارے حضور قبلۂ عالم کے ایک مشہور ملفوظ کا جس کا آئندہ ذکر آئے گا۔ آخری حصہ یہ ہے۔ کہ "چمار ہو یا خاکروب جو ہم سے محبت کرے۔ وہ ہمارا ہے۔" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "بے محبت خدا نہیں ملتا۔" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے۔ کہ "پیر کی محبت مرید کا دین ہے۔" ان ارشادات کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ مرید کا محبت کے ساتھ رجوع ہونا اصل بیعت ہے۔

شاید اسی وجہ سے سرکار عالم پناہ نے جس طرح بیعت کے قواعد مروجہ کی تقلید ضروری نہیں سمجھی۔ اسی طرح جب صاحب ارادت نے محبت سے رجوع کیا۔ تو اسی کی محبت ہی اس کی بیعت کے واسطے کافی متصور ہوئی۔ گو بظاہر حضرات صوفیہ کی سنت جاریہ کا بھی لحاظ کیا اور مرید کا ہاتھ بھی پکڑا۔ اور خلاصہ طور پر شرائط بیعت کا بھی اقرار کرلیا۔ بلکہ اکثر انابت و استغفار بھی بایں تصریح پڑھا کر ہاتھ چھوڑا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّخَطِیْئَۃٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اِقْرَارًا بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقًا بِالْقَلْبِ۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ کبھی اس عبارت میں اور اختصار فرمایا۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل ارادت کے صرف رجوع پر یہ فرمایا کہ تم مرید ہو گئے۔ اس انداز سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان ارادتمند کی محبت کا جو اقتضا ہوا۔ اسی قدر اس کی بیعت میں اہتمام فرمایا۔ جس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ بیعت کے لئے صرف ہاتھ پکڑنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ شرط اول محبت ہے۔

بیعت غائبانہ | یہ بھی واقعہ ہے کہ اکثر حضور قبلۂ عالم نے اہل ارادت کی غائبانہ بیعت لی ہے۔ اور متعدد حلقہ بگوش ایسے ہیں۔ جو بذریعہ خط کے خواستگار ہوئے۔ اور آپ نے انکی استدعا قبول فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے فقیر حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے ایک منظوم عریضہ پیش کیا۔ جس میں بیعت کی استدعا تھی۔ آپ نے فرمایا۔ لکھدو اگر "محبت ہے تو مرید ہیں"۔ اور بعض نے عالم رویا میں بیعت کی۔ اور یہ واقعہ جب عرض کیا۔ تو جناب حضرت نے اس بیعت کو قائم رکھا۔ لہٰذا یہ واقعات دلیل بین ہیں کہ بیعت کے واسطے خلوص ارادت و محبت کافی ہے۔

حضور قبلۂ عالم کے تصرفات باطنی و برکات معنوی کی یہ شان بھی دیکھی ہے کہ آپ نے گزشتگان ماسبق کی ارادت ان کے ورثا کی استدعا پر اکثر قبول فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سید نامدار شاہ صاحب متوطن مضافات گیا نے یہ عرض کیا کہ میرے خاندان میں ایک بی بی بہ سبب بعد مسافت حاضری سے قاصر ہیں۔ مگر بیعت کی تمنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "وہیں رہیں ہم نے مرید کرلیا"۔ شاہ صاحب موصوف نے یہ عنایت دیکھی۔ تو ملتجی ہوئے کہ میرے لڑکوں کو بھی مرید کرلیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ "اچھا سب کو مرید کرلیا"۔ جب دریائے فیض کا یہ جوش دیکھا تو موصوف نے دست بستہ عرض کیا کہ میرے بزرگانِ ماسبق کو بھی داخل بیعت فرمائیے۔ آپ نے متبسم لبوں سے فرمایا "اچھا سب کو مرید کرلیا"۔

علی ہذا ایک مرتبہ قاضی منیر عالم صاحب مختار دربھنگہ نے عرض کیا کہ مجھ کو تو شرف غلامی نصیب ہوا۔ مگر میرے آباؤ اجداد اس نعمت سے محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا "ان کو بھی مثل اپنے ہمارا مرید سمجھو"۔ قاضی صاحب نے یہ شفقت دارئی دیکھی۔ تو متدعی ہوئے کہ میرے خاندان میں جو آئندہ پیدا ہوں۔ وہ بھی ظل حمایت دارئی میں آجائیں۔ ارشاد ہوا "منیر عالم محبت سے سب ہوسکتا ہے۔ اچھا ان کو بھی مرید کرلیا"۔

ان ارشادات سے ظاہر ہے کہ اس طرز بیعت کا بھی دار و مدار محبت ہی پر موقوف رہا۔ اگرچہ بیعت کا یہ قاعدہ بظاہر عجیب بلکہ بعید از عقل معلوم ہوتا ہے۔ مگر نہیں یہ روحانی

قوت اور محبت کی زبردست نسبت کا کرشمہ ہے کہ وہ امور جن کے سمجھنے میں ہمارے ادراک قاصر ہیں۔ وہ بجہت محبت سب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کتب سیر میں بعض صاحب قوت بزرگان طریقت کے حالات میں ایسے واقعات منقول ہیں۔

جیسا کہ صاحب سبع سنابل نے لکھا ہے کہ سید فتن نے حضرت مخدوم شیخ صفی علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ فرزند نرینہ پیدا ہوا ہے۔ لہذا آپ اس کو کلاہ و شجرہ مرحمت فرمائیں (اس سلسلہ میں کلاہ پوشی شرائط بیعت میں داخل ہے) حضرت مخدوم نے کشف باطنی سے دریافت فرمایا کہ سید فتن کے آئندہ پانچ لڑکے ہوں گے۔ اور میں اس وقت تک نہ ہوں گا۔ "پس پنج کلاہ و پنج شجرہ حاضر کردند فرمودند کہ پنج پسران شمارا مرید کردیم۔ بعد از مدتے حضرت مخدوم فوت شدند در خانہ سید فتن پنج پسر متولد شدند۔ ازیں معلوم شد کہ پیش تولد مردم نیز انابت و ارادت درست است۔"

اور صاحب سبع سنابل نے سنبلہ دوئم میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم شاہ مینا علیہ الرحمۃ نے ایک شخص کو اس کے مرجانے کے بعد کلاہ و شجرہ مرحمت فرمایا۔

اور قاضی محمود کنتوری نے تذکرۃ المتقین میں حضرت بدیع الدین قطب المدار علیہ الرحمۃ کے سفر جونپور کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ کہ "شہاب الدین در ہنگامہ سفر عرض کرد کہ در افادہ بیعت خلق الٰہی چہ حکم می شود۔ فرمودند ہر کہ بحضور بالبشرف ارادت مشرف گشت۔ اورا تا ہفت پشت قبول کردیم۔ و ہر کہ بہ غیبت ما بامید ارادت دست صادق ما خواہند بوسید۔ دیرا نیز تا ہفتے اولاد برگزیدیم۔"

لہذا مخدوم شیخ صفی علیہ الرحمۃ کا فرزندان سید فتن کی بیعت قبل ولادت قبول فرمانا۔ اور حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہٗ کا ایک مردہ کو مرید کرنا۔ اور حضرت قطب المدار علیہ الرحمۃ کا اپنے مرید کی ہفت پشت قبل و ہفت پشت آئندہ کی ارادت کو قبول کرنا اس کی کافی دلیل ہے کہ غائبانہ بیعت بھی جائز ہے۔ اور ہادیان راہ طریقت کے تصرفات باطنی سے غیر موجودہ ارادتمند بھی مستفید ہوتے ہیں۔ جس کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم

ہوتی کہ مرید کی عقیدت اور محبت اور پیر کے فیض و تصرفات کو قلب اور باطن سے سروکار ہو جو عین کرشمۂ روح ہے اور روحانی تعلقات اس عالم مثال میں اسی نسبت سے ہوتے ہیں جو عالم ارواح میں قائم ہو چکے ہیں۔ اور وہ روحیں جو عالم ارواح میں مقبولان ایزدی کے فیضان سے مستفید ہو چکی ہیں۔ ان کی ارادت بدستور قائم رہتی ہے۔ کیونکہ رہنمایان کامل ان کے نگراں اور معین حال رہتے ہیں۔ اور جب اس عالم مثال میں تشریف لاتے ہیں۔ تو ان کو اپنی بیعت میں داخل فرماتے ہیں یہی سبب ہے کہ کبھی بقید اجسام اور کبھی غائبانہ محض روحانیت سے ان کی ارادت اس عالم میں قبول کرتے ہیں۔ اور جس طرح شخص موجود کو اپنے فیض سے مستفیض کرتے ہیں۔ اسی طرح شخص غیر موجود کو یا گزشتہ یا آئندہ نسلوں کو بھی اپنے فیض سے فائز المرام کرتے ہیں لیکن یہ انھیں ذی اقتدار اور صاحب اختیار ہستیوں کا منصب ہے۔ جو عنایت وہبی سے سرفراز ہیں۔

چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ سہیل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ میں اپنے مریدوں کو روز الست سے پہچانتا ہوں۔ اور اسی روز سے میں اپنے مریدوں کی تربیت کرتا ہوں اور وہ صلبوں میں تھے۔ مگر مجھ سے پوشیدہ نہ تھے

علیٰ ہذا حضور قبلۂ عالم کے بعض واقعات وارشادات کا یہی مفہوم ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایام میلہ کاتک میں چند معتقدین نے بیک وقت حاضر خدمت ہو کر حصول شرف بیعت کی استدعا کی۔ جناب حضرت نے تین یا چار ارادتمندوں سے اقرار اطاعت لے کر داخل بیعت فرمایا۔ لیکن اس کے بعد ایک طالب کا ہاتھ پکڑا۔ تو فوراً چھوڑ دیا۔ اور مسکرا کر فرمایا کہ "اب بیعت کی کیا ضرورت ہے تم کو تو روز ازل سے محبت ہے"

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب حضور قبلۂ عالم بانکی پور تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے معزز حضرات حلقہ بگوش ہوئے۔ اسی وقت سے مولوی محمد احسن صاحب جو معمر اور نہایت معتقد شخص تھے بکمال خلوص اور شوق ارادت ہمیشہ حاضر خدمت ہوتے رہے۔ مگر سرکار عالم پناہ نے ان کو مرید نہیں فرمایا۔ آخر مولوی عبدالکریم صاحب نے سفارش کی۔ تو ارشاد ہوا کہ بیعت

کی کیا ضرورت ہے۔ ان کو تو ازل سے ارادت اور محبت ہے اور اگر یہی خوشی ہے تو آؤ۔ ہاتھ پکڑ لو"

ان ارشادات سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اصل بیعت ارادت اور محبت پر ہے! اور علاوہ اس کے جس قدر قواعد بیعت مروج ہیں۔ وہ مفید ضرور ہیں۔ مگر نہ لازمی۔ اگر ان کی بھی پابندی کی جائے۔ تو مضائقہ نہیں کیونکہ شعار صوفیہ ہیں۔ ورنہ ان کے ترک سے بیعت میں کوئی نقصان نہیں آتا۔

اگر یہ خیال ہو کہ اطاعت مرشد کے بعد اطاعت پنجتن پاک کو کیوں لازمی گردانا۔ اس کی نسبت بجہت عدم اہلیت اسی قدر عرض کروں گا۔ کہ یہ مسئلہ نہ قابل تقریر و تصریح ہے۔ نہ لائق درج سفینہ۔ ایسے ہی مسائل کے اظہار کے لئے حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؂

احوال شیخ و قاضی و شرب الیہود شان | کردم سوال صبحدم از پیر مے فروش
گفتا نہ گفتنیست سخن گرچہ محرمی | درکش زبان و پردہ نگہدار و مے بنوش

اسی قدر سمجھنا ہمارے واسطے کافی ہو گا کہ حضور قبلۂ عالم کا نسب بکمال صحت حضرات پنجتن پاک سے ملتا ہے۔ چنانچہ اکثر آپ نے فرمایا ہے کہ "ہمارے بزرگ سادات نیشاپوری تھے۔ اور ہماری غیر خاندان سے مناکحت نہیں ہوئی" علاوہ اس کے آپ کو حضرات پنجتن سے روحانی نسبت بھی بہت قوی تھی۔ بلکہ اسی قوی نسبت کا یہ اثر تھا کہ ارادتمندوں سے اپنی اطاعت کے ساتھ اطاعت پنجتن کا بھی اقرار لیا۔ جو عین بندہ نوازی کی شان تھی کہ ہم غلاموں کو اپنے اجداد امجاد کے سپرد فرمایا۔ اور ہاتھ پکڑ کے وہاں پہونچایا۔ جہاں ہمارے وہم و خیال کی بھی رسائی نہ تھی۔ یا اس کا سبب یہ ہو کہ اکثر حضور قبلۂ عالم نے فرمایا ہے کہ ہمارا مشرب عشق ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سلسلۂ عشق حضرات پنجتن پاک پر ختم ہوتا ہے۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ ع عشق امیر المومنین حیدر بود۔ اس لحاظ سے یہ کہا جائے گا کہ اپنے مشرب خاص کے بزرگان سلسلہ کی اطاعت کا اقرار لیا۔ اور ہر ایک حلقہ بگوش کو ان مقبولان الٰہی کی حمایت میں دیا جو سرچشمۂ عشق ہیں۔ جس سے آپ کے عشق کامل کا بھی نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔

حالانکہ جملہ حضرات صوفیہ کا مسلک عشق سے ماخوذ ہے اور کوئی سالک وادیٔ طریقت ایسا نہیں ہے جس نے عشق کو اپنا خضر راہ نہ بنایا ہو۔ مگر حضور قبلۂ عالم نے عشق کی دشوار گزار گھاٹیاں ایسے ثبات و استقلال سے طے فرمائیں جس کی نظیر چند صدیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ لوازمات عشق کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا بلکہ ہر ایک کو اتمام و اختتام کی حد تک پہنچایا۔

ذکر شجرۂ طریقت

اور بعض آثارات و ارشادات سے کما حقہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور قبلۂ عالم کو افاضۂ عشق کامل بغیر کسی واسطے کے بارگاہ مرتضوی سے براہ راست ہوا جس کا ذکر اس مجموعہ میں مجملاً آچکا ہے۔ اور دیگر مولفین سیرت وارثی نے بھی مختلف عنوان سے نگارش کیا ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ یہ واقعہ ایسا نمایاں ہے جو صراحت کا محتاج نہیں لیکن سلسلہ بیان کے اعتبار سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بظاہر سلسلہ قادریہ رزاقیہ اور چشتیہ نظامیہ سے آپ کو صغر سنی میں تعلق ضرور رہا۔ مگر کبھی آپ نے غلاموں کی بیعت میں سلاسل مذکورہ کے قواعد مروجہ کی تقلید نہیں فرمائی۔ پس اگر مشرب عشق میں جو آپ کا خاص مسلک ہے۔ بے واسطہ فیض حاصل نہ ہوتا۔ تو لازمی تھا کہ مثل دیگر مشائخین عظام آپ بھی پیران طریقت کا پورا اتباع فرماتے

اینکہ از خروش مستانہ نمی اندیشد میتواں یافت کہ دل تکیہ بجائے دارد

علیٰ ہذا صوفیائے کرام مریدین کو شجرۂ پیران طریقت دیتے۔ اور اس کے ورد کی ہدایت فرماتے ہیں لیکن حضور قبلۂ عالم نے کبھی یہ اہتمام نہیں فرمایا۔ نہ کسی حلقہ بگوش کو مرید کرنے کے وقت شجرہ دیا۔ اور نہ کسی کو شجرہ کے داخل اوراد کرنے کا حکم فرمایا۔ بلکہ شجرۂ قادریہ چشتیہ جو دربار وارثی میں خدام تقسیم کرتے تھے۔ ان کی استدار بقدر واقفیت نگارش کرتا ہوں۔

دیوی شریف کے معمر حضرات کا عموماً یہ قول تھا کہ ۱۲۶۷ھ ہجری تک دربار وارثی میں شجرہ کا وجود بھی نہ تھا۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ حضرات کس دلیل سے یہ فرماتے تھے لیکن میری پیدائش چونکہ ۱۲۸۱ھ ہجری کی ہے۔ اور تیرہ چودہ سال کی عمر کے حالات اکثر مجھے یاد ہیں۔ اس اعتبار سے میرا اندازہ یہ ہے کہ ۱۲۹۴ھ ہجری تک حضور قبلۂ عالم کے شجرہ پیران طریقت کا ذکر

بھی نہیں سُنا تھا۔

اور جس طرح خلاف طریقۂ مروجہ سرکارعالم پناہ نے مریدین کو شجرہ نہیں دیا۔ اسی طرح غیر معمولی صورت یہ پیش آئی کہ طبقۂ مریدین میں بھی کوئی شخص شجرہ کا طلبگار نہیں ہوا جس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو صرف اپنے مفیض سے سروکار تھا لہٰذا اسی نسبت کے اثر سے مریدین کو بھی ایک ذات محمود الصفات سے واسطہ رہا۔ اور شجرہ نہیں طلب کیا۔

چنانچہ میرے خاندان میں کسی کے پاس شجرہ نہ تھا۔ اور آج بھی جو قدیم حلقہ بگوش باقی ہیں۔ ان کے پاس نہ شجرہ ہے۔ اور نہ ان کو اس کی جستجو ہے کہ ہم کس سلسلہ میں مرید ہوئے بلکہ بعض معمر اخوان ملت سے سلسلے کی تصریح کی تو جواب میں بکمال فخر و مباہات یہی فرمایا کہ ہم اسی قدر جانتے ہیں کہ وارثی ہیں۔ لہٰذا میرا خیال یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ سنہ ۱۲۹۵ھ ہجری میں رحیم شاہ صاحب خادم خاص نے شیخ بو علی صاحب تعلقدار سے جو حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کے مرید تھے۔ شجرہ قادریہ چشتیہ لاکر حضور قبلہ عالم کو دکھایا۔ اور عرض کیا کہ آپ کا نام بھی اس میں لکھدیا جائے۔ آپ نے فرمایا لکھدو۔ پس وہ شجرے بیاضوں میں نقل بھی ہوئے۔ اور منشی خدابخش صاحب شائق دریاآبادی نے شجرۂ قادریہ نظم بھی کیا۔ اور مولوی محمد یحییٰ صاحب وکیل و رئیس عظیم آباد نے ہزاروں کی تعداد میں اس کو چھپوایا۔ اور جب سرکار عالم پناہ باہی پور تشریف لے گئے۔ تو دیگر تحائف کے ساتھ وہ مطبوعہ شجرہ بھی آپ کے سامنے پیش ہوا۔

حضور قبلۂ عالم نے جس طرح دیگر تحائف حاضرین پر تقسیم کرلئے۔ اسی طرح وہ شجرہ بھی کسی کو دس کسی کو بیس دلوا کر بقیہ کی نسبت مولوی عبدالکریم صاحب متوطن شیخ پورہ سے فرمایا "یہ تم لے جاؤ"۔ اس واقعہ کے عینی شاہد اکثر ہنوز موجود ہیں۔

بعدہٗ یہ شجرے مختلف عنوان سے نظم بھی ہوئے۔ اور چھپوائے بھی گئے۔ اور خدام تقسیم بھی کرتے تھے۔ مگر اس کو ملتا تھا۔ جو طلب کرتا تھا۔ یہ انتظام اس وقت بھی نہ تھا کہ جو داخل بیعت ہو۔ اس کو شجرہ ضرور دیا جائے۔

چونکہ حضور کے برادر نسبتی حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب قدس سرہ نے صغر سنی میں آپ کی نگاہداشت کی اور اسی زمانہ میں آپ کو مرید فرمایا۔ اس لئے سلسلۂ قادریہ چشتیہ سے آپ کو جو تعلق تھا۔ اسی لحاظ سے شجرہ جو دوسروں نے لکھا۔ اور چھپایا۔ اس کی تقسیم کو بھی جائز رکھا۔ لیکن مثل مشائخین عظام شجرہ دینے۔ اور اس کے ورد کی ہدایت کو لازمی نہیں متصور فرمایا۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے۔ تو شجرۂ پیران طریقت دینے کا اہتمام نہ کرنا اس کی بین دلیل ہے کہ آپ کو بغیر کسی واسطہ اور توسل کے افاضہ ہوا۔

غرض حضور قبلۂ عالم کے ملفوظات ذیز عادات و آثارات کے مفہوم سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو بلاواسطہ حضرت خاتم الولایۃ الکبریٰ دائرۃ المقاصد والمطالب مولانا و مولی الکل اسداللہ الغالب۔ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے فیض باطنی حاصل ہوا۔ اسی وجہ سے نہایت قوی اور ممتاز نسبت آپ کو حضرات پنجتن سے تھی۔ جو دیگر صوفیہ میں عام طور سے نہیں پائی جاتی۔ اور یہی سبب تھا کہ آپ کے جوش میں خاص قسم کی کشش اور کیفیت میں غیر معمولی اثر تھا۔

حالانکہ جملہ مقربین حق کو افاضہ بارگاہ مرتضوی سے ہوا۔ اور ہوتا ہے۔ اور ہوگا۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ فیض جو پیران طریقت کے توسل سے پہونچتا ہے۔ اس میں اور فیض بلا واسطہ میں بدیہی امتیاز ہوتا ہے۔ چونکہ اول الذکر میں حجاب حائل ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ خصوصیت نہیں ہوتی۔ جو بغیر حجاب حاصل ہونے میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ نور آفتاب جب بے حجاب ہوگا۔ تو ضو نہایت شفاف ہوگی۔ اور جب ایک شیشہ کے حجاب سے دیکھا جائے گا۔ تو گو شیشہ مصفا ہوتا ہے۔ مگر اس نور میں گونہ تکدر ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ چند حجابات حائل ہوں۔ تو کیوں وہ شان رہے گی۔ جو نور بلاحجاب میں ہوتی ہے۔

اور تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خاصان خدا فیض بلاواسطہ سے مستفیض ہوئے ہیں۔ ان کے احوال بمقابلہ دیگر بزرگان دین کے زیادہ روشن اور نمایاں

تھے۔ مثلاً حضرت بدیع الدین قطب المدار علیہ الرحمۃ کی مقدس سیرت کا مطالعہ بہ نظر تامل کرتے ہیں تو آپ کے جملہ صفات کو خصوصیات سے خالی نہیں پاتے! اس کا سبب یہی تھا کہ آپ کو بلا واسطہ حضرت ختم الرسالت صلعم سے افاضہ نصیب ہوا۔ جس کی تصریح اور آپ کے جلال و عظمت کی تفصیل کتاب تحفۃ الابرار فی مناقب قطب المدار مصنفہ شاہ عزیز اللہ مداری سفینۃ الاولیا مصنفہ مرزا دارالشکوہ اور کتاب الاکمال فی اسماء الرجال مصنفہ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اور رسالۂ ایمان محمودی مصنفہ قاضی محمود کنتوری اور بحر المعانی وغیرہ میں مسطور ہے اور صاحب لطائف اشرفی لکھتے ہیں کہ جب قطب المدار مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو بروحانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صفاء باطن اور ابیں گشت آنحضرت صلعم بکمال مہربانی خود دست اُو گرفتہ اسلام حقیقی تعلیم فرمودند بروحانیت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سپردند اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "پس شاہ مدار حسب الحکم در نجف اشرف رفتہ و کار خود تمام کردہ۔ باز بہ مکہ آمدند"۔

علی ہذا احمد ابو المواہب شاذلی علیہ الرحمۃ جو مصر کے نہایت ابرار اور صاحب جوش بزرگ تھے جنھوں نے موشحات ربانیہ نظم کئے ہیں۔ اور اکثر حالت سُکر میں رہتے تھے۔ ان کی کتاب قانون اور شرح الحکم سے امام عبدالوہاب شعرانی نے ان کا یہ قول طبقات الکبریٰ میں نقل فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیعت لی: "وَاَلْبَسَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِرْقَۃَ التَّصَوُّفِ" کہ مجھ کو خرقۂ تصوف پہنایا۔

اور یہ بھی امام موصوف نے اپنی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ سید ابراہیم متبولی علیہ الرحمۃ جو اپنے وقت کے مشائخین کے امام اور صاحب دوائر کبریٰ تھے۔ ان کا رسول اللہ کے سوا کوئی پیر نہ تھا۔ اور وہ بیداری میں آنحضرت صلعم سے اپنے معاملات میں مشورہ کرتے تھے۔

اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ کو علاوہ ان فیضان کے جو توسل سے حاصل ہوئے۔ بغیر کسی واسطہ کے بھی افاضہ ہوا ہے۔ چنانچہ صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "شیخ اکبر بے واسطہ خرقہ از دست خضر علیہ السلام نیز پوشیدہ است"۔

غرض کتب سیر میں ایسے متعدد مقبولان احدیت کا ذکر منقول ہے۔ جن کو بغیر توسل پیران

طریقت۔ بارگاہ رسالت یا حضرت مرتضوی کے حضور سے فیض حاصل ہوا۔ اور ان کے علوی مرتبت کا اظہار اسی طرح خلق میں ہوا۔ جس طرح ہمارے آقائے نامدار کے ذوق و شوق عظمت وجلالت کا نقارہ دنیا کے ہر گوشہ میں بجا۔ چنانچہ عرف صوفیہ میں اسی کو عنایت دہبی کہتے ہیں اور یہی وہ مرتبہ ہے جو کسب و کوشش سے نہیں حاصل ہوتا اور اسی کو بعض فیض اولیسیہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں مہذا اکثر صوفیائے کرام نے دوسرے سلسلہ کے ایسے بزرگان طریقت کے فیضان باطنی سے بطریق روحانیت استفاضہ کیا ہے۔ جن کا زمانہ صدیوں پہلے تھا۔ چنانچہ حالات صوفیہ میں ایسے انکار اکثر مسطور ہیں۔ جن میں سے بہ نظر اختصار اور تمثیلاً ایک مستند واقعہ نگارش کرتا ہوں محقق متبحر مولانا نظام الدین صاحب فرنگی محلی نے جن کے تبحر و تقدس کا شہرہ ہے۔ مناقب رزاقیہ کے وصل اول میں مرشد الآفاق حضرت شاہ سید عبد الرزاق بانسوی قدس سرہٗ کے شجرۂ قادریہ کی تصریح کے بعد تسطیر فرمایا ہے کہ شجرۂ چشتیہ میں بطریق روحانیت جناب ممدوح کو خاص حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ سے اجازت یوں حاصل ہوئی۔ کہ جب قصبہ موہان میں ایک شخص کی تمنائے بیعت قبول فرمائی "آں مرید صادق گفت من گرویدگی بجناب خاندان چشت دارم۔ ہر چند ہمہ خاندانہا برحق و بزرگ اند۔ لیکن عقیدۂ ما بایں خانوادہ تعلق گرفتہ پس آنحضرت سکوت فرمودہ۔ گفتند کہ بحضرت خواجۂ بزرگ ملاقات معنوی شد و اجازت فرمود پس آں شخص مرید در طریقہ چشت شد" اس کے بعد ملا صاحب نے لکھا ہے کہ اس مرید کے لئے خاندان چشت کا شجرہ خود جناب سید صاحب نے اس ترتیب سے لکھوایا۔ "الٰہی راز دنیاز کہ فقیر عبد الرزاق تو دارد الٰہی راز دنیاز کہ خواجہ بزرگ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ تو دارد۔" الی آخرہ مولانا ممدوح کی اس تحریر سے ظاہر ہوا کہ حضرت قطب الاقطاب سید عبد الرزاق قدس سرہٗ کو پہلے خاندان چشت سے تعلق نہ تھا۔ لیکن بلا واسطہ بطریق روحانیت حضرت خواجۂ بزرگ سے اجازت حاصل ہوئی۔ اس وجہ سے اپنے نام کے بعد شجرہ میں حضرت خواجہ بزرگ کا نام نامی لکھوایا۔ چنانچہ سلسلہ رزاقیہ میں ہنوز وہی شجرہ بدستور جاری ہے۔ اس کے بعد سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی نسبت مولانا صاحب

موصوف اپنے پیشوائے برحق کا یہ واقعہ تحریر فرماتے ہیں: "و نیز در قصبہ ردولی نزول فرمودہ بود مردم ارادہ بہ بیعت آوردند حضرت قدس سرہٗ در خطرہ آوردند کہ ایں قصبہ ولایت شیخ احمد عبدالحق است رضی اللہ عنہ و مزار مبارک دراں قصبہ است و نیز ارادت تبرک ہم فی الحال زفائے معنوی شد برزخ مبارک اشراق شد۔ آثار اجازت و رضا لائح شدن گرفت"

چنانچہ شجرۂ چشتیہ صابریہ میں بھی آپ کے نام کے بعد بلا واسطہ حضرت احمد عبدالحق قدس سرہٗ کا نام پاک مرقوم ہے۔ جس کے دو شعر یہ ہیں۔

از طفیل عبدالرزاق دلی بانسوی — بہر احمد عبد حق خضر صراط مستوی

حرمت خواجہ جلال الدین و شمس الدین ترک — ہم علی احمد علاء الدین صابری کلیری

مناقب رزاقیہ کی اس مستند روایت سے جس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ طالبانِ حق کو متقدمین بزرگان طریقت کے فیضان باطنی سے بطریق روحانیت افاضہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح بکمال وضاحت یہ بھی معلوم ہوا کہ مستفیض بلا واسطہ کو بجز اپنے مفیض کے دیگر درمیانی پیران سلسلہ کے توسل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نہ مستفیض کے شجرہ میں دیگر درمیانی پیران سلسلہ کا نام ہوتا ہے ہر چند کہ فیض کنندہ کا زمانہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو۔ البتہ ماقبل مفیض جس قدر بزرگان سلسلہ ہوں گے ان کے ذرائع کی ضرورت رہتی ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ سید عبدالرزاق علیہ الرحمۃ کو جب مخدوم الملک احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ سے بطریق روحانیت سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں فیض اور اذن حاصل ہوا۔ تو باوجودیکہ حضرت مخدوم کا زمانہ آپ کے زمانہ سے دو سو سال پہلے تھا۔ اور اس درمیان میں چند پیرانِ سلسلہ کا واسطہ حائل تھا۔ مگر ان کے وسیلہ کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور کسی کا نام شجرہ میں نہیں لکھا گیا۔ ہوا یہ کہ جس طرح بغیر کسی توسل کے استفاضہ ہوا۔ اسی طرح بلا واسطہ اپنے مفیض مخدوم الملک سے سرد کار رہا۔ اور اپنے نام کے بعد حضرت مخدوم الملک کا نام شجرہ میں لکھوایا۔ لیکن حضرت مخدوم کے قبل جو پیران سلسلہ تھے ان کے ذرائع کی احتیاج باقی رہی۔ اور ان کا نام شجرہ میں بدستور قائم رکھا۔

علیٰ ہذا حضرت خواجہ بزرگ. جن کے پانچسو برس کے بعد حضرت سید عبد الرزاق صاحب پیدا ہوئے۔ مگر چونکہ حضرت ممدوح سے آپ کو اجازت بلا واسطہ نصیب ہوئی۔ اس لئے درمیان کے پیران سلسلہ کے توسط کی احتیاج نہ ہوئی۔ اور بلا واسطہ اپنے نام کے بعد حضرت غریب نواز خواجۂ اجمیری علیہ الرحمۃ کا نام اقدس تسطیر کرایا۔

لہذا غور کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ہمارے حضور قبلۂ عالم نے اپنے غلاموں کی بیعت لینے کے وقت بکمال احتیاط وہ اہتمام بھی فرمایا کہ جو حضرات صوفیہ کی سنت جاریہ تھی۔ یہ فرعی قاعدہ کہ بیعت کے وقت شجرہ پڑھایا جائے۔ اس کو بھی نہیں چھوڑا۔ اور جس طرح حضرت شاہ سید عبد الرزاق علیہ الرحمۃ نے شجرہ میں اپنے نام کے بعد حضرت خواجہ بزرگ کا نام اور شجرۂ چشتیہ صابریہ میں اپنے نام کے بعد حضرت مخدوم ردولوی کا نام لکھوایا۔ اسی طرح ہمارے سرکار عالم پناہ نے اس سلسلۂ خاص یعنی طریق عشق کے شجرہ میں اپنے نام کے بعد ان منبع فیض وعطا کے اسمائے مبارک قائم فرمائے۔ جو فیضان عشق کے افاضہ کنندہ تھے۔ اور یہی شجرہ اپنے مریدوں سے بیعت کے وقت پڑھوایا کہ "ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا پنجتن پاک کا۔ خدا رسول کا۔"

الغرض بیعت کے قواعد مروجہ کا ایسا جامع اور مکمل خلاصہ فرمایا۔ جس کی جہت سے ہم گنہگاروں کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہو گئے۔ ورنہ حضور قبلۂ عالم کے دائمی جوش اور غلبۂ استغراق ہرگز اس کا مقتضی نہ تھا کہ ہر روز متعدد مریدین کی قواعد مروجہ کے مطابق آپ بیعت لیتے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جملہ غلامانِ بارگاہ وارثی کا اقرار طاعت باللفظ اور بالمعنیٰ ایک صورت سے ہوا۔ تو اب اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بعد فراغ بیعت حضور قبلۂ عالم نے اپنے مسترشدین کو اوراد و وظائف ذکر و اشغال کی نسبت کیا کیا ہدایتیں فرمائیں

ہدایات ذکر و اشغال | لہذا واضح یہ ہے کہ آپ کے ارشادات و ہدایات گو روزمرہ کے با محاورہ الفاظ میں صادر ہوئے۔ مگر فی الحقیقت روحانیت سے مملو اور حقانیت سے معمور ہیں۔ اور آپکی ایک ایک ہدایت ہزار ہزار معاد و منفعت سے بھری ہوئی ہے۔ بلکہ بہ نظر تامل دیکھا جائے تو

آپ کے ہدایات کا ماحصل اور حقیقی مفہوم محبت الٰہی کا نہایت ادق اور بہت دشوار سبق ہے جس کا سمجھنا ہم کو محال تھا۔ مگر حضور قبلہ عالم نے بکمال شفقت اپنے ارادتمندوں کو ان کی استعداد سے زیادہ ان کو سمجھایا۔ اور اکثر غلاموں کو اپنی قوت کاملہ سے توفیق عمل مرحمت فرمائی۔

لیکن یہ محالات سے ہے کہ ان جملہ ہدایات کو احاطہ تحریر میں محصور کردوں۔ جن سے وقتاً فوقتاً مسترشدین مستفیض ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ عہد وارثی اپنی نوعیت میں فرد اور ماہیت میں یگانہ ہوا ہے۔ جس کی عظمت و جلالت کا دنیا کے ہر گوشہ میں نقارہ بجا۔ اور لاتعداد مخلوق الٰہی شرف بیعت سے مشرف ہوئی۔ اور ہمارے رہنمائے کامل نے ہر ایک حلقہ بگوش کو اس کی حیثیت کے لحاظ سے ہدایت فرمائی۔ کسی کو ادائے فرائض کے ساتھ اوراد و ظائف میں مشغول رکھا۔ بعض آپ کے حکم سے دائم الصوم ہوئے۔ بعض سے متعدد حج بیت اللہ کرائے۔ کسی کو گوشہ نشین کیا۔ کسی کو سیر و سیاحت میں مصروف رکھا۔ کسی کو ذکر جلی۔ کسی کو خفی۔ تعلیم فرمایا۔ کوئی تارک الدنیا اور فقیر ہوا۔ کسی کو تجرید کا حکم دیا۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ میری محدود معلومات ان لاکھوں ہدایات کے مضامین بصراحت قلمبند کرے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہدایات وارثی کی مکمل فہرست تیار کرنے کا قصد کرنا ایسا ہے۔ جیسے کوئی شخص عنقائے مغربی کو گھر میں بیٹھ کر دام توہم میں گرفتار کرنے کی سعی کرے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ۔۔۔ کا نیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

البتہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ احکام نقل ہو سکتے ہیں۔ جن کو بگوش خود سنا ہے اور ہنوز صفحۂ خیال میں محفوظ ہیں۔ مگر غور کرتا ہوں تو بہ لحاظ کثرت واقعات ان کی بھی تعداد زیادہ ہے! اور وہ فرمان جن سے میرے کان آشنا ہیں۔ انکی بھی گنجائش کیواسطے یہ مجموعہ کافی نہیں ہے اس لئے بہ نظر اختصار یہ پیرایہ اختیار کرتا ہوں کہ اس رسالہ میں بعض ہدایات کا ذکر تو حضور قبلۂ عالم کے حالات میں آچکا ہے۔ اور آئندہ بھی آئے گا۔ اور اکثر ارشادات کا تذکرہ مریدین کے واقعات میں نگارش ہو چکا ہے۔ اور ابھی اور لکھا جائے گا۔ لیکن بہ لحاظ تسلسل

چونکہ اس کی ضرورت ہے کہ فرامین وارثی کا اس باب میں بھی ذکر ہو۔ اس واسطے چند
گراں ضروری احکام۔ جن کی تعمیل بغیر کسی فرق و امتیاز کے جملہ غلامان وارثی کو لازمی
ہے۔ نگارش کرتا ہوں۔

چنانچہ پہلے انھیں چھوٹے چھوٹے دو جملوں کو نقل کرتا ہوں۔ جن کا ذکر ہر چند او پر
ہو چکا ہے۔ مگر یہ اعادہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ان دونوں ہدایات کو حضور قبلۂ عالم
کے مذاق و مسلک سے گہرا تعلق ہے۔ اور سرکار عالم پناہ نے متواتر بلکہ روزانہ ان کی ہدایت
فرمائی ہے۔ اور اپنے ارادتمندوں سے بطور حکم عام خطاب فرمایا ہے کہ ان ہدایات کی تعمیل کرو
اور جب کبھی یہ معلوم ہوا کہ فلاں حلقہ بگوش ان ارشادات کی تعمیل میں سرگرم کوشش ہے
تو اس سے آپ خوش ہوئے۔ اور اس کو وہ انعام تفویض فرمایا۔ جو اس کا سرمایۂ ناز ہوا اور
جس پر حکم عدولی کا جرم عائد ہوا۔ اس کو چین بہ جبیں ہو کر تنبیہہ فرمائی۔
حالانکہ بظاہر یہ دونوں ہدایتیں معمولی الفاظ کے حجاب میں ہیں۔ جن کا مفہوم بھی
بادی النظر میں نہایت سادہ اور جن کے مفاد کو بھی صرف شائستگی اخلاق سے تعلق معلوم
ہوتا ہے۔ اور اس کا تو شبہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ ہدایات بالمعنی رموز و اسرار سے مملو ہیں
لیکن حضور قبلۂ عالم کا متواتر اور بغیر تخصیصِ حیثیت و استعداد جملہ ارادتمندوں سے
کبھی بہ طرز تکلم اور کبھی بہ نظر شفقت ہدایت فرمانا۔ ان ارشادات کو مہتم بالشان بناتا ہے
اس لئے باب ہذا کی ابتدا انہیں دونوں ہدایتوں سے کی جاتی ہے۔ جن کو کلیۃً تعمیم کا
مرتبہ حاصل ہے۔ اور جن میں ایک ہدایت بصورت امر۔ اور دوسری بشکل نہی ہے اور جن
کی تعمیل کو ہمارے پیشوائے برحق نے ہمارے لئے مفید متصور فرما کر مختلف عنوان سے اور
مختلف مواقع پر ارشاد فرمایا کہ "محبت کرو۔ اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ"۔
ان دونوں ہدایات کا مضمون جسقدر صاف اور مختصر ہے۔ اسی قدر بالمعنی بہت زیادہ
مفید اور بکار آمد ہے۔ یا اس کو دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ دار العلوم وارثی کے

متعلین کے واسطے یہی ہدایتیں از اول تا آخر بمنزلہ ابجد یا سرنامہ کے بھی ہیں۔ اور بالآخر ان کے دریات سے اختتام اور اسانی کا اہتمام بھی انھیں ہدایات پر ہوتا ہے۔ کیونکہ تعلیم طریقت کی بسم اللہ محبت اور استغنا ہی سے ہوتی ہے۔ اور جو طالب راہ حق محب صادق اور مستغنی المزاج ہوتا ہے وہی منازل سلوک سے فارغ ہوکر تجلی انوار شاہد مطلق کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اس لئے یہ دونوں احکام ایسے گرانقدر اور جلیل المرتبہ ہیں۔ جن کو غلامان بارگاہ وارثی فخر ومباہات کے ساتھ اگر طرۂ امتیاز بنائیں۔ تو بے جا نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ انھیں دونوں جملوں کی تعمیل سے ہم کو دین و دنیا میں اقتدار حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سرکار عالم پناہ کی ہدایت اول الذکر جو بمنزلہ امر بالمعروف ہے اس کے اثرات و برکات۔ مختصر طور پر حضرات صوفیائے کرام ذی صفات کے مستند اقوال کے حوالہ سے نقل کرتا ہوں۔

حالانکہ بہ لحاظ سیاق تالیف مجھ کو لازم تھا کہ اس ہدایت کی تشریح اس طریق سے شروع کرتا کہ پہلے محبت کے لغوی اور اصطلاحی معنی لکھتا۔ بعدہٗ اس کی خاصیت اور ماہیت۔ اور اقسام نوعیت اور ہر انواع کے مدارج۔ اور ہر درجہ کے صفات اور کیفیات کا بصراحت ذکر کرتا لیکن خیال ہوا کہ یہ امور تصانیف حضرات صوفیہ کے مطالعہ سے اخوان ملت کو معلوم ہیں یا ہو سکتے ہیں اور مجھ کو حضور قبلۂ عالم کے اس مہتم بالشان فرمان کا دوسرا پہلو دکھانا مقصود ہے۔

وہ یہ کہ سرکار عالم پناہ نے اپنے غلاموں کو جو تاکید یہ ہدایت فرمائی کہ "محبت کرو" تو بظاہر اس جملہ میں کوئی مخصوص بات نہیں معلوم ہوتی بجز اس کے سات حروف کی ایک معمولی عبارت ہے۔ لیکن درحقیقت اس مختصر جملے کی اہمیت کا اس وقت پورا اظہار ہوتا ہے۔ جب متقدمین حضرات عارفین کی تصنیفات کے ان صفحات کو نظر تعمق سے دیکھتے ہیں۔ جن میں محبت کے ظاہری علامات اور خصوصیات کے ساتھ باطنی صفات و برکات کا تذکرہ بکمال شرح و بسط مسطور ہے اور دلائل عقلی و نقلی سے ثابت فرمایا ہے کہ محبت جملہ ریاضات و مجاہدات کی اصل و حقیقت ہے۔ اور محبت صادق کے اثرات و تصرفات انسان کو انسان کامل بنا سکتے ہیں۔

چوں ہزبانے دگر محبت حرماں نشود
عشق می درزم و امید کہ ایں فن شریف

علاوہ ان تصرفات کے انہیں صفات ہیں۔ محبت کے فیوض و برکات کے ایسے بلند مضامین بھی نظر آتے ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں۔ چنانچہ محققین ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ اس وقت ریاضات و مجاہدات کے معاد و ثمرات بھی مسافر راہ طریقت کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں جب بعد قطع منازل سلوک وہ ایسے حجابات روحانیہ سے گزرتا ہے۔ جہاں عبارات و اشارات کی بھی گنجائش نہیں۔ گر محبت صادق کا دستخطی پروانہ راہداری اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یعنی تقرب الٰہی کے مدارج علیا سے وہی فائز المرام ہوتا ہے۔ جس کے قلب میں محبت صادق جاگزیں ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ محبت ہی کی ایسی زبردست نسبت ہے جو ادنیٰ کو اعلیٰ نطرہ کو دریا بنا دیتی ہے۔ مولانا رومی ؎

اے طبیب جملہ علتہائے ما
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

الغرض یہ مسلمہ ہے کہ جملہ اخلاق حسنہ کی اصل محبت ہے۔ اور شاید اسی لحاظ سے حضور قبلہ عالم نے اپنے غلاموں کو یہ ہدایت فرمائی کہ "محبت کرو" جس کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ شفقت و ارنیٰ کا یہ منشا رتھا کہ صفات حسنہ سے موصوف ہو جاؤ یا تخلق باخلاق اللہ ہو جاؤ۔ "کَمَا جَاءَ فِی الْحَدِیْثِ الْقُدْسِیِّ اَنْ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" جس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ حب یعنی محبت ہی باعث تخلیق عالم ہوئی۔ اور یہی علۃ غائی سبب وجود آدم ہوئی۔ پس اس سے زیادہ کوئی قوی ذریعہ موصل الی اللہ نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ تاہم و تدبر۔

لیکن طوالت کے خوف سے اس اجمال کی زیادہ وضاحت نہیں کر سکتا۔ تمثیلاً وہ بھی مختصر الفاظ میں چند اخلاق صوفیہ کا ذکر کرتا ہوں جن کے دیکھنے سے ظاہر ہو جائے گا کہ فی الحقیقت ارباب طریقت کی کوئی صفت ایسی نہیں ہے۔ جو محبت سے وابستہ نہ ہو اور جس کو خصوصیات محبت کا ثمرہ نہ کہا جائے مثلاً شاہد بے نیاز کی رضا جوئی۔ یہ ایسی ممتاز صفت ہے جس پر حضرات صوفیہ کے مسلک کا مدار اور ان کی ترقی مدارج کا انحصار ہے لیکن عرفا محققین کے نفوس زبان حال سے شاہد صادق ہیں کہ یہ صفت کلیۃً محبت کا ثمرہ۔ اور خصوصیات محبت کا عین کرشمہ ہے کہ محب صادق اثرات

محبت سے متاثر ہوکر اپنے محبوب کا فرماں بردار ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ابومحمد رویم علیہ الرحمۃ نے محبت کی تعریف میں فرمایا ہے۔ کہ "هِيَ الْمُوَافَقَةُ فِي جَمِيْعِ الْأَحْوَالِ" اور یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ "صِدْقُ الْمَحَبَّةِ اَلْعَمَلُ بِطَاعَةِ الْمَحْبُوْبِ" اور سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ "اَلْمَحَبَّةُ مُعَانَقَةُ الطَّاعَاتِ وَمُبَايَنَةُ الْمُخَالِفَاتِ"۔ یہ ارشادات بالمعنیٰ مرادف ہیں کہ محب اپنے محبوب کی اطاعت کو گلے لگاتا ہے۔ اور مخالفت سے احتراز کرتا ہے۔

اور یہی مضمون ہمارے سرکارِ عالم پناہ کے بعض ملفوظات کا ہے کہ آپ نے فرمایا "عاشق اپنے معشوق کا ایسا فرمان بردار ہوتا ہے۔ جیسے غلام اپنے آقا کا"۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "عاشق کا منصب یہ ہے کہ معشوق کے آگے سرِ تسلیم خم رکھے"۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ "رضائے معشوق کی تعمیل عاشق کا فرض ہے"۔

قرینہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے محبت کی اسی نسبت کے اعتبار سے جملہ ارادتمندوں کو متواتر یہ ہدایت فرمائی کہ "محبت کرو" اس واسطے کہ محبت کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ پروردگارِ عالم کے یہ فرمانبردار بندے ہو جائیں گے۔

علیٰ ہذا۔ کبر و غرور یہ ایسے مضر اور قابلِ احتراز صفات رذیلہ ہیں۔ جن کی جہت سے ہمیشہ طالبین نامراد رہتے ہیں لیکن محبت کا خاصہ یہ ہے کہ محب صادق متکبر اور مغرور نہیں ہوتا۔

شاید اسی لحاظ سے اس طبیب باطنی نے ہمارے امراض نفسانیہ کا سہل ترین علاج یہ تجویز فرمایا کہ اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ "محبت کرو"۔ جس کا صحیح مفہوم اب سمجھ میں آیا کہ اگر واقعی احتیاط اور پرہیز کے ساتھ اس جامع المفاد معجون کو ہم مسلسل استعمال کرتے۔ تو یقینی اثراتِ محبت سے آج ہمارا قلب بھی ضرور تکدراتِ کبر و غرور سے صاف ہوتا۔

ازانجملہ ثبات و استقلال بھی اربابِ طریقت کی ایک مشہور صفت ہے۔ جس کو عرفِ عام میں یک در گیر و محکم گیر سے تعبیر کرتے ہیں اور اصطلاحِ صوفیہ میں اس کا ترجمہ "خیال پختہ کردن کار

مرداں است" اور باوجودیکہ اس صفت کا اخلاق ظاہری سے تعلق ہے لیکن حضرات صوفیہ نے اسے کرگرانقدر صفات میں شمار کیا ہے۔ اور طالب راہ حق کے عادات میں پہلے یہی صفت دیکھی جاتی ہے۔ اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقُ الْکَرَامَۃِ"

مگر ابوبکر واسطی علیہ الرحمتہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفت محبت کی مخصوص علامت ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "تصرفات محبت سے محب کے عادات اور خیالات میں ایسی پختگی آجاتی ہے کہ بجز نظارۂ حسن حبیب دوسرے حسین کے جمال پر نظر التفات نہیں کرتا۔

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے　　　چہ کنم کہ چشم حق بیں نہ کند بہ کس نگاہے

اور ہمارے حضور قبلۂ عالم نے بھی اکثر فرمایا ہے کہ "عاشق سوائے معشوق کے اور کسی کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "مشرب عشق میں ایک صورت کے سوا دوسری صورت کو دیکھنا شرک ہے" اور یہ بھی متواتر فرمایا ہے کہ "ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ رہے گی"

ان ارشادات سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ طالب کے واسطے پختہ خیال ہونا لازمات سے ہے۔ اور ثبات و استقامت اثرات محبت ہیں۔ اب حضور کے زبان (محبت کرو) کا مفہوم یہ ہوگیا کہ منشا دارنی یہ تھا کہ بہ اقتضائے مشرب اس صفت سے بھی ہمارے حلقہ بگوش موصوف ہو جائیں۔ کیونکہ محبت کے اثرات سے ان کے خیالات میں پختگی۔ اور عادات میں استقلال و ثبات آجائے گا۔ اور بیساختہ زبان حال سے کہیں گے۔

گر چشم بروئے دگرے باز کنم　　　حق نمکِ حسن تو کورم سازد

معہذا۔ شب بیدار اور خلوت گزیں ہونا۔ ارباب طریقت کے محقق اور ممتاز صفات ہیں۔ جن میں ایک صفت تو وسیلۂ معرفت نفس وکشود احوال ہے۔ اور دوسری صفت حسب ارشاد حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ "اَلسَّلَامَۃُ فِی الْوَحْدَۃِ" یکہ تنہائی موجب سلامتی ہے۔ بقول ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را۔

لیکن محمد ابو رویم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اَلْمَحَبَّۃُ عَدَمُ النَّوْمِ وَالْعُزْلَۃُ اَلْقَوْمِ" کہ یہ دونوں صفات محبت سے وابستہ اور محبت کے خصوصیات میں ہیں۔ اور محبت ہی کے اثرات سے محب غفلت سے بیدار اور تعلقات عالم سے دستبردار ہوتا ہے۔

چونکہ یہ دونوں صفات اپنی نوعیت میں فرد تھے کہ شب بیدار ہونا۔ اور مجرد اور آزاد رہنا انہیں برگزیدہ ہستیوں کا منصب ہے۔ جو اپنی راحت اور عافیت کو حضرت واجب الوجود کی محبت میں نیست و نابود کرتے ہیں۔ پس شفقت وارثی نے اپنے ارادتمندوں کے واسطے ہر دو صفات پسند فرمائے اور ایسی وسیع المعنی ہدایت فرمائی جو ان ہر دو صفات کی بھی جامع ہے۔ یعنی ارشاد ہوا کہ "محبت کرو"۔ اور اس کی تاکید میں مبالغہ اس لئے فرمایا کہ پیش نظر تھا کہ صرف محبت ہی کے آثار ان کو فارغ اور بیدار کر سکتے ہیں۔

اسی طرح تصور۔ جو حضرات صوفیہ کا مہتم بالشان شغل ہے۔ اور جس کے شاغل کو حضرت خاتم الرسالت صلعم نے یہ بشارت دی ہے۔ "کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَکَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ" کہ زندگی میں جو خیال رہے گا۔ اسی خیال میں مروگے۔ اور جس خیال میں مروگے۔ اسی خیال میں محشور ہوگے۔ ؏ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد۔

لیکن حقیقت تصور کی نسبت محققین حضرات صوفیہ کی متفقہ رائے ہے کہ تصور زادۂ محبت ہے۔ چنانچہ مولانا علیہ الرحمۃ کے چند اشعار کا یہ مضمون ہے کہ اشتیاق دید محبوب کا یہ کرشمہ ہے کہ حالت فراق میں محب کی قوت متخیلہ صورت محبوب کو قائم کرتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ نسبت ایسی قوی ہو جاتی ہے کہ محب صورت محبوب سے باتیں کرتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

صورتے پیدا کند۔ بریادِ او ۔۔۔ جذب صورت آردت در گفتگو
راز گوئی پیش صورت صد ہزار ۔۔۔ آں چنانکہ راز گوید پیش یار

اور محبت کے یہ تخیلات وہمی نہیں بلکہ حقیقی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ محب صادق کا یہ جذب جب کامل اور مستقل ہو جاتا ہے تو صو ۔ محبوب بھی اپنے محب کی دلجوئی کرتی ہے۔ اور زبانِ

حال سے کہتی ہے۔

پردہ ہارا این زمان برداشتیم　　　حسن رابے واسطہ افراشتیم

لہٰذا شفقت وارثی نے ہم کو اس مفید شغل سے اس طرح بھی مستفید فرمایا کہ جملہ ارادتمندوں کو حکم دیا کہ "محبت کرو" اس لئے کہ اصل تصور محبت ہی۔ اگر یہ محبت کریں گے۔ تو محبت کے اثرات سے یہ صاحب تصور ہو جائیں گے۔

علی ہذا خاموشی۔ جو اہل تصوف کی خاص صفت ہے۔ اور طالب راہ حق کی ترقی مراتب کا بہترین ذریعہ ہی۔ بمقولئے "اَلصَّمْتُ تُوْرِثُ مَعْرِفَةَ اللّٰہِ"۔ اس لئے ارباب طریقت کا اتفاق ہو کہ خاموشی میں امید کامیابی کی ہے۔ کیونکہ بارگاہِ رسالت سے یہ حکم صادر ہوا ہے "مَنْ سَکَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجَا"۔ اور کسی شاعر کا مقولہ ہے۔

بہ طبعم ہیچ مضمون بہ زلب بستن نمی آید　　　خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

لیکن حضرات عارفین فرماتے ہیں کہ خاموشی محبت کا مخصوص نتیجہ ہے۔ جس کی ابو حامد خاتم علیہ الرحمۃ نے یہ وضاحت فرمائی ہے "وہ شخص اکثر خاموش رہتا ہے۔ جس کو محبت سے واسطہ ہوتا ہے"۔ اور شرف الدین بو علی شاہ قلندر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اہل محبت کی نشانی "کم خوردن و کم گفتن و خفتن حرام" ہے۔

اور ہمارے حضور قبلۂ عالم نے یہ فرمایا کہ "عاشق خیال یار میں خاموش رہتا ہے"۔ اور اکثر آپ نے یہ بھی فرمایا ہے "محب کی زبان میں محبت قفل لگا دیتی ہے۔ کہ اسرار حقیقت کا اظہار نہ کرے"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے "کہ محبت میں انسان گونگا اور بہرا ہو جاتا ہے" مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ کَلَّ لِسَانُهٗ" یعنی جس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔

ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ خاموشی کو محبت سے پورا سروکار ہے۔ اور محبت کے اثرات سے محب ساکت اور خاموش رہتا ہے گونگے اور بہرے کی طرح نہ کسی سے اپنا حال کہتا ہے۔ نہ کسی کی نصیحت سنتا ہے۔

بہذا جب کہ خاموشی محبت کا ثمرہ ہے۔ تو اس اعتبار سے ہم گنہگار بھی مفاد خاموشی کے مستحق اور سزاوار ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے آقائے نامدار نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے کہ محبت کرو اگر ہم نے اس حکم کی تعمیل کی۔ تو کیوں سکت سَلِمَ کے برکات سے مستفیض ہونا لازمی ہے

اسی طرح صنائع رب العزت کا مشاہدہ جو جزو تصوف ہے۔ بلکہ منقول ہے کہ یہ صفت سالک راہ حقیقت کو بعد حصول مرتبہ تمکین بارگاہ مبدار فیاض سے تفویض ہوتی ہے۔ تب وہ برگزیدہ حق صفت خالق مطلق کا نظارہ کرتا ہے "مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اِلَّا وَرَأَيْتُ اللّٰهَ مَعَهٗ"۔

لیکن تاج العارفین ابوبکر واسطی علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صفت کی بھی اصل اور حقیقت عین محبت ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "جملہ اشیاء خلق میں صفات خالق کا نظر آنا محبت کی دلیل ہے اور شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ "محبت نہیں چاہتی کہ عاشق کو صفات معشوق دیکھنے کے سوا کسی کام میں لگائے اور ہمارے سرکار عالم پناہ نے یہ فرمایا ہے کہ عاشق ہر چیز میں معشوق کا جلوہ دیکھتا ہے۔

بقول وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ"

غرض اس تشریح کا ماحصل یہ ہے کہ اس صفت کا وجود محبت کی خاصیت سے ہے اور اسی خاصیت کے اعتبار سے حضور قبلۂ عالم کی ہدایت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ "محبت کرو تاکہ صانع باکمال کی صنعت گوناگوں کے مشاہدہ کی صلاحیت پیدا ہو۔

علیٰ ہذا۔ ذکر الٰہی جس کی حقیقت یاد حق ہے۔ بعد فراموش کرنے غیر حق کے بعنوان: "وَاذْکُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ"؛ اور فائدہ ذکر کا یہ ہے کہ حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ذِكْرُ اللّٰهِ شِفَاءٌ وَذِكْرُ غَيْرِهٖ دَاءٌ" کہ اللہ کا ذکر شفا ہے۔ اور اس کے غیر کا بیماری ہے۔

لیکن محبت کی عجیب شان ہے کہ ارباب طریقت کی کوئی صفت ایسی نہیں ہے۔ جس کی اصل و حقیقت محبت نہ ہو۔ جیسا کہ عارفین کا اتفاق ہے کہ ذکر بھی محبت کا نتیجہ ہے بمصداق مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ۔

اور محبت چونکہ ذکر کی مقتضی ہے۔ اس لئے محب ہر وقت ذکر محبوب سے خاطر غمگین کو تسکین دیتا

ہے۔ بقول۔

حُبُّكَ رَاحَتِي فِي كُلِّ حِيْن   وَذِكْرُكَ مُؤْنِسِي فِي كُلِّ حَالٍ

چنانچہ ابوعبداللہ بن فضل علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ "محبت کی علامت یہ ہے کہ ذکر حبیب سے دل خوش ہو"۔ اور شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "عاشق اس طرح ذکر حقیقی کو کرتا ہے کہ اپنے نفس سے غافل اور اپنے احساس کو بھول جاتا ہے"۔ اور ہمارے حضور قبلۂ عالم نے یہ فرمایا ہے کہ "عاشق وہ ہے جس کی کوئی سانس ذکر محبوب سے خالی نہ جائے"۔

غرض جس طرح یہ مسلّمہ ہے کہ ذکر محبت کا ثمرہ ہے۔ اسی طرح سرکار عالم پناہ کی اس ہدایت سے کہ "محبت کرو" یہ ثابت ہوتا ہے کہ منشاء سرکاری یہ تھا کہ ہمارے حلقہ بگوش اگر محبت کریں گے تو محبت کی اس مخصوص خاصیت سے بھی ضرور مستفید ہوں گے کہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رہیں گے

منجملہ دیگر صفات کے ارباب تصوف کی ایک صفت کا نام تفکر بھی ہے۔ جس کی تعریف حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ "تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً" لیکن محققین کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفکر عشاق کی ایک حالت کا نام ہے۔ جو افراط محبت کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیم قبولی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اہل محبت کا خاصہ ہے کہ تفکر میں مصروف رہتے ہیں۔

پس محبت کا یہ ثمرہ زبانِ حال سے کہتا ہے کہ حضور قبلۂ عالم کی ہدایت مذکورہ کے عامل مریدین کو وہ بلند مرتبہ بھی مل سکتا ہے۔ جس کو اصطلاح صوفیہ میں تفکر کہتے ہیں۔

ازیں قبیل حضرات صوفیہ کے احوال صادقہ میں سے ایک حال کا نام شوق ہے۔ مگر کتب تصوف کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ شوق کو سراپا محبت سے سروکار ہے۔ اول تو اس صفت کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشاق کی یہ کیفیت زائیدہ محبت ہے۔ دوئم محققین کا اتفاق ہے کہ شوق افراط محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ابوعثمان حیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اَلشَّوْقُ ثَمَرَةُ الْمَحَبَّةِ"۔ سوئم ارباب طریقت فرماتے ہیں کہ شوق کی حقیقت یہ ہے کہ سالک کے ہیجان قلب کی اس غیر معمولی کیفیت کو شوق کہتے ہیں۔ جو محبوب سے متمتع ہونے کی خواہش مفیب کے

باطن میں پیدا کرتی ہے۔

لہٰذا سرکار عالم پناہ کی اس پرورش کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اپنے ارادتمندوں کو سزا تربیہ ہدایت فرمائی کہ "محبت کرو" جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ محبت کرو گے۔ تو ارباب شوق کی فہرست میں تمہارا نام درج ہو جائے گا۔

الحاصل یہ سات حرف کی ہدایت اس قدر جامع اور معنی خیز ہدایت ہے کہ علاوہ صفات مذکورہ کے وہ اخلاق مستحسنہ بھی اس مختصر جملے سے وابستہ ہیں۔ جن کا ذکر بخیال طوالت نہیں کیا۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ جب اخوان ملت۔ اس ہدایت کی حقیقی ماہیت کو نظر غائر سے دیکھیں گے۔ تو نمایاں طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ ارباب طریقت کے جملہ صفات محبت کے خصوصیات ہیں۔ یا نتایج وثمرات؛ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بظاہر تو حضور قبلۂ عالم نے اسی قدر فرمایا کہ محبت کرو مگر درحقیقت یہ چھوٹی سی عبارت ہمارے بام ترقی کا ایسا زینہ ہے۔ جو ہم کو آسانی حضور شاہد حقیقی تک پہونچائے۔ اور نہ وہ شرف امتیازی حاصل ہو جو ہمارے وہم وخیال میں بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس زریں ہدایت کو جو فی الحقیقت اسم اعظم کی خاصیت رکھتی ہے۔ اگر ہم غلامان وارثی اپنا سرمایۂ دارین سمجھیں تو بے جا نہ ہوگا۔

مگر اس تشریح سے یہ تو بخوبی ظاہر ہو گیا۔ کہ جملہ اخلاق صوفیہ محبت کے نتایج ہیں لیکن اس کا ذکر نہیں آیا کہ توحید رب العزت کو بھی محبت سے سروکار ہے یا نہیں۔ کیونکہ ارباب طریقت کے فضل وکمال کا مدار توحید پروردگار پر ہے۔

اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ دیگر صفات اگر محبت کے خصائص وثمرات ہیں۔ تو محبت فی الحقیقت عین توحید اور توحید عین محبت ہے۔ کیونکہ توحید کی تعریف یہ ہے کہ حضرت احدیت عزاسمہٗ کو ایک جانے۔ "اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ" اور کمال محبت بھی یہی ہے کہ بجز ذات شاہد مطلق دوسرے کا وجود مفقود ہو جائے۔ پس یہ دونوں درجات چونکہ فی الماہیت ایک ہیں اس طرف دونوں کی تعریف بھی مرادف ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق آں را پاک سوخت

چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کتاب المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل کے تکملہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

یُحِبُّھُمْ و یُحِبُّوْنَہٗ چہ گفتار است بہ زیر پردہ مگر خویش را خریدار است

ازیں جا روشن گشت کہ حاصل توحید غلبۂ محبت ذاہدہ بیگانگی ست کہ در نظر شہود غیر محبوب را وجود نماند۔ لہذا ہمارے رہنمائے کامل نے اپنے غلاموں کو وہ کلیہ ہدایت فرمایا کہ جس کے بغیر توحید کی تصدیق ناممکن اور محال ہے۔ اس لئے کہ توحید اور محبت لازم و ملزوم ہیں۔ جو تکمیل توحید ہے کہ وجود غیر مفقود ہو۔ وہی کمال محبت ہے کہ ماسوائے مطلوب سب کو نیست و نابود سمجھو۔ غرض جمیع کمالات و صفات کی اصل صرف محبت ہے۔ جس کی ہمارے سرکار عالم پناہ نے ہم کو متواتر ہدایت فرمائی کہ "محبت کرو"۔ چنانچہ محبت کے صفات و تصرفات کی نسبت مولانا روم علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں۔

از محبت تلخہا شیریں شود وز محبت مسہا زریں شود

از محبت دردہا صافی شود وز محبت دردہا شافی شود

از محبت دار تختے می شود وز محبت بارِ بختے می شود

از محبت سجن گلشن می شود بے محبت روضہ گلخن می شود

از محبت حزن شادی می شود وز محبت غول ہادی می شود

از محبت مردہ زندہ می شود وز محبت شاہ بندہ می شود

لیکن محبت کے صفات سے واقف ہونے کے بعد اپنی محدود معلومات کے اعتبار سے اگر یہ تخیل ہو کہ حضور قبلۂ عالم کا ایک ارشاد یہ ہے کہ "محبت وہبی ہے۔ جو کسب سے نہیں حاصل ہوتی"۔ یعنی منجانب اللہ مرحمت ہوئی ہے۔ اور برعکس اس کے یہ حکم ہوتا ہے کہ "محبت کرو"۔ جس میں ہمارے اختیار اور اکتساب کو صریح دخل نہیں ہے۔ تو یہ متضاد مضمون کیوں ہے

لیکن جب تھوڑا غور کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شک کا وقوع ہماری لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ سرکار عالم پناہ کے دونوں زبان نہایت صحیح اور مطابق اصول شریعت اور موافق احکام قرآنیت صادر ہوئے ہیں۔ کیونکہ جس طرح علمائے کرام اور اولیائے عظام کے مستند اقوال سے یہ ثابت ہے کہ یہ محبت وہبی ہے۔ اسی طرح یہ مسلم الثبوت ہے کہ ہادیان اسلام اور صوفیائے کرام نے اپنے اپنے وقت میں محبت سے مستفید ہونے کے لئے طالبین حق کو یہ ہدایت بھی فرمائی ہے لہٰذا اگر حصول محبت کے واسطے سعی بے سود ہوتی۔ تو ہادیان ملت اپنے مقلدین کو اس لاحاصل کوشش کے لئے تاکید نہ فرماتے۔

اگر میرے اس مجمل بیان سے کافی اطمینان نہ ہو۔ تو تصحیح کے واسطے یہی ایک دلیل بس ہے کہ حضرت احدیت جل جلالہ نے محبت کو وہبی بھی فرمایا ہے۔ کہ "یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ" جس کا مطلب یہی ہے کہ محبت خدا کی جانب سے ملتی ہے۔ پھر حصول کے لئے اپنے بندوں کو کوشش کا بھی حکم فرماتا ہے کہ "فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ" اللہ کے ذکر کے واسطے کوشش کرو اور ذکر بفحوائے "مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَهٗ" محبت کا نتیجہ ہے تو ذکر کے لئے کوشش عین محبت کے واسطے کوشش کرنا ہے۔ پس اگر ذکر یعنی محبت کے واسطے کوشش اور سعی کرنا بے سود اور لاحاصل ہوتا۔ تو وہ عالم ماکان ومایکون۔ کبھی بے فائدہ کوشش کا حکم نہ دیتا۔

اور احادیث صحیحہ سے تو بغیر کسی تاویل کے ثابت ہے کہ حضرت خاتم الرسالت نے صاف لفظوں میں بتاکید اور بہ تکرار فرمایا کہ مجھ سے محبت کرو۔ چنانچہ صحیح بخاری میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" کہ حبیب رب العالمین نے فرمایا۔ وہ کامل الایمان نہیں ہے۔ جو اپنی جان اور مال اور اولاد اور تمام عالم سے زیادہ مجھ کو محبوب نہ رکھتا ہو۔

جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایمان کامل کے واسطے باین شرائط محبت کو لازمی گردانا

تو عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو بجز اپنی جان کے میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ فَقَالَ لَہٗ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ لَا تَکُوْنُ مُؤْمِنًا حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ۔ فرمایا اے عمر تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا۔ جبتک اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو محبوب نہ رکھو گے۔

بحیثیت شان رسالت یہ ہدایت فرمائی۔ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو محبوب رکھنے کی کوشش کرو۔ مگر شفقت محمدی کو اپنے جان نثار کا یہ نقص ناگوار تھا کہ آن واحد میں یہ استعداد پیدا ہو گئی فَقَالَ عُمَرُ وَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ یعنی حضرت عمر خطاب نے قسم کھا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب میں اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ تَمَّ اِیْمَانُکَ "۔ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہوگیا۔

اس مستند حدیث سے ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلعم نے حصول محبت کے لئے ہدایت فرمائی اور محبت میں کامل ترقی بھی ہوئی پس محبت کے لئے اگر سعی بے سود ہوتی۔ تو اللہ تبارک وتعالےٰ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ" فرماتا اور نہ حضرت بہترین عالم صلعم اپنے جان نثار کو" اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ" فرماتے۔ جس میں اکتساب کو دخل ہے۔ چنانچہ اسی کی اتباع بزرگان دین نے فرمائی۔ اور مطابق سنت اللہ وسنت رسول محبت کو وہبی کہا۔ اور حصول محبت کے لئے ہدایت بھی فرمائی۔ اور اسی قدیم عملدرآمد کے موافق ہمارے حضور قبلۂ عالم نے بھی اکثر فرمایا کہ "عشق وہبی ہے" اور اپنے ارادتمندوں کو اس کا بھی متواتر حکم دیا کہ "محبت کرو"۔

غرض اس تشریح سے واضح ہوگیا کہ محبت کو وہبی کہنا اور حصول محبت کے لئے ہدایت کرنا اصول شریعت وطریقت کے مطابق قدیم دستور ہے۔ لیکن باوجود اس وضاحت کے اس کی بھی صراحت ہوجائے تو اچھا ہے کہ شے واحد کی نسبت متضاد احکام کیوں صادر ہوئے کہ محبت کو وہبی کہا گیا۔ اور اس کے حصول کی ہدایت بھی فرمائی گئی۔

چنانچہ حضرت صوفیہ کرام نے ان احکام کی جو بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں یہ تطبیق فرمائی ہے کہ محبت دو نوع پر منقسم ہے۔ ذاتی و صفاتی۔ قسم اول یعنی محبت ذات محض وہبی ہے۔ جس کے لئے سعی و کوشش قطعاً بے سود ہے۔ اور قسم ثانی۔ محبت صفات میں اکتساب کو بھی دخل ہے۔ جو اکثر محبت ذات کا وسیلہ بھی ہو جاتی ہے کہ طالب صادق جب محبت صفات میں کوشش کرتا ہے۔ اور قلب وفور سوز و شوق سے گداز ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت عنایت رب العزت پر منحصر ہے۔ اگر کشش وہبی ہوئی۔ تو طالب محبت ذات سے بھی مستفیض ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت محبوب الٰہی سلطان الاولیاء نظام الدین علیہ الرحمۃ نے ایک خط میں مولانا فخرالدین مروزی کو اقسام محبت کے تذکرہ میں ارقام فرمایا کہ محبت ذات محض موہبت ہے۔ اور محبت صفات میں کسب کو بھی فی الجملہ دخل ہے۔ شاید اسی خیال سے ہمارے سرکار عالم پناہ نے ہم کو یہ ہدایت فرمائی کہ "محبت کرد" جس سے محبت صفات مقصود ہوگی۔ کیونکہ محبت ذات بہت بڑا مرتبہ ہے اور عشق کا مرادف ہے۔ جس کی نسبت آپ نے اکثر فرمایا کہ عشق وہبی ہے۔ جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا ہے

این سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بلکہ صاحب سیر الاولیاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نے تو عشق کی نسبت بھی یہ فرمایا ہے کہ گو مسلمہ ہے کہ عشق وہبی ہے اور کسب سے نہیں حاصل ہوتا۔ مگر طالب کو لازم ہے کہ کوشش کرے اور دروازہ کھٹکھٹائے شاید اس کا فضل ہو جائے۔

ممکن ہے کہ اسی خیال سے ہمارے حضور قبلۂ عالم نے فرمایا کہ "محبت کرد" اور مطلوب حقیقی کی طلب کو طلب صادق بناؤ۔ اگر عنایت رب العزت ہوئی۔ تو جستجو بیکار نہ جائے گی۔ مَنْ طَلَبَ وَجَدَ !! چنانچہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ بھی یہی فرماتے ہیں۔

سایۂ حق بر سر بندہ بود ۔۔۔ عاقبت جو بندہ یابندہ بود
گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے ۔۔۔ عاقبت از در بروں آید سرے
چوں نشینی بر در کوئے کسے ۔۔۔ عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

چوں زچاہے میکنی ہر روز خاک　　عاقبت اندر رسی در آب پاک

مگر یہ تو مسلم ہے کہ مادۂ محبت اللہ جل جلالہٗ نے بنی آدم کو عالم ارواح میں مرحمت فرمایا بلکہ محبت ہی سے تخلیق عالم ہوئی ہے کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ جس کا بعض مقدس حضرات نے اپنے اشعار میں اشارتاً ذکر کیا ہے۔ مثلاً حافظ علیہ الرحمت فرماتے ہیں۔

منعم از می مکن اے صوفی صافی کہ حکیم　　در ازل طینت ما را ز می صاف سرشت

لیکن انسان کی استعداد ازلی ہے۔ جب عالم اجسام میں تعلقات موجودات کے حجاب لاحق ہوتے ہیں۔ اور عوارض نفسانی کی وجہ سے قوائے روحانی مضمحل ہوکر خواہشات نفسانیہ کے تابع ہو جاتے ہیں۔ تو وہ مادۂ محبت جو بروز میثاق انسان کو تفویض ہو چکا ہے۔ عالم شہود میں آکر اکثر خیالات باطلہ اور مرادات بشری کی معیت میں مبتلائے اشکال حوادث ہو جاتا ہے اور حجابات و تعینات صورت مقصود اصلی کو چھپا دیتے ہیں۔ اور شوق وصال مطلوب حقیقی سہو ہو جاتا ہے جس کے لئے سعی و کوشش کی ضرورت ہے کہ توہمات فاسدہ اور خیالات باطلہ سے انسان روگردانی کرے۔ اور مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی کی جانب رجوع ہو۔ اس واسطے ہادیان راہ طریقت نے جدوجہد کی ہدایت فرمائی۔ اور ہمارے حضور قبلۂ عالم نے بھی اپنے جملہ مسترشدین سے خطاب فرمایا کہ "محبت کرد" کہ فطرۃً جو استعداد محبت موجود ہے۔ وہ تکدرات حجاباتِ تعینات سے صاف ہو جائے۔ "مَنْ جَدَّ وَجَدَ"

ترک سوال الغرض حضور قبلۂ عالم نے جس طرح مختصر جملہ میں اعمال باطنی کا ہم کو سبق دیا۔ اسی طرح دوسری ہدایت بصورت نہی عن المنکر فرمائی۔ تاکہ ہمارے عادات روزمرہ بھی درست اور شائستہ ہو جائیں۔ جس کی نہایت موزوں مثال یہ ہے کہ مہربان طبیب کا دستور ہے کہ جب مریض کے لئے دوا تجویز کرتا ہے۔ تو اسی کے ساتھ پرہیز کی بھی تاکید کرتا ہے۔ اور مضر اشیاء کی تصریح کر دیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے طبیب باطنی نے بکمال شفقت امراض روحانی کی

اصطلاح کے لئے جب ہم کو نسبت کا مفید اور مجرب نسخہ بتا دیا۔ تو اسی کے ساتھ عنایت وارثی نے ہم کو یہ ہنر کی بھی تعلیم فرمائی۔ اور متواتر ارشاد ہوا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ"

فی الحقیقت حضور قبلۂ عالم کی یہ ہدایت۔ ہمارے عادات کی اصلاح کے واسطے نہایت مفید ہے۔ کیونکہ جس طرح محبت کرنا ممدوح اور محمود صفت ہے۔ اسی طرح سوال کرنا قطعی ممنوع اور مذموم فعل ہے۔ اور غور کیا جائے تو دانغی ترک سوال میں ہزاروں خوبیاں اور متعدد مفاد ہیں۔

مثلاً ترک سوال۔ حیا کی عین نگہداشت ہے۔ اور حیا ایمان کا جزو مقدم ہے: اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ حضرت خاتم الرسالت کا حکم قطعی ہے۔ چونکہ ہادی برحق کو ہمارے ایمان کا تحفظ منظور تھا۔ اس لئے اپنے غلاموں کو یہ حکم دیا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ"

چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ چند مسترشدین حاضر خدمت تھے۔ اور حضور قبلۂ عالم نے بہ سبیل تذکرہ فرمایا کہ "اسلام اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے"۔ اس ارشاد کا اصل مقصود جو کچھ ہو۔ یا حاضرین میں کس نے کیا فائدہ اٹھایا۔ اس کا تو علم نہیں۔ لیکن ایک صاحب جو بظاہر کسی گاؤں کے باشندے اور کاشتکاری پیشہ معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے عرض کیا "حضور پھر ایمان کیا چیز ہے۔" آپ نے ان کے فہم واستعداد کے لحاظ سے ایمان کی تعریف کا خلاصہ یہ فرمایا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ" جس کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ ترک سوال حیا کا محافظ ہے اور حیا جزو ایمان ہے۔

علاوہ اس کے سوال کرنا ایسا رکیک فعل ہے جو انسان کی صفت یقین کو برباد کرتا ہے۔ کیونکہ طالب راہ حق وادی طلب میں پہلا قدم اس یقین کے ساتھ رکھتا ہے کہ عَلَی اللّٰہِ رِزْقُکُمْ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ اور کارساز حقیقی کی جناب میں زبان حال سے عرض کرتا ہے۔ مصرع۔ بدرت کہ جز در پاک تو بدر دگر گزرے نشد

کیونکہ ہادیان راہ طریقت نے طالب راہ حقیقت کے واسطے توکل کو لازمی گردانا ہے۔ بقول

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست   راہرو گر صد ہنر دارد توکل لازم است

اور ماسوے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا طالب صادق کا اپنے عہد وارادہ سے روگردانی کرنا

ہے۔ جو بجائے منزل مقصود پر پہونچنے کے قعر مذلت میں گراتا ہے۔ اس لئے ہمارے حضور راہ
نے فائز المرام ہونے کا سیدھا راستہ یہ بتایا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ" اور غیر اللہ کی استعانت
سے احتراز کرو۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ جس کا فائدہ یہ ہے بقول

مَنۡ نَظَرَ اِلَی الۡخَلۡقِ ھَلَکَ   وَمَنۡ رَجَعَ اِلَی الۡحَقِّ مَلَکَ

اور صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ ابونصر بشر بن الحارث الحافی علیہ الرحمۃ کا قول
ہے کہ "اَفۡضَلُ الۡمَقَامَاتِ اِعۡتِقَادُ الصَّبۡرِ عَلَی الۡفَقۡرِ اِلَی الۡقَبۡرِ" ترجمہ مقامات فقر میں
افضل یہ ہے کہ فقر میں صبر کرنا اور اس اعتقاد کو اپنے ساتھ قبر میں لے جانا۔ خلاصہ یہ کہ تمام
عمر اپنی حاجت کا اظہار نہ کرے۔

اور صاحب کشف المحجوب نے ابوتراب بن حسین نخشی علیہ الرحمۃ کا یہ قول بھی نقل فرمایا
ہے کہ اَلۡفَقِیۡرُ قُوۡتُہٗ مَا وَجَدَ فقیر کی خوراک وہی ہے جو (بے طلب) مل جائے۔ اور
یہی ہمارے حضور قبلۂ عالم نے فرمایا ہے کہ "سوال نہ کرو بے طلب جو مل جائے اس پر صبر کرو"
علاوہ ان مفاد کے ترک سوال ایسی مہتم بالشان صفت ہو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے بعض اصحاب مہاجرین سے ترک سوال کی بیعت لی ہے۔ جس کا ذکر کتب احادیث
میں بصراحت مسطور ہے کہ وہ یاران رسول اللہ جو اس بیعت میں شریک تھے وہ اپنے عہد کے
اس قدر پابند تھے کہ ان کی زبان اس لفظ سے آشنا نہیں ہوتی تھی جس میں ضمناً بھی سوال
کا اشارہ ہو چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے رسالۂ قول الجمیل میں لکھا ہے
کہ ابن ماجہؒ سے مروی ہے کہ وہ فقرائے مہاجرین جن کو ترک سوال کی ہدایت ہوئی تھی
ان کا کوڑا اگر گر جاتا تھا۔ تو یہ احتیاط تھی کہ کسی سے کوڑا اٹھا دینے کا سوال نہیں کرتے تھے
اور گھوڑے سے اتر کے اپنا کوڑا خود اٹھا لیتے تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفرالسعادت میں لکھتے ہیں کہ "حکیم بن حزام کہ یکے
از اقربائے ام المومنین خدیجہؓ بود۔ چیزے از آنحضرت صلعم طلبید۔ فرمود یا حکیم من میدھم تو آنرا

لیکن کراہتے یادے ہمراہ خواہد بود۔ نصیحت کرد اورا کہ تا تواتی سوال مکن از ہیچ کس"

لہٰذا کمالاتِ محمدیہ کے مظہرِ اتم نے اپنے جدِ امجد کی اس سنت کو کس خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ اور اپنے غلاموں کو حکم عام دیا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ" اور اس پردہ میں فیضانِ سنت صحابہ سے ہم کو مستفیض فرمایا۔

علیٰ ہذا اس مشہور حدیث سے بھی ضمناً ترکِ سوال کی ترغیب ثابت ہوتی ہے کہ "عَزَّ مَنْ قَنِعَ وَ ذَلَّ مَنْ طَمِعَ" کہ قناعت وجہ عزت اور طمع سبب ذلت ہے جس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ نے قناعت کو محمود اور طمع کو مذموم فرمایا۔

چنانچہ قناعت کی یہی تعریف ہے کہ خدا پر بھروسہ کرے اور یہی ترکِ سوال کا ماحصل ہے اور طمع کا مفہوم یہ ہے کہ تقسیم حضرت احدیت کو کافی نہ سمجھنا۔ اور مخلوق سے استعانت چاہنا جس کا خلاصہ ہاتھ پھیلانا ہے اس لئے ہمارے حضور قبلۂ عالم نے اپنے غلاموں کو فعل محمود یعنی قناعت کی ترغیب دی اور عادت مذموم یعنی طمع سے باز رہنے کے لئے ہدایت فرمائی کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔"

اس حدیث کی نسبت شاید یہ عذر ہو کہ قناعت کا ماحصل ترکِ سوال اور طمع کا مفہوم ہاتھ پھیلانا اختیار کیا ہے۔ مگر صریح الفاظ میں ترکِ سوال کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا میں دوسری مستند حدیث ایسی نقل کرتا ہوں جس میں بغیر کسی تاویل کے ترکِ سوال کی ترغیب ہے اور واضح طور پر سوال نہ کرنے والے کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جس کو سلطان العارفین شیخ شہاب الدین بن محمد سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف کی فصل ہفتم آدابِ معیشت میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو شخص میری ایک بات قبول کرے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں میں نے (ثوبانؓ نے) کہا اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ پس حضرت خاتم الرسالت نے فرمایا: "لَا تَسْئَلِ النَّاسَ شَیْئًا۔ کہ مخلوق سے کسی چیز کا سوال نہ کرو"

اس حدیث میں ترک سوال کی مطلقاً ترغیب ہے اور اس سے زیادہ صراحت کیا ہو سکتی ہے کہ فرمایا لَا تَسْئَلِ النَّاسَ شَيْئًا جس کا نہایت فصیح اور بامحاورہ ترجمہ یہی ہو گا کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ جس کی حضور قبلہ عالم نے ہم کو متواتر ہدایت فرمائی۔

الغرض ترک سوال کی ترغیب اور بشارت احادیث صحیحہ سے بخوبی ثابت ہو گئی تاہم اور ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس میں قطعی اور عام طور پر بغیر کسی استثنا کے سوال کرنے کی ممانعت ہے چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "مَا تَزَالُ الْمَسْئَلَةُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَلْقَى اللهَ وَمَا فِي وَجْهِهٖ مُضْغَةٌ" کہ سوال کرنے والا خدا کے حضور میں جائے گا تو اس کے چہرہ پر گوشت کی بوٹی نہ ہو گی یعنی بروز قیامت وہ نہایت شرمندہ اور ذلیل و خوار ہو گا۔

اس حدیث سے کما حقہٗ ثابت ہو گیا کہ سوال کرنا شریعت میں ممنوع اور اخلاق انسانیہ کے خلاف اور اصول طریقت کے منافی ہے اور ترک سوال اس کا عکس ہو کر شریعت کی جانب سے انعامات کی بشارت بھی ہے اور ارباب طریقت کی خاص سنت بھی ہے اس واسطے سرکار عالم پناہ نے اپنے ارادتمندوں کے لئے حکم عام صادر فرمایا کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جملہ معاملات کارساز حقیقی کے سپرد کرو اور حرص و طمع جو صفات ذمیمہ ہیں ان سے احتراز کرو بلکہ اکثر حضور قبلۂ عالم شاہ بوعلی قلندرؒ کا یہ شعر بطور ہدایت پڑھتے تھے جس میں حرص و طمع کی قطعی ممانعت ہے۔

زہد و تقویٰ چیست اے مرد فقیر   لاطمع بودن ز سلطان و امیر

صفت حرص و طمع درحقیقت حرص و طمع ایسی مذموم خصلت ہے جو علاوہ دنیوی توہین کے دینی ترقیات میں بھی عارج ہوتی ہے چنانچہ حضرت بوعلی شاہ قلندر علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں

دل چو آلودست از حرص و ہوا   کے شود مکشوف اسرار خدا

صد تمنا در دل ست اے بوالفضول   کے کند نور خدا در دل نزول

بر تو قسمت میرسد اے بے خبر پس چرا قانع نئی بر خشک و تر
حرص تو دین قناعت پارہ کرد نفس امارہ ترا آوارہ کرد
این سخن در گوش داری اے جوان مولوی گفتہ ز روئے امتحان
ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں این خیال است و محال است و جنوں

صفتِ حسد اور اسی حرص و طمع کا ضمیمہ حسد ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ حسد بہ لحاظ معنی اور بہ اعتبار صفات حرص و طمع کا مرادف ہے چنانچہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف میں جو حسد کی تعریف تحریر فرمائی ہے اس کا ترجمہ محمود بن علی الکاشانی نے یہ کیا ہے" از بہر تکاثر و تفاخر یا بہر خوف و فقر و احتیاج۔ چوں این صفت در نفس قوی گردد۔ حسد از وے تولد کند، زیرا کہ حسد بخیلی کردن ست بحال دیگراں نخواہد کہ چیزے بدیگرے رسد۔ و اگر کسے را نعمتے مخصوص بیند زوال آں طلبد و چوں ایں قوت زیادت گیرد۔ حقد پدید آید ہر کرا با خود در نعمتے مساہم یا مساوی یا بدیا تفضیلتے متمیز بیند یا سبب انتزاع نعمتے از خود پندارد یا موجب امتناع کرامتے شناسد۔ زوال و ہلاک پیوستہ خواہاں بود۔

غرض حرص جس طرح صفتِ ذمیمہ ہے اسی طرح حسد بھی عقلاً و نقلاً مخالف اخلاق اور مخرب ایمان ہے اسی واسطے حضور قبلۂ عالم نے یہ فرمایا ہے کہ حسد سے احتراز کرو۔ چنانچہ ایک مرتبہ چند ارادتمند حاضر خدمت تھے اور حضور بعض مسائل تصوف کا ذکر مختلف پیرایہ میں فرما رہے تھے۔ جناب حضرت کی یہ پرورش دیکھکر ایک حلقہ بگوش نے یہ عرض کیا کہ سرکار بہتر فرقوں میں ناجی فرقہ کون ہے؟ آپ نے عجیب شان سے مسکرا کر فرمایا جس میں حسد نہ ہو اور حسد کے عدد بہتر ہیں۔

اکثر یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ حسد میں سوائے نقصان کے فائدہ نہیں اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ حسد سے ایمان خراب ہوتا ہے"۔ غور سے دیکھا جائے تو واقعی حسد مخرب ایمان ہے کیونکہ حقیقتِ حسد یہ ہے کہ اس کا تعلق نفس سے ہے اور نفس روح کی ضد ہے اور یہ کلیہ ہے کہ خواہشات نفسانیہ سے روح ضعیف اور ایمان خراب ہوتا ہے۔

چنانچہ امام رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر سورۃ فلق کے تحت میں بدلائل ثابت فرمایا ہے کہ جملہ اخلاق ذمیمہ کی اصل حسد ہے اور تمامی عادات قبیحہ حسد پر ختم ہوتے ہیں اسی باعث کہ خداوند کریم نے "مِن شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" پر تمام شرور انسانی کا خاتمہ کر دیا ہے۔

لہذا یہ مسلمہ ہے کہ جس طرح قناعت جامع اوصاف حمیدہ ہے اسی طرح حرص جملہ صفات رذیلہ کی اصل ہے لیکن اس ذلیل عادت کا ایک مجرب علاج بھی حضرات صوفیائے کرام نے بتایا ہے جس سے یہ عیب قطعی طور پر ہمیشہ کے لئے زائل ہو جاتا ہے چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ را جامہ ز عشقے چاک شد او ز حرص و عیب کلی پاک شد

یہی مجرب نسخہ ہمارے طبیب باطنی نے اپنے غلاموں کے واسطے تجویز فرمایا کہ جہاں یہ ارشاد ہوا کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ محبت کرو کیونکہ بغیر محبت کے حرص و طمع کا سدباب ہونا محال ہے۔

الحاصل حضور قبلہ عالم کا یہ ارشاد کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ بظاہر روزمرہ کی بات یا معمولی نصیحت معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ بہت بڑی تعلیم اور مہتم بالشان ہدایت ہے اور یہ مختصر جملہ ارشاد ہوا ہے جو اصول شریعت کے مطابق اور احکام طریقت کے موافق ہے۔ اور اس ہدایت کی تعمیل پر حصول مقصود اصلی کا انحصار ہے اور حضرت احدیت کی شان ربوبیت کا یقین بھی اسی سے ہوتا ہے۔

حالانکہ بعض حضرات صوفیہ کے تذکرہ میں یہ بھی منقول ہے کہ انھوں نے کبھی کبھی طلب رزق کے لئے اسباب و توسل پر بھی نظر کی ہے اور بعض نے بقدر ضرورت سوال بھی کیا ہے مگر بالمعنی ان کا سوال مثل ہمارے سوال کے نہ تھا۔ گو صورت ظاہری دونوں کی ایک ہی کیوں نہ ہو مگر دونوں کی حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

مثلاً ہمارا مقصود سوال کرنے سے جسم کو آرام پہونچانا ہوتا ہے جس کی تحریک نفس کی

خواہش سے ہوتی ہے اور حضرات صوفیہ کا سوال کرنا اکثر کتمان و خفا کی غرض سے ہوتا ہے کہ خلق میں ان کی سرداری کا اظہار نہ ہو اور نمود و شہرت سے محفوظ رہیں اور کبھی نفس کی گوشمالی اور اس کے تزکیہ کے واسطے سائلوں کی صورت میں اس لباس حقارت کو اختیار فرماتے ہیں۔

اور ارباب طریقت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ منازل سلوک میں ایک حالت ہے جو اکثر سالکین پر طاری ہوتی ہے اور اس کا اقتضا یہ ہوتا ہے کہ طبیعت میں خاص قسم کی رعونت کے آثار پائے جاتے ہیں جس کی اصلاح کا مفید طریقہ یہی ہے کہ جب تک وہ کیفیت رہتی ہے بقدر ضرورت سوال کرتے ہیں اور جب وہ حالت سکون و جمعیت سے مبدل ہو جاتی ہے تو پھر بدستور کفالت رب العزت جل جلالہٗ پر قناعت کرتے ہیں۔

جیسا کہ ابراہیم ادھم علیہ الرحمۃ کی مقدس سیرت میں منقول ہے کہ ایک زمانہ میں بخیال لقمۂ حلال آپ نے کسب بھی کیا۔ اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ جامع بصرہ میں معتکف ہوئے تیسرے روز شب افطار میں دروازوں پر جا کر سوال کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ حالت جمعیتِ خاطر سے بدل گئی اور اعانت رب العزت پر توکل کیا اور استعانت خلق سے قطعی احتراز فرمایا۔

اسی طرح ابو جعفر حداد علیہ الرحمۃ جو حضرت جنیدؒ کے استاد تھے۔ چند روز کے واسطے ان کی بھی یہی حالت ہو گئی تھی کہ دوسری تیسری شب کو عشا کے بعد حجرہ سے نکلتے تھے اور بقدر احتیاج سوال کرتے تھے مگر پھر بدستور وہی صورت اختیار کی اور عطائے غیبی پر قناعت فرمائی۔

علیٰ ہذا حضرت ابو سعید خراز علیہ الرحمۃ نے بھی کچھ روز یہی کیا کہ جب محتاج ہوتے تو ہاتھ پھیلا کر یا بنی اللہ فرماتے تھے لیکن جب حالت سکون سے مبدل ہو گئی تو پھر گوشۂ قناعت اختیار فرمایا۔ اور استعانت مخلوق کو حرام سمجھا۔

ان تمثیلات سے نمایاں طور پر ظاہر ہو گیا کہ حضرات صوفیہ کا بلحاظ اصلاح نفس و

مقتضائے حال طلب رزق کے لئے کسب کرنا مثل ہمارے کسب کے ہے اور نہ ان کا عارضی طور پر سوال کرنا ہمارے سوال کے مانند ہے بلکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں رضائے مطلوب حقیقی کے واسطے کرتے ہیں یا بطور تازیانۂ نفس عمل میں لاتے ہیں۔

لیکن بادی النظر میں اس مسئلہ کا خلاصہ مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ توکل چونکہ بہت بڑا روحانی مرتبہ ہے اور چند مدارج پر منقسم ہے جس کی صراحت بکمال وضاحت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں کی ہے اس واسطے لازم ہوا کہ متوکلین کے حالات وکیفیات بھی حسب درجات مختلف ہوں اس وجہ سے بعض حضرات بجہت حال طلب رزق کے لئے توسل اور اسباب بھی اختیار کرتے ہیں اور کسب کو سبب بناتے ہیں۔

اور بعض اہل جمعیت اور صاحب حال جن کی قوت اختیار یہ قضاو قدر کی قوت کاملہ کے سامنے فنا ہو چکی ہے وہ کفالت حق تعالیٰ پر اکتفا فرماتے ہیں اور یہ اہل یقین نہ کوئی سبب پسند کرتے ہیں اور نہ ماسوے اللہ سے استعانت چاہتے ہیں جب اور جس قدر مسبب الاسباب ان کو رزق پہنچاتا ہے اس کو بغیر کسی اعراض کے تسلیم کرتے ہیں۔

بلکہ علاوہ ان کے وہ متوکلین جو مقام اعلیٰ وارفع سے سرفراز ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ نہ خلق کی امداد واستعانت چاہتے ہیں اور نہ خالق سے روزی مانگتے ہیں۔ جیسا کہ حضور قبلۂ عالم نے بعض مسترشدین سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ فقیر وہ ہے جو سات فاقوں کے بعد بھی خدا سے نہ مانگے۔ اور یہی مضمون حافظ شیراز کے شعر کا ہے۔

نیست در دائرۂ یک نقطہ خلاف از کم وبیش   کہ من ایں مسئلہ بے چوں وچرا می بینم

اس توکل اعلیٰ کی تعریف یہ ہے کہ جو خدا شناس اپنے علم وارادہ کو ذات حضرت واجب الوجود کے علم وارادہ کے سامنے محو کرتے ہیں اور بتصدیق کامل کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ علم الٰہی جو بے پایاں اور غیر محدود ہے۔ ہمارے مصالح ہم سے بہت زیادہ جانتا ہے اس لئے ان کا یقین کامل سوال کرنے سے ان کو مستغنی کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت خلیل اللہ نے فرمایا کہ حَسْبِیْ عَنْ

سُوَالِی عِلْمُہٗ بِحَالِیْ" یہ مرتبہ عاشقانِ خدا اور فقرائے باصفا کا ہے بمصداق اَلْفَقِیْرُ لَا یَحْتَاجُ اِلَی اللہِ۔ اصطلاح صوفیہ میں ان متوکلین کو اصحاب فتوح کہتے ہیں کیونکہ رزق ان کا فتوحات غیبی پر منحصر ہے۔

ذکر اسم ذات

الغرض یہ مسلمہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے بصورت امر یہ ہدایت بطور تعمیم فرمائی کہ "محبت کرو" اور منہیات میں ارشاد ہوا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ" اور تھوڑی صراحت سے معلوم ہو گیا کہ ہدایت اول الذکر جملہ اخلاق حسنہ کی اصل اور فرمان ثانی صفاتِ ذمیمہ کا قامع ہے مگر یہ دونوں ہدایتیں احکام شریعت و طریقت کے مطابق اور مذہب و مشرب کے موافق اور ہمارے عادات و معاملات کی درستگی کے واسطے کافی اور بس ہیں اور اس وجہ سے ہیں نے یہ دونوں فرمانِ وارثی کسی قدر وضاحت سے نقل کئے کہ جملہ غلامان بارگاہ وارثی کو بغیر کسی ذاتی و صفاتی امتیاز کے ان کی تعمیل لازمی ہے۔ مگر تاہم اس کا بھی ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ ان ہدایات کے دیگر اذکار و اشغال کی نسبت سرکار عالم پناہ نے ہم کو کیا حکم فرمایا ہے؟

چونکہ طریق حضرات صوفیہ میں قدیم دستور ہے کہ شیخ اپنے مسلک کی مناسبت سے مسترشدین کو ذکر و اشغال تعلیم فرماتا ہے۔ چنانچہ ہمارے حضور قبلۂ عالم کے ہدایات و ارشادات کا بھی وہی انداز ہے کہ جملہ احکام عشق و محبت سے وابستہ ہیں۔ جیسا کہ ہر دو ہدایات مذکورہ کا مضمون ہے کہ پہلی ہدایت میں صاف صاف محبت کی تلقین ہے۔ دوسرا حکم ترک سوال کا ہے کہ ماسوا اللہ سے مستغنی ہونا اور کفالت معبود حقیقی پر اکتفا کرنا۔ عاشقوں کا عین مشرب ہے لیکن فرق یہ ہے کہ جس طرح دیگر سلاسل میں اذکار و اشغال کے قواعد مقرر ہیں اسی طرح مشرب عشق کی یہ خصوصیت ہے کہ اہل محبت کی ریاضت و مجاہدت کا کوئی خاص قاعدہ معین نہیں ہے بقول ؎

مذہب عشق از ہمہ دینہا جدا است　　　عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

چنانچہ حضور قبلۂ عالم نے متواتر فرمایا ہے کہ "محبت میں انتظام نہیں" اور ظاہر ہے

کا انتظام کیونکر ہو۔ جب کہ قلب میں سوزِ محبت جاگزیں ہوا۔ اور دل مضطرب اور بے قرار رہنے لگا تو پھر تنظیم سے کیا سروکار۔ بلکہ خیال یار میں جس وقت اور جس طریقہ سے اور جس زبان میں چاہتے ہیں اہل محبت مطلوبِ حقیقی کا ذکر کرتے ہیں اور ان کا ذکر کرنا شاہدِ بے نیاز کو پسند بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے اس چرواہے کا قصہ لکھا ہے جو بہ ہزار سوز و گداز زبانِ حال سے شاہدِ بے نیاز کے ذکر میں مصروف تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تہدید سے خاموش ہو گیا اور جس کے سکوت کا یہ اثر ہوا کہ

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا　　　بندۂ ما را ز ما کردی جدا

اور اگر اہل محبت کے ذکر کا کوئی قاعدہ بظاہر مقرر بھی ہے تو وہ نہایت مستند اور ہر شخص کے واسطے بہ حیثیت مساوی مفید بھی ہے اور لطف یہ کہ اس قاعدہ سے بغیر ارادہ اور اہتمام کے ذکر خود بخود ذاکر کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ اس قاعدہ کی تعلیم وہی ہے جس کی خبر حضرت مخبر صادق تیرہ سو برس پہلے دے چکے ہیں کہ "مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ" یعنی اہل محبت کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ عاشق نیاز ہمیشہ اور ہر حال میں شاہدِ بے نیاز کے نام نامی کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

پس حضور قبلۂ عالم کی عنایت سے جب ہم کو یہ ہدایت ہو چکی کہ محبت کرو جس کو کلیتہً قلب سے تعلق ہے تو اسی مناسبت سے ہمارے واسطے ریاضت تجویز ہوئی جس کو روح سے سروکار ہے یعنی مختلف عنوان سے ارشاد ہوا کہ اسم ذات کا ورد کرو۔ کیونکہ محب کا فرض عین ہے کہ خیال یار میں مصروف رہے۔ اس واسطے وظیفہ بھی ہم کو "اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ" کی رعایت سے بتایا گیا کہ مطلوبِ حقیقی کا نام لیا کرو۔

چنانچہ مزاجِ ہمایوں کا یہی انداز تھا کہ کسی طالب نے جب تعلیم اوراد کی استدعا کی تو اکثر آپ نے یہ فرمایا ہے "اللہ اللہ کیا کرو"۔ اور اکثر بطور صراحت یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ جس طرح بندوں کو روزی پہنچانا اللہ کی شانِ ربوبیت ہے اسی طرح اللہ کے نام

کہ ذکر ذات بندوں کا اظہار عبودیت ہے چنانچہ جملہ حضرات صوفیہ کا اتفاق ہے کہ ذکر اسم ذات افضل الاذکار ہے جیساکہ شیخ ابوالعباس مرسی علیہ الرحمۃ اپنے اصحاب کو اسم ذات کے ذکر کی تاکید کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ ذکر سلطان الاسماء ہے اور اس کے لئے بساط اور ثمرہ ہے. بساط اس کی علم ہے اور ثمرہ نور ہے۔

بلکہ دیکھا جائے تو حضور قبلۂ عالم کی یہ ہدایت بالمعنی جامع تھی. کیونکہ جس طرح خواص کے واسطے مفید تھی اسی طرح عام مریدین کے لئے سودمند تھی. مثلاً وہ طالب جن کے دل میں شوقِ وصالِ الٰہی نے اپنا گھر بنانے کے واسطے ابھی بنیاد ڈالی ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ ایسا مسافر راہ سلوک جس نے اس وادی دشوار گزار کی پہلی منزل طے کرنے کے لئے ہنوز کمر باندھی ہے اس کو اگر یہ ہدایت ہوئی تو وہ اسم ذات کا زبانی ورد کرتا تھا اور وہ خوش نصیب جن کے قلوب کو خدا نے صلاحیت واستعداد مرحمت فرمائی تھی۔ ان کے واسطے اسم ذات کا ذکر بالجہر تجویز ہوتا تھا اور جن کی طلب پختہ اور شوق مستقل ہوتا تھا وہ حسب قاعدہ پاس انفاس کیساتھ ذکر اسم ذات کے عامل ہوتے تھے۔

چنانچہ حضرات محققین نے اس میں طویل بحث کی ہے کہ طالب کے لئے ذکر بالجہر بہتر ہے یا بالخفی اور تصفیہ یہ فرمایا ہے کہ ذکر کا طریقہ ذاکر کی حالت پر موقوف ہے جس کی تصریح شیخ محمد ابوالمواہب شاذلی علیہ الرحمۃ نے یہ کی ہے کہ جو طالب مبتدی ہے اس کے لئے ذکر بالجہر مفید ہے "وَالذِّکْرُ سِرًّا اَنْفَعُ لِمَنْ غَلَبَتْ عَلَیْہِ الْجَمْعِیَّۃُ" یعنی جس پر جمعیت غالب ہو اس کے واسطے خفی بہتر ہوگا۔

اور ابوالحسن بن حبان علیہ الرحمۃ نے جن کا مصر کے مشاہیر صوفیہ میں شمار ہے فرمایا کہ "ذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی بِاللِّسَانِ یُوْرِثُ الدَّرَجَاتِ وَذِکْرُہٗ بِالْقَلْبِ یُوْرِثُ الْقُرُبَاتِ" کہ زبان سے ذکر الٰہی کرنا درجات پیدا کرتا ہے اور قلب سے اس کا ذکر کرنا قربت پیدا کرتا ہے۔

ذکر اسم ذات جلالی

اور بعض طالبین کو حضور قبلۂ عالم نے ذکر اسم ذات جلالی طریقہ سے تعلیم فرمایا یعنی اللہ کی ہا کو پیش کے ساتھ اس طرح پڑھا جائے کہ جس سے داؤ کا اظہار ہو۔ چنانچہ واقعہ ہے کہ شاہ شاکر صاحب کو جو قدیم تہبند پوش ہیں حضور نے اللہُ ہُو جب تعلیم فرمایا تو انھوں نے یہ عرض کیا کہ اس کی تعمیل بالجہر کروں یا بالخفی آپ نے اس کی یہ تصریح فرمائی کہ تنہائی محض یا صحرا ہو تو بالجہر کرنا اور ہر وقت خفا کے ساتھ۔

ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم نے اپنے ایک تہبند پوش کو ذکر اللہُ ہُو تعلیم فرمایا۔ دوسرے مرید نے بھی جو اسی جلسہ میں موجود تھا استدعا کی آپ نے اس کو ذکر اسم ذات کا حکم دیا اور پاس انفاس کا قاعدہ بتایا اس نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ ذکر اللہ ہو کا مجھکو بھی حکم ہو۔ آپ نے فرمایا تمہارے واسطے یہی مناسب ہے۔

غرض مختلف صورتوں میں آپ نے اسم ذات کی تعلیم فرمائی۔ لیکن نسبتاً ان غلاموں کی تعداد زیادہ ہے جو ذکر اخفا کے ساتھ کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور قبلۂ عالم نے متواتر فرمایا ہے کہ "عاشق وہ ہے جس کی کوئی سانس خالی نہ جائے۔" بلکہ آپ کے فقیر حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے بطور یادداشت زبان بھاشا میں اس کو یوں نظم فرمایا ہے۔

اوگھٹ چیلا وہی گنی جو اپنی سدھ بسرائی   دھیان دھرے اور گیان رکھے اور سانس خالی جائے

بلکہ دیگر مشاہیر صوفیہ نے بھی شمار انفاس کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ شیخ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں "اَفْضَلُ الْاَشْیَاءِ عِنْدَھُمْ عَدُّ الْاَنْفَاسِ" کہ اہل تصوف کے نزدیک سب سے افضل شمار انفاس ہے اور شیخ احمد بن الحسین رفاعی علیہ الرحمتہ کا قول ہے کہ "اَنْ یَرٰی کُلَّ نَفَسٍ مِنْ اَنْفَاسِہٖ اَعَزَّ مِنَ الْکِبْرِیْتِ الْاَحْمَرِ" کہ سانس کو سرخ گندھک سے زیادہ قیمتی سمجھے۔ اور حضرت بوعلی شاہ قلندر علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:۔

پاس دار انفاس اے اہل خرد   تا ازیں قافلہ منزل برد

ہوش در دم دار اے مرد خدا   یک نفس یک دم مباش از حق جدا

چوں شوی فانی تو از ذکر خدا ۔ راہ یابی در حریم کبریا

فی الحقیقت ذکر اسی شان سے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ذکر نسیان کی ضد ہے اور اسی وجہ سے عین عبادت ہے اور جب عبادت میں سہو اور نقصان ہوا تو طالب صادق میں نقصان متصور ہوگا اور یاد مطلوب میں نقصان محبت کے منافی ہے اسی لحاظ سے حضور قبلۂ عالم نے شمار انفاس کی ہدایت فرمائی جس کو محبت سے کامل نسبت ہے۔

چونکہ باعتبار دیگر اذکار کے اسم ذات کے ذکر میں کسی قدر تعمیم ہے اس لئے میں نے اس کا تذکرہ کیا کہ اگر اس کو عام ہدایت کہا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جیسی جس کی طلب اور استعداد تھی اس کو اسی لحاظ سے ہدایت ہوئی ورنہ کسی کو نفی و اثبات کا حکم ہوا۔ اور کسی کو صرف اثبات کی تعلیم ہوئی اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اکثر قدیم حلقہ بگوش اسم حق کا ذکر کرتے تھے اور ان میں بھی بعض کو بالخفی اور بعض کو بالجہر کا حکم تھا اور پھر بالجہر میں فرق تھا۔ بعض اسم حق کو باہر کی سانس میں اعلیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے جیسا کہ معصوم شاہ صاحب وارثی جن کا زیادہ قیام دہلی میں رہتا تھا ان کے ذکر کا یہی طریقہ تھا اور ضلع بارہ بنکی کے متوطن عبداللہ شاہ صاحب وارثی جن کا لقب حق شاہ ہو گیا تھا وہ بھی اسی صورت سے حق کا ذکر کرتے تھے اور بعض فقرائے وارثی کی ضرب فضائے قلب سے تعلق رکھتی تھی۔ جیسی ولی شاہ وارثی انصاری جن کا امروہہ میں مزار ہے ان کی ضرب اس شدومد کے ساتھ فضائے قلب پڑتی تھی کہ ایک قسم کی آواز آتی تھی اور سامعین کے قلب بے چین ہو جاتے تھے۔

ذکر درود شریف

علیٰ ہذا جس طرح غلامان بارگاہ وارثی کو ذکر اسم ذات کی عام ہدایت ہوئی اسی طرح حضور قبلہ عالم نے ذکر درود شریف کی بھی متواتر ہدایت فرمائی اور چونکہ یہ فرمان اکثر صادر رہا اس لحاظ سے اگر اس کو بھی حکم عام کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا کیونکہ گاہے مریدین کی استدعا پر اور گاہے بہ نظر پرورش سرکار عالم پناہ نے خود مسترشدین سے فرمایا کہ درود شریف پڑھا کرو لیکن طالبین کی حالت اور استعداد کو ضرور ملحوظ رکھا۔ جس کا اظہار

آپ کے احکام سے نمایاں طور پر ہوتا ہے

مثلاً کسی ارادتمند سے فرمایا کہ بعد فرائض کے درود شریف پڑھا کرو" کسی سے فرمایا کہ پابندی کے ساتھ درود شریف پڑھنا بہتر ہوگا۔ کسی کو حکم دیا کہ ادب اور تزئیل کے ساتھ درود شریف کا ورد کرو۔ کسی کے واسطے وقت کا بھی تعین فرمایا۔ اور ارشاد ہوا کہ آخر شب میں درود شریف کا پڑھنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ کسی کے لئے وقت کے ساتھ تعداد کی شرط بھی لازم گردانی۔ چنانچہ مولوی سید محمد یوسف صاحب وارثی مختار بانکی پور سے آپ نے فرمایا کہ آخری کام روزانہ یہ ہو کہ سوتے وقت سو مرتبہ درود محبت کے ساتھ پڑھ لیا کرو۔ کسی حلقہ بگوش کو یہ حکم ہوا کہ ہر وقت درود شریف پڑھا کرو مگر باوضو اور بغیر کسی غرض کے۔

اور اگر کسی نے عرض کیا کہ کس درود شریف کا ورد کروں تو اس کے لئے آپ نے تصریح بھی کردی لیکن اکثر آپ نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

میرے والد ماجد کہتے تھے کہ بیعت لینے کے بعد پہلی ہدایت مجھ کو یہ فرمائی کہ محبت کرو اور جب سفر حجاز سے واپس تشریف لائے تو ایک روز بکمال پرورش یہ فرمایا کہ کیا حال ہے میں نے عرض کیا کہ حضور کا کرم ہے مگر قلب سوز محبت سے گداز ہو۔ اس کے لئے ایک نظر عنایت کی ضرورت ہے ارشاد ہوا کہ تہجد کے بعد غسل کرو اور عطریات سے معطر ہو کر تصدیق کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ یہ درود پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ ۔ برزخ قائم ہوجائے گی۔ لیکن پھر دنیا کے کام کے نہ رہو گے۔ اور حضرت مولانا علیہ الرحمتہ کا تبسم فرما کر یہ شعر پڑھا۔

ہر کرا باشد زیزداں کار و بار | یار آنجا یافت بیروں شد ز کار

ایک حاجت مند مرید نے اپنی حالت کا اظہار کیا۔ حضور قبلۂ عالم نے فرمایا کہ شب کو دو رکعت نماز نفل کے بعد درود تاج پڑھ کر سو جایا کرو مگر ہر رکعت میں سات

مرتبہ سورۃ تکاثر پڑھنا اور صبر کی استدعا کرنا۔

بادی النظر میں یہ طریقۂ تعلیم بہت سادہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت تعلیم کو دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عام مریدین کے لئے بھی درود شریف کی تعلیم خصوصیت سے خالی نہیں ہوتی تھی کیونکہ علاوہ فیضان باطنی کے حضور قبلۂ عالم ذاکر کی استعداد کے لحاظ سے ایسی شرط تعلیم میں ضرور شریک فرماتے تھے جس کو روحانیت سے تعلق اور محبت سے سروکار ہوتا تھا جس کا سبب یہ تھا کہ آپ مجتہد فی طریق العشق تھے اس لئے آپ کی کوئی ہدایت ایسی نہیں ہے جس کو محبت سے کافی نسبت نہ ہو۔

خصوصاً درود شریف تو کلیتہً محبت ہے جیسا کہ صاحب تفسیر عرائس البیان نے جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ میں لکھا ہے کہ قَالَ ابْنُ عَطَاءٍ اَلصَّلٰوۃُ مِنَ اللّٰہِ وَصْلَۃٌ وَمِنَ الْمَلٰئِکَۃِ رِفْعَۃٌ وَمِنَ الْاُمَّۃِ مُتَابَعَۃٌ وَمَحَبَّۃٌ "

یعنی صلوٰۃ من اللہ کی حقیقت اس کا وصل ہے اور صلوٰۃ ملائکہ کی تعریف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفعت کا اظہار ہے اور جب امت کی طرف سے درود پیش ہوگا تو آپ کی متابعت اور محبت مقصود ہوگی۔

ابن عطا کے اس قول سے واضح ہو گیا کہ ہمارے ہدیۂ درود کی ماہیت یہ ہے کہ ہم بہ ہزار عجز و نیاز بارگاہ رسالت میں متابعت اور محبت کی درخواست کرتے ہیں لہذا عقلاً و نقلاً زبانی استدعا متابعت و محبت کے واسطے کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ہماری یہ درخواست زبان قلب سے ہو۔ کیونکہ متابعت اور محبت کو قلب سے تعلق اور روح سے سروکار ہے۔

قرینہ ہے کہ اسی اعتبار سے ہمارے سرکار عالم پناہ نے لازمی گردانا کہ ذاکر درود شریف کی حیثیت و استعداد کے لحاظ سے گو اس کی ابتدائی حالت کیوں نہ ہو مگر ذکر لسانی کے ساتھ قلبی و روحی مشارکت بھی ضرور ہو اور جس قدر ذاکر کی استعداد میں ترقی ہو۔

اسی قدر روحی مناسبت زیادہ ہوتی جائے۔

اور اگر یہ خیال ہو کہ متابعت اور محبت میں تفاوت ہے کہ محبت کیفیت قلبی ہے اور متابعت، جوارح کا فعل ہے جس کے لغوی معنی پیروی کے ہیں اس مغائرت سے دونوں کی ایک تعریف اور ایک حیثیت نہیں ہو سکتی۔

اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ اتباع کے معنی پیروی کرنا ضرور ہیں۔ لیکن پیروی مخصوص بہ جوارح بھی نہیں ہے۔ قلب سے خیال سے بھی پیروی ہو سکتی ہے۔ مگر نظر غائر سے دیکھتے ہیں تو متابعت کو قلب سے قطعی نسبت ہے۔ کیونکہ متبع ہمیشہ وہی فعل کرتا ہے جو اس کو مرغوب ہوتا ہے۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ رغبت قلب کا فعل اور محبت کا نتیجہ ہے اس لئے بغیر محبت رغبت محال ہے۔ اور بے رغبت متابعت ناممکن ہے۔ اس لحاظ سے متابعت اور محبت بالمعنی مرادف ہیں اور دونوں کا ایک حکم ہوگا اور بجائے مغائرت کے یگانگت ثابت ہوتی ہے۔

قطع نظر اس کے محققین حضرات صوفیائے کرام نے متابعت کے وہی معنی بیان کئے ہیں جو محبت کے ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ۔ طبقات الکبریٰ کی جلد ثانی صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ نے جو سلسلہ شاذلیہ کے شیخ الطائفہ تھے فرمایا ہے۔ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَقِيْقَةُ الْمُتَابَعَةِ فَقَالَ رُؤْيَةُ الْمَتْبُوْعِ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ وَمَعَ كُلِّ شَيْءٍ وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ

ترجمہ۔ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ متابعت کی حقیقت کیا ہے۔ فرمایا کہ ہر شے کے نزدیک اور ہر شے کے ساتھ اور ہر شے میں متبوع کو دیکھنا۔

اور یہی تعریف محبت کی ہے کہ "يُحْرِقُ مَا سِوَى الْمَحْبُوْبِ"۔ کہ بجز محبوب کے ہر شے کو جلا کر فنا کر دیتی ہے یعنی اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ پس ایسے جلیل القدر محدث کی کتاب سے اور ایسے مقدس اور کبیر الشان صوفی کا قول۔ وہ بھی ان کا ذاتی اجتہاد

نہیں، بلکہ رسول اللہ کی تعلیم کردہ حقیقت متابعت جب معلوم ہو گئی تو اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ متابعت اور محبت کا ایک حکم نہیں۔ بلکہ واقعی متابعت اور محبت کی وہی تعریف ہے جو ابن عطاؒ نے بیان کی۔

علیٰ ہذا صاحب تفسیر عرائس البیان فی حقائق القرآن نے آیہ کریمہ "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" (الآیۃ) کے تحت میں صلوٰۃ من اللہ و صلوٰۃ ملائکہ کی تعریف کے بعد صلوٰۃ امت کی نسبت لکھا ہے کہ "صَلٰوۃُ الْاُمَّۃِ عَلَیْہِ مُتَابَعَتُہُمْ وَمَحَبَّتُہُمْ اِیَّاہُ وَالثَّنَاءُ عَلَیْہِ بِالذِّکْرِ الْجَمِیْلِ" کہ صلوٰۃ امت یہ ہے کہ آپ کی متابعت اور محبت میں خوبصورت عنوان سے رسول اللہ کا ذکر کریں۔

ہماری درود خوانی کی صاحب عرائس البیان نے جو حقیقی تعریف لکھی ہے وہ اور محبت کی تعریف جو حضرت خاتم الرسالت نے فرمائی ہے بالمعنی ایک ہے بمصداق "مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ"۔

سا اسی لحاظ سے حضور قبلۂ عالم نے ذکر درود شریف کی تعلیم اسی طریق سے فرمائی جس کو روحانیت سے تعلق اور محبت سے نسبت تھی تاکہ ذکر درود شریف کو بقدر امکان قلب سے سروکار رہے۔

بلکہ بعض طالبین کو ذکر درود شریف جلالی قاعدہ سے بھی تعلیم فرمایا چنانچہ شیخ محمد حسین صاحب متوطن مضافات رائے بریلی جو آپ کے قدیم حلقہ بگوش تھے ایام میلہ کاتک میں حاضر خدمت ہوئے اور جب حضور قبلۂ عالم نے رخصت کیا۔ اور خادم نے ان کو شیرینی اور چادر دی تو موصوف نے قدمبوس ہو کر عرض کہ یہ تبرک تو ہمیشہ ملا۔ مگر آج پنجتن پاک کے نام پر وہ چیز مرحمت فرمائیے کہ دین و دنیا کی خواہش نہ رہے آپ نے تبسم لبوں سے فرمایا اچھا۔ اور ذکر درود شریف تعلیم فرما کر ارشاد ہوا کہ ہر وقت چہرہ نقاب میں رہے اور جو گزرے وہ زبان پر نہ آئے۔

اور فیروزآباد ضلع آگرہ میں مولوی عبدالستار وارثی کو بھی حضور قبلۂ عالم نے ذکر درود شریف جلالی قاعدہ سے تعلیم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جنگل میں رہا کرو۔ کچھ عرصہ کے بعد جب حضور پھر فیروزآباد تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ اب مولوی صاحب جنگل ہی میں رہتے ہیں، اور مغلوب الحال ہو گئے ہیں۔ آپ نے بلا کر مولوی صاحب کو ایک تہبند دیا اور فرمایا تم مدینہ منورہ چلے جاؤ۔ فاقہ بھی ہو تو سوال نہ کرنا۔ اور وہیں مرجانا۔

اور یہ تو مشہور واقعہ ہے کہ عبدالصمد ساکن قصبہ مسولی ضلع بارہ بنکی نے استدعا کی کہ جلالی قاعدہ سے ذکر درود شریف مجھکو بتا دیجئے اور حضور کی بندہ نوازی تھی کہ اس کی درخواست منظور فرمائی۔ لیکن تین یا چار روز کے بعد جب مشاہدات کی تاب نہ ہوئی تو خائف ہو کر چھوڑ دیا۔ حضور نے سنا تو فرمایا، کم ظرف تھا ورنہ انسان ہوجاتا۔

اسی طرح ایک مرتبہ فصیحت شاہ صاحب وارثی جو افکار و اشغال سے بخوبی آگاہ تھے حضور قبلۂ عالم کا تخاطب دیکھکر تازہ تعلیم کے مستدعی ہوئے ارشاد ہوا کہ رات کو پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو۔ مجھکو خیال ہوا کہ یہ باخبر فقیر ہیں ان کو ضرور جلالی قاعدہ سے تعلیم ہوگی۔ مگر چونکہ تعداد زیادہ تھی اس وجہ سے عرض کیا کہ حضور تعداد زیادہ ہے فرمایا کہ اچھا سو مرتبہ پڑھا کریں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس کا بھی شاید تحمل نہ ہو۔ اس وقت حضور نے فرمایا کہ جلالی قاعدے سے نہیں بتایا جاتا ہے اور فصیحت شاہ سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ تم پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو اور جو شغل تمہارا ہے اس کو قائم رکھو۔

لیکن اکثر آپ نے یہ فرمایا ہے کہ بغیر محبت کے ذکر سے کچھ نہیں ہوتا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اسی ذکر سے فائدہ ہوتا ہے جو بے غرض ہوتا ہے"

ان ارشادات سے ظاہر ہوگیا کہ ریاضت بغیر محبت بے سود ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مشرب محبت میں اصول ریاضت یہ ہے کہ بجز رضائے مطلوب جملہ خواہشات سے بےغرض

اور تمامی مرادات سے بے واسطہ رہنا لازمات سے ہے۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمتہ

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق   چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

خلاصہ یہ کہ غلامانِ وارثی کو اذکار و اشغال کی ابتدائی تعلیم بھی جو ہوئی۔ وہ بھی روحانیت سے خالی نہ تھی اور وہ تعلیم جس کا ہم کو فخر و ناز ہے اور جو حضور قبلہ عالم کی توجہ خاص سے ہوئی ہے جس میں ہماری سعی اور کوشش کو کچھ دخل نہیں۔ اس کا ذکر نہ احاطۂ تحریر میں آسکتا ہے اور نہ تقریر اس کا اظہار کر سکتی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ گونگے کا خواب ہے کہ دیکھا سب کچھ مگر بیان نہیں کر سکتا۔ سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ۔ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ۔

صفات تصور پس جس طرح حضور قبلۂ عالم نے ارادتمندوں کو ذکر اسمائے الٰہی کی مختلف طریقوں سے ہدایت فرمائی اسی طرح وہ اشغال جن کو محبت سے قطعی تعلق تھا اپنے غلاموں کو بکمال شفقت تعلیم فرمائی جن کی تفصیل اگرچہ بصراحت نگارش ہو تو طوالت کا خوف ہے اس لئے بعض اشغال کا مختصر لفظوں میں ذکر کرتا ہوں۔

محققین ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ جو نوعیت اہل محبت کے ذکر کی ہے کہ ان کی محبت کا جزو مقتضا ہوتا ہے وہی شان ان کے شغل کی ہوتی ہے کہ نہ تعلیم کی حاجت نہ تربیت کی ضرورت، ان کا وفور شوق ان کو خیالِ یار میں ہر وقت مصروف و مشغول رکھتا ہے۔

چنانچہ صاحب طبقات الکبریٰ لکھتے ہیں کہ ابو حمزہ بن ابراہیم بغدادی علیہ الرحمتہ سے ان کے اصحاب نے دریافت کیا یَتَفَرَّغُ الْمُحِبُّ لِشَیْءٍ سِوَی الْمَحْبُوْبِ فَقَالَ لَا۔ یعنی محب کو محبوب کے سوا اور کسی چیز کے خیال کی فرصت بھی ملتی ہے۔ فرمایا نہیں اور شیخ منصور بطائیحی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ "اَلْمُحِبُّ لَمْ یَزَلْ سُکْرَانَ فِیْ خُمَارِہٖ حَیْرَانَ فِیْ شَرَابِہٖ" یعنی محب ہمیشہ اپنے خمار میں سرشار اور شراب میں حیران رہتا ہے۔

اہل محبت کی اسی حالت کا نام اصطلاح صوفیہ میں شغل بے شغلی ہے اور ان کی اسی کیفیت کا ضمیمہ ہے جس کو عرف عام میں تصور کہتے ہیں چنانچہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے اکثر

مسترشدین کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ "یار تک پہنچنے کا آسان راستہ تصور ہے" اور یہ بھی متواتر ارشاد ہوا ہے کہ ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ ہے اور اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا ہے کہ جو صورت تمہارے ساتھ یہاں ہوگی وہی مرتے وقت اور وہی حشر میں تمہارے ساتھ رہیگی اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ جس کے تصور میں مروگے قیامت کے روز اسی صورت کو دیکھوگے۔

ان ملفوظات میں تصور مطلوب کی ایسی بشارتوں کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے کہ جن کے خیال سے ہر فرد بشر متاثر ہوتا ہے اور باوجود اختصار کے یہ چھوٹے چھوٹے جملے جامع اور وسیع المعنی بھی ایسے ہیں جن کی تشریح دلچسپی سے خالی نہ ہوتی، مگر طوالت کے خوف سے اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ یہ ارشادات فی الحقیقت غیر معمولی انعامات ہیں اور واقعی حصول مرادات کا اسی بے نظیر شغل پر انحصار ہے اور طالب صادق کو اسی ایک شغل کی مزاولت مرید سے مراد اور انسان سے انسان کامل بنا سکتی ہے۔

ہمارے حضور قبلۂ عالم کی یہ شانِ دستگیری ہے کہ اپنے ارادت مندوں سے ایک شغل کی عوض میں ایسے ایسے مہتم بالشان اور گراں قدر وعدے فرمائے جو ہماری امید سے بہت زیادہ ہیں۔ اور دارین میں ہمارے فخر و مباہات کے واسطے کافی اور بس ہیں۔

زہے قسمت ان کی جو اخوان ملت سرکار عالم پناہ کی اس زریں ہدایت پر عمل کرتے ہیں اور اس دولت سرمدی کے حاصل کرنے میں ساعی اور کوشاں رہتے ہیں۔

اور وہ خوش نصیب تو بہت بڑے عالی ظرف ہیں جن کے گوشہ قلب میں ہر زماں محبوب جلوہ فرما ہے واللہ ان کی زندگی بھی بے بہا زندگی ہے اور ان کا مرنا بھی حیات جاوید ہے اور روز نشور بھی ان کے لئے شب وصل سے بہتر ہوگا کہ میدانِ حشر میں تصور مطلوب سے ہمکنار آئیں گے اور آج بھی انھیں شایاں ہے کہ باواز بلند یہ کہہ سکتے ہیں۔

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ   من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل

حضرات عارفین نے تصور شیخ کے صفات و برکات نہایت شرح و بسط کے ساتھ نقل

فرمائے جن کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طالب صادق کو محبت کی دشوار گزار گھاٹیوں سے یہی برزخ شیخ خضر راہ بن کر جوار شاہد حقیقی تک پہنچاتی ہے اور یہی تصور پر اسرار حقیقت سے خبردار کرتا ہے جس کا اقرار حافظ شیراز علیہ الرحمۃ بھی صاف الفاظ میں فرماتے ہیں۔

ہر دم از روئے تو نقشے زندم راہ خیال　　　با کہ گویم کہ دریں پردہ چہا می بینم

علی ہذا حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے بھی مفاد تصور کے سلسلے میں یہی نقل فرمایا ہے کہ صورت منصورہ حشر میں ظاہر ہوگی اور ہمارے فہم کے لائق تمثیل یہ تحریر فرمائی ہے کہ جس طرح تخم زمین کے اندر پوشیدہ رہ کر آخر بشکل نخل ظاہر ہوتا ہے جو درحقیقت اس کی اصلی صورت ہے اسی طرح جو صورت آج مزرعۂ دل میں مخفی ہے وہ قیامت کے روز اپنی اصلی صورت پر نمایاں ہوگی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

آں خیالے از دروں آید بروں　　　چوں زمین کہ زاید از تخم دروں
ہر خیالے کو کند در دل وطن　　　روز محشر صورتے خواہد شدن ۲

اور دوسرے مقام پر مولانائے ممدوح نے مفاد تصور کی اور زیادہ وضاحت فرمائی ہے اور صاف لکھدیا ہے کہ جو صورت آج دلنشین ہوگی اسی صورت منصورہ کے ساتھ محشور ہونا لازمی ہے کہ۔

صورتے کاں بر نہادت غالب است　　　ہم براں تصویر حشرت واجب است

مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد مطابق اصول شریعت ہے کیونکہ حضرت بہترین عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَکَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ" کہ زندگی میں جو خیال رہیگا اسی میں مروگے اور جس خیال میں مروگے اسی خیال میں محشور ہوگے۔

اس مستند حدیث سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ اہل محبت کی موت صورت منصورہ کے ساتھ ہوتی ہے اور قیامت کے روز بھی صورت منصورہ کے ساتھ وہ محشور ہوں گے لیکن یہ ضرور ہے کہ تصور اگر صورت محمود کا ہے تو فائدہ اٹھائیں گے اور اگر شخص مذموم کا ہے تو اسی قدر

نقصان ہوگا۔

اور اس کو تصفیہ کہ خیال محمود اور تصور مذموم کا امتیاز کیونکر ہو اس کے واسطے حضرات صوفیائے کرام کی تصانیف کا مطالعہ کافی ہے جن کا ایک ایک ورق زبان حال سے منادی کر رہا ہے کہ دنیا میں پیشوائے کامل کے تصور سے بہتر کوئی خیال نہیں ہے اسلئے کہ خیال درحقیقت صحبت روحانی ہے اور مسلم ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے اور انہیں کیسا اثر کہ یک دم ہی صحبت کو بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا فرمایا ہے پس تصور شیخ جملہ موجودات کے خیال سے افضل ہے اور جب ہم ایسے سعید خیال کے ساتھ مریں گے اور اسی مقدس خیال کے ساتھ محشور ہوں گے تو ضرور سعادت ابدی نصیب ہوگی۔

بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی برزخ شیخ کی امداد سے ہم کو مفاد حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ عنایت اللہ صاحب تعلقدار سیدن پور کہ جو بارگاہ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش تھے اور حضور قبلہ عالم بھی ان کے حال پر خاص توجہ فرماتے تھے خدمت والا میں ملتمس ہوئے کہ تعلقات زمینداری ہمیشہ پیچیدہ رہتے ہیں لہذا کوئی اسم حلال مشکلات تعلیم ہو جس کا ورد کروں آپ نے متبسم لبوں سے فرمایا شیخ جی جب کوئی مشکل پیش آئے تو ہمارا تصور کیا کرو اور تصور کا قاعدہ تعلیم فرمایا۔ شیخ صاحب موصوف نے ہمیشہ اس ہدایت وارثی پر عمل کیا اور مشکلات اور مہمات میں ان کو اسی تصور شیخ کے تصرفات سے کامیابی ہوئی۔

ایک مرتبہ آپ کے تہبند پوش معصوم شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حسب ہدایت شب کو ذکر کرتا ہوں لیکن بعض روز یکسوئی نہیں ہوتی۔ فرمایا تصور کیا کرو۔ شاہ صاحب موصوف نے عرض کیا کس کا تصور کیا کروں۔ ارشاد ہوا جس کو زیادہ دوست رکھتے ہو۔ انھوں نے آپ کی جانب اشارہ کیا اور کہا میں اسی صورت کو زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ حکم ہوا اسی صورت کا تصور کیا کرو۔ خیال بھی پختہ ہو جائے گا اور یہی صورت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔

علی ہذا ایک مرتبہ مولوی محمد یحییٰ صاحب وارثی وکیل ورئیس عظیم آباد خدمت اقدس میں

حاضر ہوئے تو حضور نے بکمال شفقت فرمایا کہ مولوی صاحب تم تصور کیا کرو مولوی صاحب موصوف نے دست بستہ عرض کیا کہ کس کا تصور کروں اس وقت سرکار عالم پناہ نے حجاب آمیز تبسم کے ساتھ چہرہ اقدس پر دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ اسی صورت کا تصور کیا کرو۔

ایک مرتبہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب وارثی عرف فضلو میاں خوطن باکی پور نے عرض کیا کہ کچہری میں ملازم ہوں مگر افسر ناخوش رہتا ہے فرمایا جب اس کے سامنے جاؤ ہمارا تصور کرو۔ فضلو میاں کہتے تھے کہ میں نے اس ہدایت کی تعمیل کی۔ تین چار روز کے بعد اسی افسر نے میری ترقی کے واسطے رپورٹ کی اور ہمیشہ مجھکو اسی تصور کی برکت سے کامیابی ہوا کی۔

ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم نے ایک ہنود دست گرفتہ کو تصور کی ہدایت فرما کر رخصت کیا۔ اسی ہنگام میں فیضو شاہ صاحب خادم خاص نے عرض کیا کہ مجھکو بھی تصور کرنے کا حکم ہو۔ فرمایا ہر وقت قلب میں محبوب کی صورت دیکھنے کی کوشش کرو اگر محبت ہے تو برزخ قایم ہو جائے گی۔

ایک نو آموز حلقہ بگوش نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ بموجب ہدایت تصور کرتا ہوں لیکن کشف صورت کے ساتھ فوراً حجاب حائل ہو جاتا ہے حضور قبلۂ عالم نے فرمایا جب حجاب حائل ہو چند مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو۔ صورت قایم ہونے لگے گی۔

اور اکثر سرکار عالم پناہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عاشق کو ایک صورت کے سوا دوسری صورت کا دیکھنا حرام ہے لیکن قرینہ ہے کہ اس ارشاد کا روئے سخن ان باخبر ارادتمندوں کی جانب ہوگا جن کے قلوب سوز محبت سے گداز تھے کیونکہ یہ مرتبہ عشاق کا ہے کہ ماسوائے یار موجودات سے سروکار نہیں رکھتے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے تصور کا قاعدہ کیا تعلیم فرمایا اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ جس طرح ذکر اسم ذات کی تعلیم مختلف طور سے ہوئی اسی طرح حضور قبلۂ عالم نے اپنے غلاموں کی حالت و استعداد کے لحاظ سے تصور کی تعلیم بھی مختلف طریقہ

شغل سلطان الاذکار | معہذا حضور قبلۂ عالم نے اپنے مخصوص اور باخبر غلاموں کو شغل سلطان الاذکار بھی تعلیم فرمایا ہے۔ لیکن جس طرح تصور مطلوب کی ہدایت عام اور بلا کسی تخصیص کے جملہ مسترشدین کو ان کی استعداد کے اعتبار سے ہوئی وہ تعمیم شغل مذکور کی تعلیم میں نہیں ہے چند غلامان بارگاہ وارثی ایسے دیکھے ہیں جو شغل سلطان الاذکار کے صحیح معنی میں عامل تھے۔

لیکن شغل سلطان الاذکار کے صفات جس قدر ارباب طریقت کی تصنیفات میں منقول ہیں ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شغل جامع کمالات ہے اور اس کے چند مدارج ہیں اور درجہ آخر مخصوص مقربین بارگاہ حضرت احدیت کا مرتبہ ہے اور اسی شغل کا اصطلاح حضرات صوفیہ میں صوت سرمدی اور شغل بے شغلی بھی نام ہے اور فقرائے ہند کے محاورہ میں اسکو انحد کہتے ہیں۔

اس ممتاز شغل کی نوعیت اور حقیقت کو مشائخین عظام نے بکمال وضاحت نقل فرمایا ہے اور اسکی تعلیم کے قواعد نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح یہ شغل اپنی نوعیت میں یگانہ ہے اسی طرح اس کا عمل نہایت دشوار ہے اور زمانہ دراز کی جدوجہد اور مسلسل سعی اور کوشش سے شاغل اس کے جملہ مدارج سے خبردار ہوتا ہے۔

مگر حضور قبلۂ عالم کے مخصوص طریقہ تعلیم میں یہ خصوصیت بدیہات سے دیکھی گئی ہے کہ شغل سلطان الاذکار کا قاعدہ بہت جلد اور نہایت آسانی سے طالب کے ایسا ذہن نشین ہوجاتا تھا کہ وہ اس پر عمل کرتا تھا اور اس کے اثرات سے کماحقہ آگاہ ہوجاتا تھا۔

چنانچہ سرکار عالم پناہ نے جس دست گرفتہ کو شغل سلطان الاذکار تعلیم فرمایا۔ تین روز میں اس پر ابتدائی حالت طاری ہوگئی اور اس کے بطون سے آواز لطیف آنے لگی۔ بقول حافظ علیہ الرحمۃ۔

کس ندانست کہ منزلگہ مقصود کجاست　　　　این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

گو طالبین کی اس یافت اور کامیابی میں اس قدر جلد عجلت کا باعث یقینی حضور کے

سے فرمائی ہے۔

مگر ایک قاعدہ میں مساوات بھی ہے کہ ہدایت سب کو یکساں ہوئی کہ بوقت تصور آنکھیں نہ بند کی جائیں۔ بلکہ قلب کی آنکھ کے ساتھ۔ ظاہری آنکھ سے بھی غائبانہ صورت دیکھنے کی مزاولت کرد۔

حقیقت یہ ہے کہ طریق محبت میں جس طرح ذکر کے واسطے کوئی قاعدہ معین نہیں ہے اسی طرح شغل کے واسطے بھی کوئی طریقہ مخصوص نہیں۔ شاغل کی حالت کے اعتبار سے کوئی طریقہ بتا بھی دیا جاتا ہے۔ ورنہ صحیح معنی میں اہل محبت کو اذکار و اشغال کا قاعدہ خود ان کا اضطراب قلب بتا دیتا ہے کیونکہ محبت میں آورد نہیں ہے۔ طالب صادق یاد مطلوب میں وہی کرتے ہیں جو ان کی سچی بے قراری ان سے کراتی ہے۔

چنانچہ اہل محبت کا تصور بھی بغیر کسی سعی اور کوشش کے یوں قائم ہو جاتا ہے کہ فراق محبوب میں جب وہ زیادہ بیقرار ہوتے ہیں تو صورت محبوب کے خیال سے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ صورت متصورہ ایسی قائم ہو جاتی ہے کہ موجودات میں بجز صورت محبوب ان کو دوسری صورت نظر نہیں آتی ہے۔

سر مہ یوں تو کر کرا کجرا دیوں بنائے   جن نینن ماں پیو بسیں دوجے کون سمائے

حالانکہ ارباب طریقت نے تصور کے قواعد منضبط فرمائے ہیں اور بجائے خود وہ بہت صحیح اور بکار آمد ہیں جن کے لئے تھوڑی سعی اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے اور جدوجہد سے تصور پختہ بھی ہو جاتا ہے مگر وہ تصور جو کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَکَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ کی مصداق ہے۔ بغیر محبت کے نہیں قائم ہوتا۔ کیونکہ تصور محبت کا نتیجہ ہے اس لئے محبت ہے تو تصور بھی ہے اور محبت نہیں تو تصور بھی نہیں۔ اور محبت چونکہ وہبی ہوتی ہے جو کسب سے نہیں حاصل ہوتی پس وہ تصور جو عین محبت یا محبت کا ضمیمہ ہے کیونکر سعی و کوشش سے حاصل ہو سکتا ہے۔

تصرف باطنی کا اثر ہو گا۔ مگر بظاہر قاعدہ بھی آسان تھا۔

مجاہدۂ عام | اب مجھکو بہ لحاظ سلسلۂ مضامین اس کا بھی ذکر کرنا لازمی ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے مجاہدات کی نسبت ہم کو کیا ہدایت فرمائی اور ان ارشادات کی تعمیل میں غلامان بارگاہ وارثی نے کیا اور کس عنوان سے جد و جہد کی لیکن میرا خیال ہے کہ جس قدر احکام مشتمل بہ مجاہدت وقتاً فوقتاً اہل ارادت کے حق میں صادر ہوئے ہیں ان کی تفصیل نقل کرنا محالات سے ہے کیونکہ کب اور کہاں اور کسکو کیا حکم ہوا اسکا مکمل علم شاید کسی کو نہو گا۔ بلکہ ایسے فرمان جو بقدر واقفیت صفحۂ یاد میں محفوظ ہیں اور وہ بھی مختصر الفاظ میں اگر نگارش ہوں تو باعتبار تعداد ان کی بھی گنجایش کے واسطے یہ مجموعہ کافی نہ ہو گا اس لئے چند اخوان ملت کے مخصوص ریاضات اور مجاہدات کا تمثیلاً ذکر کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ غلامان وارثی کے اس کثیر التعداد گروہ میں کس قدر اہل مجاہدت گزرے اور کیسے کیسے غیر معمولی مجاہدے انھوں نے کئے۔

لیکن قبل اس کے کہ وہ مجاہدے اور ان اہل مجاہدات کے واقعات نگارش کروں پہلے ایک ایسے مجاہدے کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کلیتہً حضور قبلۂ عالم کے تصرفات باطنی کا کرشمہ ہے اور جس میں قطعاً تعمیم نظر آتی ہے اور جس کیلئے کسب و کوشش کی ضرورت نہ زمان و مکان کی قید اور بغیر کسی تخصیص کے جملہ پرستاران بارگاہِ وارثی کو اس قدرتی مجاہدے سے گہرا تعلق ہے اور اس مجاہدے کو دل کا دامِ محبت میں گرفتار رہنا کہتے ہیں۔

مگر غلامانِ وارثی کا یہ قلبی مجاہدہ گو صورتاً یکساں ہے لیکن بالمعنی اس قدر امتیاز ضرور ہے کہ کسی کے قلب کو قابل برداشت صدماتِ محبت سے تعلق ہے اور کسی کا دل افراطِ محبت سے ہمیشہ سراسیمہ اور مجروح رہتا ہے۔ یا اس کو یوں کہنا چاہیئے کہ حضور قبلۂ عالم کے بعض حلقہ بگوش "دل بیار دست بکار" کے مصداق ہیں کہ دنیوی تعلقات کے ساتھ اثرات محبت سے بھی متاثر ہیں اور بعض ارادتمند دل کو ایسا غلو اور انہماک ہے کہ وہ جانباز ہمہ وقت شاہد

بے نیاز کے خیال میں محو اور مستغرق رہتے ہیں۔ چنانچہ غلامانِ وارثی کی اسی قلبی سروکار کو میں نے عام مجاہدہ کے نام سے تعبیر کیا ہے اور میرے خیال میں یہ دوامی صعوبت درحقیقت بہت بڑا مجاہدہ ہے۔

مگر شاید ارباب ہوش و خرد محبت کے دل خراش اثرات کا ناقابل برداشت ہونا قبول نہ فرمائیں۔ اور اہل محبت کے اضطراب و اضطرار کا کوئی ایسا بدیہی ثبوت طلب کریں جس کو مشاہدہ سے تعلق ہو تو فی الحقیقت اس قلبی حالت کا عینی معائنہ کرانا ہمارے امکان سے باہر ہے بجز یہ عرض کرنے کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مصرعہ: "ذوق این مے نشناسی بخدا تا نہ چشی"

اور ان کی یہ بے خبری اس وجہ سے بیجا بھی نہیں ہے کہ جو حضرات عیش و آرام سے دن رات ہمکنار رہتے ہیں وہ کس طرح اہل محبت کی دائمی صعوبت سے خبردار ہو سکتے ہیں۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمتہ رع: "کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا" اور ے

ترا چہ غم کہ شب ما درازمی گذرد　　　کہ روزگار تو در خواب نازمی گذرد

حالانکہ اہل محبت کے اضطراب قلب کے نتائج اور آثار کا اکثر نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے مثلاً اکثر آنکھوں سے بعض معتقد حضرات کو پہلے خوش مذاق اور خوش پوشاک وشاندار مکانوں میں رہتے دیکھا تھا لیکن انہیں کے دل کو جب فیضانِ وارثی نے درد محبت سے آشنا کیا تو بغیر کسی مجبوری کے وہی عیش پسند فقیرانہ لباس میں نظر آئے لہٰذا یہ انقلاب ان کے اضطرار قلب کا صریح اثر اور ان کی محبت کا صحیح نتیجہ ہے کہ خیال یار میں نہ دل بیقرار ہوتا۔ نہ ان کی یہ حالت ہوتی ے

منکہ ملول گشتے از نفسِ فرشتگان　　　قال و مقال عالمے می شنوم برائے تو

چنانچہ جس کی کھلی ہوئی تمثیل یہ ہے کہ ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب وارثی رئیس ملاولی ضلع مین پوری جن کی فراخ حالی کا سب کو علم ہے کہ موصوف کی پہلی زندگی کیسی امیرانہ زندگی تھی رہنے کو کوٹھی۔ عیش و آرام کا جملہ سامان، غذا لطیف، شکار کا شوق۔ سواری کے لئے متعدد قیمتی

گھوڑے، موٹر، ولایتی لینڈ وہر وقت موجود رہتی تھی مگر محبت کے جگر سوز اثرات سے ان کے قدیم عادات میں یہ انقلاب ہوا کہ ان کی شان امارت تجرد اور تفقر سے ان کا لباس تہبند سے مبدل ہو گیا۔ حتیٰ کہ پنچم سنگھ سے دقار شاہ ہو گئے۔ اور عارضی امارت چھوڑ کر سرمدی افتخار اختیار کیا۔

علیٰ ہذا سید محمد واصم شاہ صاحب وارثی۔ رئیس مولانگر ضلع مونگیر جن کی جائداد کی آمدنی تقریباً بیس ہزار روپے سالانہ کی تھی فیضان وارثی نے باطنی شرف وافتخار جو کچھ انہیں مرحمت فرمایا ہو اس کا تو علم نہیں مگر دیکھا یہ کہ موصوف دنیوی اقتدار سے بیزار اور تعلقات موجودات سے دست بردار ہو کر محبت الٰہی کے جوش میں جب سے فقیر تہبند پوش ہوئے اور مکان چھوڑ کر باغ میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ آج تک باہر قدم نہیں رکھا۔

غرض اس مضمون کے واقعات بکثرت ہیں کہ محبت کے اثرات سے اکثر غلامان اس قدر مضطرب اور بے قرار ہوئے کہ ان کی تنظیم عادت میں انقلاب عظیم ہو گیا اور یہی وقوع انقلاب ان کے اضطراب قلب کی بین دلیل ہے بلکہ محبت کی یہی تعریف ہے کیونکہ اصطلاح صوفیہ میں محب صادق کی اس باطنی کیفیت کو محبت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جو مطالعہ جمال یار کے لئے قلب کو ایسا مضطرب اور بے قرار کر دے کہ ماسوائے یار دنیا و مافیہا سے سروکار نہ رہے۔ چنانچہ صاحب احیاء العلوم لکھتے ہیں کہ ابو محمد رویم علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ محبت کی تعریف یہ ہے کہ دل میں وحشت پیدا ہو ماسوائے اللہ سے اور نفحات الانس میں ہے کہ خواجہ ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ نے محبت کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ اپنی محبوب ترین چیزوں کا ایثار کرنا اسکے لیے جس کو زیادہ دوست رکھتے ہو۔ اسکو محبت کہتے ہیں بقوائے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ بقول ؎

در مقامات طریقت ہر کجا کردیم سیر　　　　عافیت را بانظر بازی طلاق افتادہ بود

لیکن بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ محبت اس کو کہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت

کو بھول جائے۔ لہٰذا غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ محبت کے اس اثر سے بھی حضور قبلۂ عالم کے اکثر ارادتمند بقدر استعداد متاثر تھے۔ چنانچہ بعض ایسے ارباب علم جن کے تبحر اور تقدس کا شہرہ تھا۔ وہ مکتب محبت میں جب داخل ہوئے تو یہ انقلاب رونما ہوا کہ یک قلم ان کا علم و فضل خیال موہوم ہو گیا اور بجائے تبحر کے وہ ذی اساس حرف شناس بھی نہ رہے۔

چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب وارثی متوطن شیخپورہ ضلع مونگیر جو علامۂ وقت تھے لیکن جب فیضان وارثی نے ان کو محبت کا سبق پڑھایا تو ممدوح عالم سہو میں ایسے مستغرق اور محو ہو گئے کہ بغدادی قاعدہ پڑھانے کی بھی صلاحیت نہ رہی آخر گوشہ نشین ہوئے اور اسی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

معہذا مولانا ہدایت اللہ صاحب وارثی محدث سورتی جو مختلف علوم کے عالم بلکہ ہفت زبان مشہور تھے مگر جب حضور قبلہ عالم کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور صحیفۂ عشق کی ورق گردانی کی تو ان کا کیف زبان حال سے کہتا تھا" جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا "

یہی حالت ملا ضئی الدین صاحب بغدادی کی ہوئی کہ کسی تقریب سے ہندوستان آئے اور سرکار عالم پناہ کا نام نامی سنا تو پہلے معترض ہوئے کچھ عرصہ بعد خوبی قسمت سے حضوری نصیب ہوئی تو حضور قبلہ عالم کی نظر عنایت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ موصوف کے قلب سے حجاب علم اٹھا کہ عالمانہ لباس سے سبکدوش ہو کر فقیر تہبند پوش ہو گئے بغدادی شاہ خطاب ملا۔ اور ظاہری مشغلہ یہ بتایا گیا کہ پرانے جوتوں کی مرمت کیا کرو مگر چار پیسے سے زیادہ مزدوری نہ کرنا وہ بھی بایں شرط کہ دو پیسے خیرات کر دو اور دو پیسے میں بسر اوقات ہو" چنانچہ موصوف نے تمام عمر یہی کیا۔ اور کبھی بھی علم کا ذکر زبان پر نہیں لائے۔

بلکہ اکثر وہ علمائے ہنود جو ویدشاستر سے کما حقہٗ آگاہ اور اپنے مذہب کے پیشواؤں میں تھے لیکن محبت کے دلخراش اثرات سے انکے حالات زندگی میں انقلاب عظیم واقع ہوا جیسا کہ پنڈت فضل رسول صاحب وارثی جن کا پہلا نام

رام اوتار شاستری تھا اور سنا ہے کہ موصوف جس طرح سنسکرت کے عالم تھے اسی طرح دھیان اور گیان کے بھی عامل تھے جب حضور قبلۂ عالم کے حلقۂ غلامی میں داخل ہوئے اور محبت کا جاپ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دستار فضیلت بیکار ثابت ہوئی بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی اور تعلقات عالم سے دست بردار ہو کر تا حیات ردولی شریف میں قیام کیا۔

یہی صورت پنڈت سیتا رام پوجاری معروف بہ دین محمد شاہ وارثی کی ہوئی کہ موصوف بہت خوش حال اور باکمال پنڈت تھے۔ حضور قبلۂ عالم کی قدمبوسی کو آئے دوران گفتگو میں آپ نے فرمایا "پنڈت جی برہم پہچانو" موصوف نے عرض کیا دھرم اوتار پہچان لیا۔ ارشاد ہوا جاؤ۔ پھر ملاقات ہوگی۔ انھوں نے عرض کیا مہراج! جب تک نہیں پہچانا تھا تو تلاش میں دربدر مارا پھرتا تھا۔ جب پہچان چکا تو اب کہاں جاؤں آپ نے مسکرا کر خرقۂ فقر تفویض فرمایا۔ اور ہدایت کی پنڈت جی گھر نہ بنانا۔ سیاحت میں مرجانا۔ اور سات فاقے بھی ہوں تو ہاتھ نہ پھیلانا۔

اسی طرح پنڈت دیدار شاہ صاحب کا واقعہ ہے۔ کہ پہلے آپ کا نام کیسوراؤ تھا اور ملک مالابار کے باشندے تھے۔ حالانکہ علوم مذہبی میں آپ کو فراغ تھا۔ مگر تحقیق حق کا خیال ہمیشہ رہا۔ جب سرکار عالم پناہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور محبت کا سبق پڑھا تو نتیجہ یہ ہوا کہ طریق آبائی سے روگردانی کی اور قومی لباس سے سبکدوش ہو کر بارگاہ وارثی کے فقیر تہبند پوش ہو گئے۔ اور اب وطن اور اہل وطن سے دور دیوا شریف میں شب و روز آستان بوسی کرتے ہیں۔

چنانچہ متعدد مثالیں ایسی ہیں کہ حضور قبلہ عالم کے سیکڑوں ارادتمند جو واقعی تعلیم یافتہ اور صاحب عقل و ہوش تھے مگر مکتب وارثی میں تربیت پاکر محبت کے اثرات سے خود فراموش ہو گئے نہ طریق آبائی کا خیال رہا۔ نہ وطن کا ملال ہوا۔ تمام عمر بے سروسامان سیاحت میں سرگرداں رہے۔

الغرض اہل محبت کی زندگی ایسے اضطرار و انتشار میں گذرتی ہے کہ نہ دن کو چین نہ رات کو آرام۔ ہر وقت خیال یار میں مضطرب اور بیقرار رہتے ہیں اسی لئے میں نے محبت کو قلبی مجاہدہ کہا۔ اور چونکہ محبت کی ہدایت غلامان وارثی کو بطور تعمیم ہوئی ہے اس نسبت سے میں نے اس کو عام مجاہدہ کے نام سے تعبیر کیا۔ اور میں یہی عرض کروں گا کہ محبت درحقیقت غیر معمولی مجاہدہ ہے۔ اَلْمَحَبَّۃُ تَخْلِیْصُ الْقَلْبِ عَنِ الْغَیْرِ۔

مجاہدات لیکن علاوہ اس عام مجاہدہ کے حضور قبلۂ عالم نے اکثر ارادتمندوں کو خاص مجاہدت کی بھی ہدایت فرمائی ہے مثلاً عظمت علی شاہ صاحب وارثی مولوی عبدالحئی صاحب وارثی جگپوری اور عباس علی شاہ صاحب وارثی کو تقلیل غذا کی ہدایت تھی اور مخدوم شاہ صاحب وارثی دریابادی اور پیرا شاہ صاحب وارثی مقیم ہردوئی اور نمازی شاہ صاحب وارثی اور حاجی گھوڑے شاہ صاحب وارثی کو ترک لذات کا حکم تھا جو بہت سادی غذا کھاتے تھے اور ذائقہ نہیں لیتے تھے اور بعض کے واسطے ترک حیوانات کا فرمان تھا۔ جو بخیال احتیاط نمک سے یا پانی میں بھگو کے روٹی کھاتے تھے۔

بعض کو مسلسل روزہ رکھنے کا فرمان تھا۔ چنانچہ حاجی فیضو شاہ وارثی خادم خاص نے حسب الحکم چھبیس سال تک اور ابوالحسن شاہ صاحب وارثی متوطن اٹاوہ نے بارہ سال تک اور بابو کنہیا لال صاحب وارثی وکیل علیگڑھ نے چودہ سال تک متواتر روزہ رکھا۔

اور حاجی مکی شاہ صاحب وارثی متوطن ضلع بارہ بنکی اور مسکین شاہ صاحب وارثی اور بی بی سکینہ صاحبہ وارثیہ دختر گلاب شاہ صاحب ساکن آگرہ اور حاجی رمضان شاہ وارثی متوطن فتحپور تمام عمر دائم الصوم رہے۔

اور رومی شاہ صاحب ترک وارثی۔ اور مسکین شاہ صاحب وارثی رئیس مضافات الہ آباد دائم الصوم اور قائم اللیل تھے۔ اور بی بی نصیبن شاہ صاحبہ وارثیہ تاحیات اس کی پابند رہیں کہ دو روز صرف پانی سے افطار اور تیسرے روز بعد افطار کھانا کھاتی تھیں

اور حافظ احمد شاہ صاحب وارثی اکبرآبادی نے بارہ سال تک نماز معکوس شب کو پڑھی اور شیخ مقصود علی شاہ صاحب وارثی رئیس پیتے پور کو صلوٰۃ العشق کی مدامت کا حکم تھا اور مولوی برکات اللہ صاحب وارثی متوطن پیلی بھیت کو روزانہ چوبیس ہزار چار سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کا حکم تھا اور لکھنؤ میں ایک سیدانی بی بی وارثیہ تھیں ان کو کلمہ طیبہ کے ورد کا بایں شرط حکم تھا کہ ہر وقت باوضو پڑھا کرو چنانچہ دیکھا ہے کہ اس فرمان کی تعمیل میں وہ ضعیفہ اس قدر منہمک رہتی تھیں کہ بات کرنا چھوڑ دی تھی اور کھانا بہ اصرار ایک وقت کھاتی تھیں اس خیال سے کہ ورد میں نقصان نہ آئے۔

بعض کے لئے جانداری سواری کی امتناع اور سیاحت کا حکم قطعی تھا۔ بعض ہر سال حج کرتے تھے بعض دن کو سوتے اور رات کو جاگتے تھے۔ چنانچہ یتیم شاہ صاحب جو بارگاہ وارثی کے قدیم تہبند پوش فقیر تھے چالیس سال تک شب بیدار رہے۔

اور میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ ایک روز حضور قبلۂ عالم لکھنؤ میں شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر بیٹھے دریا کی سیر کر رہے تھے کہ ایک طالب خدا نے حاضر خدمت ہو کر انقطاع تعلقات کی استدعا کی۔ جناب حضرت نے اپنا مستعمل احرام اس کو تفویض فرمایا۔ اور بیدار شاہ خطاب مرحمت ہوا۔ اور ذکر اسدی تعلیم فرما کر ارشاد ہوا کہ رات دیدار کے واسطے ہے نہ خواب غفلت کے لئے تمام شب کو آبادی کے باہر یہ ذکر بالجہر کیا کرو اور جب تھک جاؤ تو کلمہ طیبہ یا درود شریف کا ورد مسلسل رہے اور دن کو اگر نیند معلوم ہو تو اس طرح سونا کہ لوگوں کی گفتگو اور آواز رفتار بخوبی سنائی دے۔

اور حاجی موسیٰ شاہ صاحب وارثی تا دم واپسیں کھڑے نہیں ہوئے۔ کیونکہ بوقت تہبند پوشی ان کو قناعت کی بایں الفاظ ہدایت ہوئی تھی۔ کہ "فقیر کو چاہیئے کہ خدا کی کفالت پر بھروسا کرے اور صبر سے بیٹھا رہے"

اور جن بی بی صاحبہ وارثیہ کو جب تہبند مرحمت ہوا تو فرمایا تھا کہ "خدا رازق ہے ٹانگ توڑ کر اس کے بھروسے پر بیٹھو"۔ اس فرمان وارثی کی تعمیل میں وہ ثابت قدم عورت تینتیس سال تک کھڑی نہیں ہوئی اور اسی حال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اور بعض ارادتمندوں کو بستی میں آنے کی ممانعت تھی جن کی زندگی ویران جنگلوں اور غیر آباد پہاڑوں پر کٹی۔ مثلاً جنگلی شاہ صاحب وارثی پینے پور کے آگے ایک جنگل میں عزلت گزین تھے اور جمیل شاہ صاحب وارثی شملہ پر ایسے خطرناک مقام پر رہتے تھے۔ جو گزر گاہ عام نہ تھا۔ اور حافظ دوست محمد صاحب وارثی اجمیر شریف میں حافظ جمال صاحب کے چلّہ کے قریب پہاڑ کے ایک درّہ میں تاحیات مقیم رہے۔

بلکہ ہندوستان کے باہر بھی ایسے مجاہدین کو اخوان ملت نے اکثر دیکھا ہے چنانچہ محبت شاہ وارثی پنجابی جو بارگاہ وارثی کے قدیم خرقہ پوش فقیر ہیں بیان کرتے تھے کہ سیاحت عراق میں زیارت عتبات عالیات کے بعد حیفہ سے بیروت جا رہا تھا۔ اور اکرام علی شاہ صاحب جو مولانا فضل الرحمٰن صاحب علیہ الرحمتہ کے دست گرفتہ تھے مگر سرکار عالم پناہ نے بھی ان کو سیاحت کا حکم دیا تھا۔ بغداد سے میرے ہم سفر تھے۔ ہم دونوں راستہ بھول کر ایسے مقام سے گزرے جہاں ایک قدیم مسجد تھی جس کا قطبی گوشہ افتادہ تھا۔ اور صحن مسجد میں ایک حوض شفاف پانی سے لبریز تھا۔ اس کے کنارے آرام لینے کے لئے ہم بیٹھ گئے تھوڑے عرصے کے بعد استنجے کی ضرورت سے میں باہر گیا۔ ہنوز فارغ نہیں ہوا تھا کہ مسجد کے اسی شکستہ گوشہ سے نہایت خوش گوار خوشبو آئی میں نے اکرام علیشاہ صاحب سے یہ عجیب و غریب واقعہ بیان کیا۔ اور کہا چلو دریافت کریں کہ اس غیر معمولی اور دل آویز نکہت کی واقعی حقیقت کیا ہے۔ قریب جا کر یہ دیکھا کہ اس شکستہ گوشہ میں ایک غار بصورت تہ خانہ ہے اور یہ خوشبو اسی میں سے آتی ہے جب اس غار کے اندر گئے تو دیکھا کہ ایک سن رسیدہ بزرگ بیٹھے ہیں اور دفعتًا مجھکو یہ بھی نظر آیا کہ حضور قبلۂ عالم تشریف فرما ہیں اس خیال میں گو مجھکو

محویت تھی۔ مگر سلام کیا اور اشارہ پاکر بیٹھ گیا وہ بزرگ اکرام علی شاہ سے مستفسر حال ہوئے اور جب اثنائے گفتگو میں سرکار عالم پناہ کا نام نامی آیا۔ تو موصوف نے خیریت مزاج دریافت کی متعجب ہو کر اکرام علی شاہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ کو حضور اقدس سے واقفیت کب اور کیونکر ہوئی۔ ممدوح نے ایک آہِ سرد کے ساتھ کہا کہ پیشوائے برحق کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی۔ جب یہ گنہگار حلقہ غلامی میں داخل ہوا تھا۔ اور شاہ جہاں پور سے یہاں تک ہمراہ رکاب آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم یہیں بیٹھو۔ ہم آئیں گے۔ میں نے اس وقت سے اس غار میں اپنے خضر راہ کا منتظر بیٹھا ہوں۔

بعض ارادتمندوں کو اپنی بیماری کا علاج بلکہ اس کی تکلیف کا اظہار کرنا بھی ممنوع تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم حاجی محمد اسمٰعیل صاحب وارثی رئیس لہچی ضلع پٹنہ کے مکان پر قیام پذیر تھے کہ ایک شخص معمر مگر وجیہہ صورت فقیرانہ لباس میں جو بظاہر زاہد اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے حاضر خدمت ہوئے جن کو پہلے نہیں دیکھا تھا لیکن ان کا انداز حاضری اور طرز ادب کہتا تھا کہ یہ بارگاہ وارثی کے حلقہ بگوش ہیں۔ حضور قبلۂ عالم نے بکمال عنایت فرمایا کہ کنور جی کہاں سے آتے ہو انھوں نے دست بستہ عرض کیا اَن داتا امرتسر سے آرہا ہوں آپ نے شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا ان کو ٹھہراؤ اور کھانے کا انتظام کرو۔

شب کو معلوم ہوا کہ کنور جی بیمار ہو گئے ہیں حکیم مرزا یعقوب بیگ صاحب وارثی جو حضور کے ہمراہ رکاب تھے فوراً گئے اور نبض دیکھ کر مستفسر حال ہوئے۔ مگر بجائے کسی صراحت کے کنور جی نے بکمال اطمینان یہ کہا کہ گرو کی دیا سے اچھا ہوں۔

لیکن ان کے کرب و اضطراب سے ظاہر ہوتا تھا کہ سخت تکلیف ہے کیونکہ بار بار چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا حکیم صاحب موصوف نے ریاحی درد سمجھ کر حب بلیلن کھلانا چاہی۔ انھوں نے اس کے کھانے سے بھی قطعی انکار کیا اور کہا حکیم صاحب مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے اس لئے کہ مجھے کسی تکلیف کی شکایت نہیں ہے البتہ گرو کی عنایت درکار ہے

صبح کو حکیم صاحب نے سرکار عالم پناہ سے یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے مسکرا کے فرمایا۔ یعقوب وہ کبھی اپنی تکلیف نہ بیان کریں گے اور نہ کوئی دوا کھائیں گے یہ راجہ کے بیٹے ہیں جب ہم پنجاب گئے تھے اس وقت سے گھر بار چھوڑ کر فقیر ہوگئے اور بغیر کسی ضرورت کے بہ بستی ہیں نہیں جاتے اور رنج و راحت کو یکساں اور درد و دوا کو ایک سمجھتے ہیں اور ہر حال میں منشائے الٰہی کے آگے سرنگوں رہتے ہیں اور دوسرے روز اپنا مستعمل احرام مرحمت فرما کر کونزجی کو رخصت کر دیا۔

علیٰ ہذا اس مضمون کے واقعات اور بھی ہیں جن کو بخوف طوالت نہیں لکھتا ہوں لیکن احد شاہ صاحب وارثی جو دربھنگہ میں ایک مقتدر خاندان کے رکن تھے اور ۱۳۰۷ھ میں جن کو حضور قبلہ عالم نے اپنی عنایت سے خرقۂ فقر مرحمت فرمایا تھا۔ ان کو جس غیر معمولی عنوان سے جس مجاہدہ کی ہدایت ہوئی اس کا خلاصہ طور پر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے علاوہ انوکھی شان ہدایت کے۔ آپ کے تصرف باطنی کی قوت کاملہ اور اختیار اتم کا بھی نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔

چنانچہ احد شاہ صاحب کی نشو و نما چونکہ خوشحال گھر میں ہوئی اور زندگی کا پہلا حصہ راحت و آرام میں گزرا تھا۔ اس لحاظ سے ان کی علالت بھی امتیاز سے خالی نہ تھی چنانچہ ایک زمانہ میں بواسیر کی تکلیف سے بہت بے چین تھے علاج اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہا تھا۔ اور ان کے والد ماجد واحد علی خاں صاحب وارثی بیدریغ روپیہ صرف کر رہے تھے۔

اسی دوران میں سرکار عالم پناہ بانکی پور تشریف لے گئے تو قرب و جوار کے مسترشدین شوق زیارت میں حاضر ہوئے۔ منجملہ ان کے احد شاہ صاحب بھی بانکی پور آئے اور ایک روز حسب معمول شب کو قدمبوسی کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو اس وقت مریدین کا مجمع تھا۔ یہ بھی ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھ گئے۔ اثنائے گفتگو میں حضور قبلہ عالم نے بمصداق۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں۔ یہ فرمایا کہ ایک شاہ صاحب کی پیٹھ میں زخم تھا۔

جس کو کرنے سے وہ پوشیدہ رکھتے تھے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ اس کا علاج کیوں نہیں کرتے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ یہ تحفہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اس عطیۂ الٰہی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھوں اور اس کے خوشگوار اثرات کو تکلیف اور صعوبت سمجھ کر بجائے شکر کے شکایت کروں۔ اور اس کے زوال کے لئے غیر خدا سے استعانت چاہوں جو دعوی محبت کے صریح خلاف ہے۔

زخم دل مظہر مبادا بہ شود ہشیار باش   کایں جراحت یادگار ناوک مژگان اوست

یہ فرما کر ارشاد ہوا کہ احد شاہ سمجھ گئے۔ احد شاہ سمجھ گئے۔ احد شاہ نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ حضور سمجھ گیا۔ لیکن اس گنہگار غلام کی استدعا ہے کہ پنجتن پاک کے صدقہ میں توفیق بھی مرحمت ہو۔

اس وقت سے احد شاہ صاحب نے تادم واپسیں نہ کبھی بیماری کا علاج کیا اور نہ اس کی تکلیف کا ذکر کیا۔ حالانکہ موصوف اکثر بیمار رہے بلکہ بعض تکلیف دہ امراض میں تازیست متبلا رہے۔ مگر اس فرمان بردار نے نہایت ضبط و تحمل سے اپنے آقائے نامدار کے اس حکم کی چونتیس سال تعمیل کی۔ اور ۱۳۴۶ھ ہجری میں بواسیر کا زخم لے کر دنیا سے روانہ ہوا۔

تصانیف حضرات صوفیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشرب خاص اہل محبت کا ہے کیونکہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابو محمد رویم علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ محبت کی تعریف کیا ہے آپ نے فرمایا۔ ھِیَ الْمُوَافَقَۃُ فِیْ جَمِیْعِ الْاَحْوَال۔ یعنی ہر حال میں منشائے الٰہی کی موافقت کرنے کو محبت کہتے ہیں۔

علیٰ ہذا بعض مسترشدین بایں احتیاط گوشہ نشین تھے کہ بجز چند افراد کے صحبت احباب سے بھی احتراز کرتے تھے اور بغیر کسی خاص ضرورت کے کہیں نہ جاتے تھے۔ اور بعض کے واسطے حضور قبلہ عالم نے اس مجاہدہ کو اور زیادہ اہم اور دشوار کر دیا تھا۔

جو ناقابل برداشت معلوم ہوتا ہے۔ مگر آپ کی توجہ خاص نے ان گوشہ نشینوں کو ایسا ضبط و تحمل مرحمت فرمایا کہ انھوں نے بکمال ثبات و استقلال اس کی بھی تعمیل کی۔ جیساکہ بدنام شاہ صاحب وارثی متوطن کھبولی ضلع بارہ بنکی کا واقعہ ہے کہ موصوف پہلے خادم خاص کے عہدہ پر مامور تھے لیکن جب ان کو گوشہ نشینی کا حکم ہوا تو حضور قبلہ عالم نے ان سے یہ وعدہ فرمایا کہ جب ہم دیوی (شریف) آئیں گے تو تم سے ضرور ملاقات کریں گے مگر کوئی احتیاج کیوں نہ ہو۔ تم دروازہ اپنا بند رکھنا۔ جب ہم آئیں اس روز کھولنا۔

اس مجاہد نے یہی کیا کہ جب حضور تشریف لائے تو دروازہ کھولا۔ اور اس روز جو سامان بہم پہنچا وہ آپ کی دعوت میں بھی صرف ہوا۔ اور جس قدر باقی رہا اس میں اپنی بسر اوقات اس وقت تک کرتے تھے جب چار ماہ کے بعد سرکار عالم پناہ دوبارہ تشریف لاتے تھے اور اکثر یہ ہوا ہے کہ سامان کم بچا تو اس تارک اور صابر مجاہد نے مٹی کھا کر دہ دن گزار دیئے مگر دروازہ نہیں کھولا۔ اور سولہ سال تک اپنے آقائے نامدار کے حکم کی بکمال احتیاط تعمیل کی اور اسی حالت میں جان بحق تسلیم ہوا۔

اور بعض حلقہ بگوش حسب الحکم تمام عمر خاموش رہے چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ سفر حجاز میں ایک بہرے مولوی صاحب سے ملاقات ہوگئی تھی جو اپنے تبحر کے جوش میں اکثر علمائے متقدمین پر اعتراض کرتے تھے کہ فلاں عالم ضعیف الرائے تھے جنھوں نے اس مسئلہ میں یہ غلطی کی اور فلاں عالم کا حافظہ درست نہ تھا جس سے اس فتوے میں لغزش ہوئی اتفاق سے ایک روز مولوی صاحب نے دوران گفتگو میں یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ ثقل سماعت کی وجہ سے میں کسی کی غیبت نہیں سنتا۔ ہم نے کہا مولوی صاحب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ کسی کی غیبت سنتے نہیں ہیں اسی طرح غیبت کیا بھی نہ کیجئے اور خاموش ہو جائیے اور بجائے باتیں کرنے کے ہر وقت درود شریف پڑھا کیجئے۔

یہ سنکر مولوی صاحب مکیف ہوگئے اور اس وقت سے اس طرح چپ ہوئے

کہ کسی ضرورت کے واسطے اشارہ بھی نہیں کرتے تھے۔ اور لوگ ان کی خدمت کرتے تھے۔
غالب سے

تباب چہرہ ضیابخش دیدۂ اعمیٰ　　　بلطف نکتہ گرانی ربائے گوش صمیم

یہ واقعہ بھی معمر حضرات سے سنا ہے کہ لکھنؤ میں ایک تہبند پوش حضور قبلۂ عالم کے حکم سے خاموش رہتے تھے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں ان کو مخبر سمجھکر باغیوں نے پکڑا اور جو بات دریافت کی انھوں نے جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ سنگین کی نوک سے ان کو زخمی کیا۔ مگر انھوں نے جان دیدی لیکن پیشوائے برحق نے جو مہر خاموشی لگا دی تھی اس کو نہیں توڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہوگئی۔

ایک مرتبہ علیگڈھ کے قیام میں حضور قبلۂ عالم نے ایک معمر شخص کو جو نواح دہلی کے باشندے اور صاحب کیفیت بزرگ تھے خرقۂ فقر تفویض فرمایا اور ذاکر اللہ شاہ ان کو خطاب مرحمت ہوا۔ اور ارشاد ہوا کہ کسی سے بات کرو نہ کسی کی بات سنو۔ اور ہمہ وقت شمار انفاس میں مشغول رہو۔ اس وقت سے لوگ ان کو چپ شاہ کہنے لگے۔

اور بعض کے واسطے اسی خاموشی کا حکم ایسے پراسرار الفاظ میں صادر ہوا جس کی حقیقت اور ماہیت سمجھنے میں ہمارا فہم و ادراک قاصر ہے جیسے عبدالرزاق شاہ صاحب وارثی جو موضع کھپولی ضلع بارہ بنکی کے رئیس تھے مگر ان کا قیام اکثر باڑہ ضلع پٹنہ میں زیادہ رہتا تھا ان کو سرکار عالم پناہ نے خاموشی کا حکم دیا۔ اس وقت سے موصوف ضرورت کے وقت لکھکر یا اشارہ سے کام لیتے تھے مگر ان کی یہ تکلیف دیکھکر ان کے احباب کو افسوس ہوتا تھا کچھ عرصہ کے بعد جب حضور قبلۂ عالم پھر بانکی پور تشریف لے گئے تو وہاں کے مخصوص عمائدین نے متفق ہوکر عبدالرزاق شاہ صاحب کی تکلیف کا اظہار کیا اور ملتجی ہوئے کہ صرف ضرورت کے وقت بات کرنے کی اجازت ہوجائے آپ نے تھوڑے تامل کے بعد عبدالرزاق صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا کیا تم کو تکلیف ہوتی ہے؟ موصوف نے شرم سے سر نیچا کرلیا۔

یہ دیکھکر حضور نے فرمایا کہ عبدالرزاق اب تمہارا بولنا وضعداری کے خلاف ہے۔
بلکہ اشارہ بھی نہ کیا کرو اور لکھنا بھی چھوڑ دو۔ ادھر تو یہ حکم سنکر عبدالرزاق شاہ صاحب
ساکت اور آبدیدہ ہوئے۔ اور ادھر شان محبوبیت کے جوش میں سرکار عالم پناہ نے یہ
فرمایا۔ عبدالرزاق اس تھوڑی زندگی کو یونہی کاٹ دو وضعداری اسی میں ہے کہ اب
مرنے کے وقت بھی کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلے اور قبر میں نکیرین سوال کریں تو اس کا بھی
جواب نہ ملے۔ بلکہ حشر میں خدا کے سامنے بھی خاموش رہنا۔

حضور قبلہ عالم کا یہ ارشاد گو معمولی الفاظ کے پردے میں ہے۔ مگر معلوم نہیں کس
زبان سے اور کس حالت میں یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ آپ کی عظمت وجلالت کا ایسا رعب
طاری ہوا کہ جملہ حاضرین ساکت اور سرنگوں ہو گئے۔ اور جناب والا کے ارشاد کا یہ حصہ کہ اس
تھوڑی زندگی کو یونہی کاٹ دو۔ اس کا بھی اظہار ہو گیا کہ چھ مہینے کے اندر عبدالرزاق شاہ
نے بہادر علی خان صاحب خان بہادر رئیس باڑہ کے مکان پر انتقال کیا۔

اور حضور قبلہ عالم نے اپنے قدیم تہبند پوش مستقیم شاہ صاحب کو یہ قطعی حکم دیا تھا کہ موجودات
عالم میں کسی چیز کو نہ دیکھو۔ چنانچہ اس صاحب بصیرت نے جملہ اشیاء عالم کی رویت سے ایسا
احتراز کیا کہ تہتر سال تک اس فرمان وارثی کی تعمیل میں آنکھیں بند رکھیں۔ پہلے اجمیر شریف
کے معروف پہاڑ مدار ٹیکری پر چالیس برس قیام کیا۔ بعدہٗ تینتیس سال مدار دروازہ کے
قریب زندگی بسر کی اور ایک سو دس سال کی عمر ختم کر کے ۱۳۳۵ھ ہجری میں راہی ملک بقا
ہوئے جن کی اجمیر شریف میں غیر معمولی شہرت تھی۔

میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ سرکار عالم پناہ نے جب حجاز کا دوسرا سفر کیا تو مستقیم
شاہ ہمراہ رکاب تھے اور یہ تو خود حضور نے مجھ سے فرمایا کہ مستقیم شاہ قدیم
تہبند پوش ہیں ساٹھ برس ہوئے جب مدار ٹیکری پر ان کو بٹھایا تو ہم سے یہ خواہش
کی کہ ایک مرتبہ اپنی صورت دکھا دو۔ ہم نے صورت تو دکھا دی مگر یہ کہا کہ اب دنیا کی

کسی چیز کو نہ دیکھنا۔ جب سے انھوں نے آنکھیں بند کرلی ہیں اور وضع کے پابند ہیں۔ انھوں نے اکسیر کھائی ہے۔ اور اکسیر بنانا بھی جانتے ہیں۔

یہ غیر معمولی مجاہدہ جس کی تعمیل بمقتضائے قوت بشری محالات سے معلوم ہوتی ہے مگر سرکار عالم پناہ کے تصرفات باطنی کی یہ شان تھی کہ آپکے ادنیٰ غلام نے بکمال ضبط و استقلال حسب ارشاد بہتر سال تک خلاف فطرت انسانی آنکھ نہیں کھولی اور دنیا کی کسی چیز کو نہیں دیکھا۔

اور تھوڑا غور کرنے سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ حضور قبلۂ عالم نے جو اپنے ارادتمندوں کو عام طور پر یہ تعلیم فرمائی تھی کہ محبت کرو اور اپنے غلاموں کا مشرب عین محبت تجویز کیا تھا تو اسی مناسبت سے جملہ مسترشدین کو ان کی یافت اور استعداد کے لحاظ سے اذکار و اشغال۔ ریاضات و مجاہدات کی تعلیم بھی فرمائی۔ چنانچہ مستقیم شاہ صاحب کے اس مجاہدہ کو بھی محبت سے کامل مناسبت اسلئے ہے کہ محبت صادق کا تقاضا یہی ہے کہ محب کو موجودات عالم میں ماسوائے محبوب کچھ نہ دکھائی دے۔ چنانچہ حضور کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے کہ محبت میں انسان اندھا ہوجاتا ہے اور شیخ اکبر محی الدین عربی علیہ الرحمۃ نے فتوحات مکیہ میں محبت کی یہی تعریف لکھی ہے کہ محبت میں انسان اندھا اور گونگا ہوجاتا ہے لہٰذا ہمارے رہنمائے کامل نے مستقیم شاہ صاحب سے وہی مجاہدہ کرایا جس کو درحقیقت محبت سے کلیۃً سروکار تھا۔"

اور دوسرے دست گرفتہ کے واسطے حضور قبلہ عالم نے بالکل اس مجاہدہ کے برعکس اور اس سے بہت زیادہ دشوار اور ناقابل برداشت مجاہدہ تجویز فرمایا جو صریح فطرت بشری کے خلاف ہے کہ حافظ گلاب شاہ صاحب وارثی ساکن آگرہ کٹرہ مداری خاں کو یہ حکم قطعی دیا کہ کسی وقت آنکھیں نہ بند کرو۔ شب و روز ایک نشست سے بیٹھو اور ہمیشہ بیدار رہو اور جو کچھ خدا دکھائے دیکھو اور مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى کا مصداق نہ ہو اور ہمہ وقت کی مصروفیت کے واسطے شغل سلطان الاذکار تعلیم فرمایا۔

چنانچہ چوالیس سال تک سرکار عالم پناہ کا وہ سچا فرمان بردار ایک پتھر کا بیٹھا ہوا تکیہ سا

کھولے اسی طرز سے عالم حیرت میں بیٹھا رہا جس کی ہیئت مجموعی سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ حق شناش حضرت احدیت کی قدرت کاملہ کا کوئی عجیب وغریب کرشمہ دیکھ رہا ہے اور اسی حالت محویت میں وہ جاں نثار وارثی قید ہستی سے آزاد ہو کر جوار شاہد حقیقی کی سیر میں معروف ہوا۔

یہ مجاہدہ اپنی نوعیت میں ایسا فرد ہے کہ شاید دو چار صدیوں کے اندر اس کی مثال ملنا ناممکن اور محال ہے لیکن حافظ گلاب شاہ صاحب نے اس اہم ترین مجاہدہ کی جو مکمل تعمیل کی ان کی اس کامیابی کی واقعی حقیقت یہ تھی کہ جس خیال نے موصوف کو شب روز بیدار رکھا وہ ثمرہ تھا اسی محبت کامل کا جس کی حضور قبلۂ عالم نے اپنے غلاموں کو عام طور پر یہ ہدایت فرمائی تھی کیونکہ محبت کا ایک مشہور خاصہ "خفتن حرام" بھی ہے ورنہ سوائے درد محبت کے اور کسی دوسری قوت سے ممکن نہ تھا کہ خلاف فطرت انسانی چوالیس سال تک اس اہم اور دشوار مجاہدہ کی تعمیل گلاب شاہ سے ہوتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جملہ کرشمے اسی صاحب قدرت کی قوت کے ہیں جو ایسے مجاہدات کا حکم دیتا تھا۔ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

گلاب شاہ کے مجاہدہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ واقعی ہادیانِ راہ طریقت سالک کی باطنی ماہیت کو دیکھتے۔ اور اسی اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے۔ جیسا کہ حضور قبلۂ عالم نے اپنے دونوں مریدوں کا روحانی علاج دو نوع پر کیا۔ کہ ایک دست گرفتہ کیواسطے اشیاء عالم کا دیکھنا ممنوع گردانا۔ اور دوسرے فرمان بردار کو یہ حکم دیا کہ آنکھ بند نہ کرنا اور ہر دو مرضا نے چونکہ طبیب حاذق کا نسخہ استعمال کیا۔ اسلئے دونوں کامیاب اور فائز المرام ہوئے۔

لیکن خدا بخش صاحب وارثی کا مجاہدہ اور بھی زیادہ عجیب تھا جس کی پوری تفصیل نگارش ہو تو طوالت کا خوف ہے حالانکہ موصوف کا تذکرہ عبرت انگیز اور سبق آموز ضرور ہے۔ مگر خلاصہ اس کا یہ ہے کہ سرکار عالم پناہ نے ان کو موضع پینڈ ضلع بارہ بنکی میں لبنی کے باہر چند شرائط کے ساتھ گوشہ نشین فرمایا جن میں سے بعض احکام یہ تھے کہ اول بہت مختصر مقام

محدود فرماکر ارشاد ہوا کہ اس کے باہر نہ قدم رکھنا۔ دوم یہ کہ مکان میں نہ رہنا درخت کے نیچے زندگی بسر کرنا۔ سوم یہ شرط بہت دشوار تھی کہ حیوانات کے ساتھ ترک نباتات بھی لازم گردانا اور نمک کا استعمال بھی ممنوع فرمایا۔ ناظرین کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ سات برس تک خدابخش شاہ صاحب اس فرمان وارثی کی تعمیل یوں کرتے رہے کہ جب زیادہ اشتہا ہوتی تھی تو پانی میں راکھ گھول کر پی لیتے تھے۔

مگر اس کے بعد شفقت وارثی نے اس قدر آسانی فرمائی کہ بغیر کسی تحریک کے ایک روز ارشاد ہوا کہ اس محدود مقام میں جو نباتات خودرو ہوں یا لال دانہ بلا طلب کوئی دے جائے تو بغیر شرکت نمک کھا لیا کرو۔ غرض چھتیس سال تک ان کی خوراک میں اس محدود مقام کی گھانس رہی جس کو جوش کر کے پی لیتے تھے۔ یا کبھی کبھی لال دانہ اگر اس جنگل میں کوئی دے گیا تو کھا لیا کرتے تھے۔

حالانکہ خدابخش شاہ صاحب معمولی طبقے کے بے پڑھے شخص تھے مگر علاوہ اور صفات کے جن کا ذکر یہاں کیا گیا۔ ان کی قناعت اور استقامت ہی ان کے اظہار منزلت کے لئے کافی دلیل ہے کہ اس غیر معمولی مجاہدہ کی تعمیل کس دلیری اور جوانمردی سے کی جس کے خیال سے دل لرزتا ہے۔

مگر میں پھر وہی عرض کروں گا کہ خدابخش شاہ کی یہ قوت نہ تھی کہ اس ناقابل برداشت بلکہ خلاف فطرت انسانی مجاہدہ کی تعمیل کرتے۔ اور جو کچھ کیا یہ اسی محبت کا کرشمہ تھا جو فیضان وارثی نے اپنے غلاموں کو تفویض فرمائی ہے جس نے خدابخش شاہ کی طلب کو طلب صادق بنایا کہ موصوف خودی سے بے خود ہو کر خواہشات النسانیہ سے قطعاً فارغ ہوئے اور مطلوب حقیقی کی ہستی کے آگے اپنی ہستی کو نیست و نابود کیا۔

الغرض اس سلسلہ میں چند اخوانِ ملت کی مجاہدت کا میں نے تمثیلاً ذکر کیا ورنہ حضور قبلۂ عالم کے متعدد ارادتمندوں نے ایسے ایسے ناقابل برداشت مجاہدے کئے ہیں جو یقینی

قوت بشری سے باہر اور صریح فطرت انسانی کے خلاف تھے مگر طوالت کے خوف سے
ان کی صراحت نہ کر سکا۔

اصول ایمان واسلام | علیٰ ہذا حضور قبلہ عالم نے ہم کو وہ مذہبی اصول بھی جن
کو ایمان سے گہرا تعلق اور اسلام سے پورا سروکار ہے اس طرح
تعلیم فرمائے کہ ہماری حالت اور استعداد کے اعتبار سے ان کی حقیقت اور ماہیت کا
دقیق فلسفہ نہایت آسان اور بامحاورہ الفاظ میں بکمال شفقت سمجھایا۔

چنانچہ یہ عام دستور تھا کہ جس طرح بغیر کسی تخصیص اور امتیاز کے جملہ مریدین و
معتقدین کو خدمت اقدس میں باریابی اور قدمبوسی کا شرف ضرور حاصل ہوتا تھا اسی
طرح یہ بھی خاص پرورش تھی کہ باوجود دائمی محویت کے باقتضائے خلق عظیم ہمیشہ
آپ نے یہ تکلیف گوارا فرمائی کہ ہر امیر و غریب سے مخاطب ہو کر اس کی تسکین و تشفی کے
واسطے کچھ کلمات ضرور ارشاد فرمائے یا اس کی طلب کے لحاظ سے اس کو کوئی ہدایت
ایسی کی گئی جو اس کے درد کی خاص دوا ہوئی۔ مثلاً کسی کو اسی قدر فرما کر رخصت کیا
کہ اچھا جاؤ! پھر ملاقات ہوگی " یا اس کو غمگین اور آبدیدہ دیکھا تو یہ ارشاد ہوا گھبراؤ
نہیں۔ فلاں موقع پر پھر آجانا۔ یا اور زیادہ عنایت منظور ہوئی تو یہ فرمایا " فلاں
تاریخ تمہاری بستی کے قریب ہم آئیں گے۔ تم بھی وہاں آجانا۔

اور کبھی کسی کے واسطے عزت افزائی کے طور پر یہ ارشاد ہوتا تھا کہ یہ وضع کے
پابند ہیں یا خادم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ مہمان کی بہت کشادہ پیشانی سے خاطر
کرتے ہیں۔ یا یہ ارشاد ہوا کہ اہل بستی ان کی عزت کرتے ہیں۔ اور کسی دل گرفتہ سے یہ
فرماتے تھے کہ " اگر خیال پختہ اور محبت صادق ہو اس کے لئے فراق بھی عین وصال ہے
اور کسی سے یہ فرماتے تھے کہ جاؤ اگر محبت ہے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں " کسی
سے فرماتے تھے کہ " یہ مشہور مثل سچ ہے کہ محبت سے خدا ملتا ہے "

اور اگر کسی کو کوئی خاص ہدایت فرمائی تو وہ بھی اس سادگی اور بے تکلف طریقہ سے
حجاب اور تخلیہ کی نوبت بہت کم آتی تھی مگر اس ہدایت کے انداز دو تھے۔ یا بشکل الطاف و
پرورش یا بصورت تحکم وتاکید ہوتی تھی۔ اور چند روز میں اس کا بھی اندازہ ہو جاتا تھا
کہ اس ہدایت سے مسترشدین نے فائدہ حاصل کیا۔ کیونکہ اکثر طالبین متحیر۔ بعض خاموش۔
بعض کیف بعض ہر وقت آبدیدہ رہتے تھے اور ان کے عادات روزمرہ میں نمایاں طور
پر انقلاب ہو جاتا تھا۔ بلکہ ان کی اس غیر معمولی حالت سے اگر یہ بھی سمجھا جائے تو بے جا
نہ ہوگا کہ ان کے قلبی کیفیات بھی مبدل ہو جاتے ہوں گے۔

مگر ایسے ارشادات وہ ہوتے تھے جن میں ریاضت ومجاہدت کا حکم خاص اور قطعی
ہوتا تھا یا صفات عشق اور برکات محبت کے حقائق و دقائق کا ذکر آپ فرماتے تھے اسی
وجہ سے وہ احکام بجائے تعمیم کے شخصی اور انفرادی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی لحاظ سے
ان کا اعادہ بھی نہیں کیا جاتا۔

غرض یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ بارگاہ وارثی میں ہدایت کے واسطے نہ زمان نہ
مکان کی قید نہ کسی شخصیت اور امتیاز کی تخصیص تھی۔ جب اور جس کی استعداد جس ہدایت کے
لائق دیکھی اس کو وہی حکم ہوا۔ جس کا وہ اہل تھا۔

اب یہ امر قابل غور ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے تقریباً ستر سال تک مسلسل خلق اللہ کی
ہدایت فرمائی اور دوران سیاحت میں مختلف مقامات بلکہ مختلف ممالک میں مختلف اقوام
کے مختلف الخیال مسترشدین کو اپنے فیضان سے مستفیض فرمایا۔ لہٰذا آپ کے کثیر التعداد
ارشادات سے کوئی ایک شخص کما حقہٗ خبردار ہو یہ تو محالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ
واقعہ یہ ہے کہ کوئی خادم برابر حاضر خدمت نہیں رہا۔

البتہ کسی خادم کو آپ کے حالات روزمرہ اور ہدایات کثیرہ سے اگر کچھ واقفیت
ہو سکتی ہے تو اسی قدر کہ جو واقعات اس کے اوقات حاضری میں وقوع پذیر ہوئے

ان کا علم اس کو ضرور ہوگا اس اعتبار سے مجھ ہیچمداں کو تو بہت قلیل زمانہ کی حاضری نصیب
ہوئی اور اس مناسبت سے میری معلومات بھی بہت محدود ہے کیونکہ وہی احکام جو وقتاً
فوقتاً میرے سامنے صادر ہوئے ہیں وہی میرا مبلغ علم ہیں اور انھیں کو گذارش کروں گا۔
لہذا یہ اندیشہ کہ جو فرمان میں نے لکھے یا آیندہ لکھوں گا۔ یہی جملہ احکام وارثی ہیں۔
غلط ہوگا بلکہ حضور کے ملفوظات کا بہت چھوٹا حصہ ہوگا جن کا ذکر ان اوراق میں آئیگا۔
لیکن دشواری یہ ہے کہ باوجود اس مختصر واقفیت کے ان احکام کی بھی تعداد اس قدر ہے
کہ ان کا تفصیلی ذکر کرنا اور ان ہدایات سے جو مستفید ہوئے ہیں ان کی ظاہری حالت کا
بصراحت اظہار کرنا بھی طوالت سے خالی نہیں ہے تاہم بہ نظر اختصار تمثیلاً ایسے چند
ارشادات نقل کرتا ہوں جن کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارے رہنمائے کامل
نے اپنے غلاموں کو توحید حضرت واجب الوجود کی نسبت کیا ہدایت فرمائی ہے۔

توحید | چنانچہ سرکار عالم پناہ نے توحید احدیت اور تصدیق الوہیت اور تفہیم
ربوبیت کے متعلق اکثر فرمایا کہ خدا عالم الغیب ہے جو تمہارے دل کا
حال جانتا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد اللہ جل جلالہٗ کے اسم علیم و خبیر کا صحیح ترجمہ ہے اور شاید
اس مختصر جملے کا اشارۃً یہ مفہوم ہو کہ اس دانائے راز عالم عالمِ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ کی
قوت و قدرت کا تم زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرو۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور یہی مضمون مگر دوسرے الفاظ میں یوں
فرمایا ہے کہ جن کو محبت صادق ہے ان کو ہر چیز میں ذات الٰہی کا جلوہ نظر آتا ہے حضور
کا یہ فرمان آیہ کریمہ "اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ" اور "اَیْنَمَا کُنْتُمْ فَھُوَ مَعَکُمْ" کی
مکمل تفسیر ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ جس طرح خدا سب کا خالق ہے اسی طرح تمام عالم کا رازق ہے۔ یہ
ارشاد وارثی اس آیہ کریمہ کا بامحاورہ الفاظ میں صحیح ترجمہ ہے۔ جس میں رازق العباد لے

اپنی عام ربوبیت کا بصراحت ذکر کیا ہے۔ "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ خدا ایسا قادر مطلق ہے کہ تمام عالم اس کے قبضہ قدرت میں ہے نگاہ تامل سے دیکھا جائے تو یہ مختصر جملہ "وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ" اور "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" کا نہایت صحیح مفہوم ہے۔

یہ بھی اکثر ارشاد ہوا ہے کہ جو خدا پر بھروسا کرتا ہے خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اپنے کام خدا کے سپرد کرتا ہے خدا اس کے کام بنا دیتا ہے" حضور قبلۂ عالم کے یہ ملفوظ "وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" کے لفظی ترجمے ہیں۔

یہ بھی آپ نے اکثر فرمایا ہے کہ خدا نے ہر کام کے واسطے ایک وقت مقرر کیا ہے اور یہ فرما کر آپ یہ حدیث پڑھا کرتے تھے "كُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا"

یہ بھی ارشاد ہوا کہ موحد وہ ہے جو مدحت اور مذمت کو برابر جانے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جس نے حق کو حق کے ذریعہ سے تلاش کیا اس کی توحید صحیح ہے اور جس نے حق کو نفس کے ذریعہ سے تلاش کیا اس کی توحید ناقص ہے اور یہ بھی فرمایا کہ توحید علم سینہ ہے جس کی سفینہ میں گنجائش نہیں۔ کیونکہ توحید نہ تقریر سے ادا ہو سکتی ہے اور نہ تحریر میں آسکتی ہے بقول مولانا علیہ الرحمۃ ؎

ہست نادانی دریں رہ علم بیست   علم را بگزار تا دانی یکیست

یہ بھی فرمایا ہے کہ حقائق توحید کا انکشاف موحد کی نیازمندی سے ہوتا ہے چنانچہ ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ توحید کے اسرار مکنون کا اظہار کسب و کوشش سے نہیں ہوتا۔ بلکہ سالک بہ ہزار عجز و انکسار جب اپنی مجبوری کا اقرار کرتا ہے تب اسرار توحید سمجھنے کی استعداد منجانب اللہ تفویض ہوتی ہے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

"سُبْحَانَ مَنْ لَمْ يَجْعَلْ لِخَلْقِهٖ سَبِيْلًا اِلٰى مَعْرِفَتِهٖ اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ"

یعنی پاک ہے وہ خدا جس نے خلق کو یہ راستہ بتایا کہ معرفت حق کے لئے عجز لازمی

۷۔ العجز عن درک الادراک ادراک۔

یہ بھی فرمایا کہ موحد وہ ہے جس کے دل سے ماسوائے اللہ کا خیال محو ہو جائے۔
اس ارشاد میں توحید ذات کے مقام علیا کی تعریف ہے کیونکہ جس طرح توحید کے لغوی معنی متعدد اشیاء کو ایک کرنا ہیں اسی طرح یہ بھی مسلمہ ہے کہ دوئی کا خدشہ بھی سالک کو مشاہدہ انوار حضرت احدیت کے محجوب رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرات صوفیہ نے فرمایا ہے کہ موحد کامل وہی ہے جس کو وحدہ لاشریک لہٗ فی الوجود کا مرتبہ حاصل ہو جیسا کہ ابو العباس قاسم بن محمد سناری علیہ الرحمۃ کا یہ قول صاحب طبقات الکبریٰ نے نقل فرمایا ہے کہ اَلتَّوْحِیْدُ اَنْ لَایَخْطُرَ بِقَلْبِکَ مَا دُوْنَہٗ کہ توحید کی تعریف یہ ہے کہ ماسوائے اللہ کا خطرہ بھی دل میں نہ آوے۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ دلائل عقلی و نقلی سے خدائے برحق کو واحد جاننا یا شہود اشیاء موجودات سے ذات واجب الوجود کی یکتائی کا زبان سے اقرار کرنا توحید علمی ہے۔ اور توحید ذات یہ ہے کہ کثرت میں وحدت نظر آئے۔ بقول۔

مغرور سخن مشو کہ توحید خدائے   واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

یہ بھی فرمایا ہے کہ مشرب عشق میں توحید حقیقی کی تعریف یہ ہے کہ اپنے وجود کے ادراک کی ایسی نفی کرنا کہ ہستی حق کے سامنے تعینات کی ہستی مفقود اور نابود ہو جائے۔ اور فنا کے بعد حضرت احدیت کا وہ قرب و اتصال نصیب ہو جس کو حیات ابدی اور بقائے سرمدی کہتے ہیں۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ در حقیقت موحد وہ ہے کہ جس کا آخر اول کی طرف لوٹ آئے اور ایسا ہو جائے جیسا ہونے سے قبل تھا۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک من و تو کا ادراک باقی ہے اس وقت تک اشارت بھی باقی ہے اور عبارت بھی اور جب من و تو کا حجاب اٹھ جائے تو نہ اشارت ہے نہ عبارت ہے۔"

یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کو توحید کا علم حاصل ہوتا ہے اس کی پہلی حالت یہ ہوتی ہے کہ موجودات کی یاد دل سے محو ہو جاتی ہے اور وہ خدا کے ساتھ منفرد رہ جاتا ہے۔"

یہ بھی فرمایا ہے کہ جس نے جملہ واردات و واقعات کا فاعل حقیقی خدا کو جانا وہ موحد ہے۔ حضور قبلۂ عالم نے ان صفات میں توحید افعالی کا خلاصہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ البغدادی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: "مَنْ رَأَى الْأَفْعَالَ كُلَّهَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَهُوَ مُوَحِّدٌ" یعنی جو کل کاموں کو اللہ کی طرف سے جانتا ہے وہ موحد ہے۔ بقول حافظ علیہ الرحمۃ۔

گر رنج پیشت آید و گر راحت اے حکیم   نسبت مکن بغیر کہ اینہا خدا کند

یہ بھی فرمایا ہے کہ دو ید باہر ہے تو مسجد اور مندر میں ایک جلوہ دکھائی دے۔ حضور کے اس ارشاد میں توحید حقیقی کی تعریف ہے۔ چنانچہ اسی مسئلہ کو مولانا روم علیہ الرحمۃ نے بہایت شرح و لبسط کے ساتھ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

گر دو چشم حق شناس آمد ترا   دو ست پر بیں عرصۂ ہر دو سرا

گر ترا چشمیست بکشا در نگر   بعد لا آخر چہ می ماند دگر

گر ہزار اند یک کس بیش نیست   چوں خیالات عدد اندیش نیست

اصل بیند دیدہ چوں اکمل شود   دو ہمیں بیند چوں مرد احول شد

ایں دوئی اوصاف دید احوال است   ورنہ اول آخر آخر اول است

یہ بھی فرمایا ہے کہ جو مسجد میں ہے وہی مندر میں ہے نام کا فرق ہے ورنہ انتظام بگڑ جائے۔ اس ملفوظ میں حضور قبلۂ عالم نے توحید حالی کی تعریف کا خلاصہ فرمایا ہے کہ پہلے غلبۂ اشراق انوار توحید محسوسات افراد موجودات کو مضمحل کرتا ہے پھر وجود موحد مشاہدۂ جمال واجب الوجود میں الیسا غرق اور منہمک ہوتا ہے کہ بجز انوار ذات اور کرشمۂ صفات واحد یکتائے کچھ نظر نہیں آتا۔ یہی مضمون لسان الغیب نے لکھا ہے۔

ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ مست ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

یہ بھی فرمایا ہے کہ خیر و شر اس کی جانب سے ہے مگر تصدیق اس کی مشکل ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا تم میں ہے مگر تم دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ارشاد "فِی اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" کا ترجمہ ہے۔

"یہ بھی فرمایا ہے کہ توحید اب ٹکے سیر ہو گئی ہے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اسرار توحید سے خبردار ہونا بہت دشوار ہے۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جو تم سے نزدیک ہے اسی کو تم سب سے زیادہ دور سمجھتے ہو۔ بمصداق نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔

"یہ بھی فرمایا ہے کہ رب و رام حقیقت میں ایک چیز ہے" اگر علمی حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لغوی بحث اور ملکی اصطلاح ہے کہ ایک لفظ عربی زبان کی ہے اور دوسری سنسکرت کی۔ مگر معنی اور مفہوم دونوں کا ایک ہے اور ہر لفظ کے واسطے ایسا ہی ہوتا ہے کہ دوسری زبان میں اس کی تعبیر دوسرے لفظ سے کرتے ہیں۔

غرض حضور قبلۂ عالم کے انھیں ارشادات یا اسی عنوان کے دیگر ہدایات کے برکات و تصرفات کا بالاعلان یہ کرشمہ تھا کہ ہزاروں حلقہ بگوش تعلقات موجودات سے سبکدوش ہو کر شاہد قدیر و قدیم کی رضامندی کے واسطے میدان تسلیم میں تاحیات سربکف رہے اور مردانہ وار محبت کی دشوار ترین گھاٹیوں سے گزر کر اپنی ہستی کو ہستی معبود حقیقی کے سامنے ایسا نیست و نابود کیا جس کی مثال کم سے کم اس نیرھویں صدی میں ملنا محال ہے۔

چنانچہ اسی خدا پرست جماعت کے بعض افراد کی ریاضات و مجاہدات کا ذکر تمثیلات کے تحت میں آچکا ہے۔ اور ممکن ہے کہ بعض کا تذکرہ اسی صورت سے آئندہ بھی مختصر الفاظ میں نگارش کروں مگر ان کے حالات بصراحت لکھے جائیں۔ اس کی جسارت نہیں کر سکتا اس لئے کہ اول تو اپنی قلیل واقفیت کی وجہ سے قاصر ہوں۔ دوئم اگر

بقدر محدود معلومات کے بھی ان کی سرگذشت لکھوں تو یہ مجموعہ بہت ضخیم ہو جائے گا۔ کیونکہ میرے خیال میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ جن کی کثرت کا اندازہ اسی پر ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں کسی پرستار وارثی کے فقر و فنا کا نقارہ نہ بجا ہو۔ بلکہ ہندوستان کے باہر بھی اکثر مقامات پر اخوان ملت نے اپنے خدا رسیدہ بھائیوں کو دیکھا یا ان کی غیر معمولی شہرت سُنی اور وہاں کے باشندوں کو ان کا گرویدہ پایا ہے۔

بلکہ ۱۳۰۹ھ میں یا اس کو دوسرے الفاظ میں یوں عرض کردوں کہ سرکار عالم پناہ کے سفر حجاز سے واپس آنے کے نصف صدی بعد۔ یہ خفیف دیار عراق اور جوار ایران میں آٹھ مہینے تک پھرتا رہا اور لازمی ہے کہ اس پچاس سال کے عرصہ میں ان مقدس مقامات کے متعدد غلامان وارثی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہوں مگر باایں ہمہ میں نے جس قدر اپنے ممتاز برادران طریقت کو وہاں دیکھا۔ تو بلحاظ تعداد بھی وہ کم نہ تھے اور ان کی حالت اور کیفیت بھی ایسی قابل رشک اور غیر معمولی دیکھی جس کی تشریح دشوار ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو ان کے حالات و واقعات جو کچھ مجھے معلوم ہوئے ہیں۔ آیندہ کتابی صورت میں بالتفصیل نقل کردوں گا۔

الحاصل یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ فیضان وارثی سے بے شمار ارادتمند مستفیض ہوئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج بھی ہماری ہدایت کا دروازہ اسی طرح کشادہ ہے یا مسدود ہو گیا۔ اس کی نسبت میرا خیال نہیں بلکہ تجربہ یہ کہتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کے تصرفات باطنی بدستور جاری ہیں اور یہ روحانی فیض ہمیشہ جاری رہے گا۔ بلکہ زبانی ہدایت کا سلسلہ جو بظاہر موقوف معلوم ہوتا ہے اس کو بھی اس لئے بند نہ کہنا چاہیے کہ سرکار عالم پناہ کے ارشادات کے مضمون و مفہوم کو اگر ہم بہ نظر تامل دیکھیں اور ان خدا پرستوں کے عجیب و غریب حالات و واقعات سے سبق آموز ہوں جو پیشوائے برحق کے فیضان

سے مستفید ہوئے ہیں تو باللہ العظیم یقین نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ ہم اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح ان ہدایات سے حضور کے غلام فائز المرام ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ غلامان وارثی کا یہ کثیر التعداد گروہ۔ باوصف اس کے کہ از روئے ارادت و بیعت مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر باعتبار یافت و استعداد حالت جداگانہ ہے چنانچہ بظاہر دیکھا جاتا ہے کہ ایک طبقہ ان ارادتمندوں کا ہے جو اپنی طلب صادق کی وجہ سے تعلقات موجودات سے دست بردار ہو کر راہِ خدا میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ اس لئے ان کو صف اول میں کھڑے ہونے کا استحقاق حاصل ہے۔

دوسری جماعت ان مسترشدین کی ہے جو دل بیار دست بکار کے مصداق ہیں۔ کہ اپنے مشرب کے اصول ضوابط و شرائط کے بھی پابند ہیں اور بقدر ضرورت۔ مگر بغیر انہماک کے اپنا کاروبار بھی کرتے ہیں۔

ان کے بعد عام مریدین ہیں بظاہر جن کی حالت زیادہ ممیز نہیں معلوم ہوتی لیکن ان میں دو صفتیں بہت بڑی۔ بلکہ قابل رشک ہیں اول یہ کہ ہر شخص کو اس کا ناز ہے کہ ہم وارثی ہیں اور ناز بھی معمولی ناز نہیں۔ بلکہ اس کا یقین کامل ہے کہ یہی وسیلہ ہمارے حصول مقصود کے لئے کافی ہے اور صفت ثانی یہ ہے کہ ہر شخص کا قلب اثرات محبت سے متاثر ضرور ہے اور کم سے کم وہ اپنی محبوب ترین چیزوں سے زیادہ پیشوائے برحق کی محبت رکھتا ہے۔ جس کا اظہار ان کے حالات وعادات سے نمایاں طور پر ہوتا ہے۔

الحاصل حضور قبلہ عالم کے فیضان باطنی سے جملہ حلقہ بگوش بقدر استعداد مستفید ضرور ہیں۔ ہاں کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ اور یہ تفریق ہمارے قلب کی صلاحیت کی مناسبت سے ہے ورنہ سرکار عالم پناہ نے بغیر کسی تخصیص کے سب کو یکساں ہدایت فرمائی بقول حافظ علیہ الرحمتہ۔

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست   ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

ہندؤں کو توحید کا سبق | حضور قبلہ عالم کی ہدایت میں ایک مخصوص اور جلیل القدر شان یہ دیکھی کہ آپ کی ہدایت عام کسی قوم اور کسی مذہب کے واسطے موقوف اور محدود نہ تھی بلکہ مساوات کے زبردست اصول کے مطابق آپ نے سب کو یکساں ہدایت فرمائی۔ اور جس بزرگانہ شفقت سے مسلمانوں کو توحید حضرت احدیت کے دقیق مضامین نہایت سلیس اور آسان لفظوں میں سمجھا جائے اسی طرح بکمال عنایت ہندوؤں کو شرک کے نقصانات اور توحید کے برکات سے آگاہ کیا اور ایسے پُراثر الفاظ میں محبت الٰہی کی تعلیم فرمائی عموماً ہندو دست گرفتہ بطیب خاطر موحد اور بعض فائز المرام ہو گئے۔

چنانچہ جملہ غلامان وارثی کو اس کا علم ہے کہ آپ کے حلقہ بگوش ہندو بکثرت تھے اور طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ہندو داخل سلسلہ ہوتا تھا تو استغفار کے بعد اقرار اطاعت لے کر آپ اس کو یہ ہدایت ضرور فرماتے تھے کہ پتھر کو نہ پوجنا اور جھٹکے کا گوشت نہ کھانا اور برہم پہچانو۔

لہذا علاوہ اور ہدایتوں کے جو وقتاً فوقتاً ہندو ارادتمندوں کو ہوتی رہتی تھیں اگر بہ نگاہ تامل دیکھا جائے تو یہی تین لفظیں مشرک کو موحد اور گم کردہ راہ کو حق شناس بنانے کیلئے کافی ہیں اور اسی ایک ہدایت کی تعمیل سے انسان کامل الایمان ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ جھٹکے کا گوشت کا استعمال بموجب آیہ کریمہ "وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" ممنوع گردانا اور پتھر کی پرستش سے احترازانہ توحید خالق مطلق کا مکمل سبق ہے اور برہم کی معرفت "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" کی بسیط تشریح کا خلاصہ ہے۔

غرض فی الحقیقت یہ ہدایت کس قدر جامع اور یہ چھوٹے چھوٹے جملے کیسے وسیع المعنی اور کثیر المفاد ہیں جو ادنیٰ کو اعلیٰ اور ناقص کو کامل بنا سکتے ہیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسی ایک ہدایت کی بدولت ہزاروں ہندوؤں نے شرک سے بیزار ہو کر توحید رب العزت کا اقرار کیا۔ اور حضور قبلہ عالم کے فیض و تصرف سے ایسے

مستفیض ہوئے کہ اغیار نے ان کو خدا رسیدہ لوگوں میں شمار کیا۔

لہٰذا گو دیگر ہدایات بھی قابل ذکر ضرور ہیں لیکن بہ نظر اختصار اس باب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اسی ایک ہدایت مذکورہ بالا کے اثرات سے کیسے کیسے لوگ فائز المرام ہوئے مگر افسوس طوالت کے خوف سے جس قدر واقعات کا علم ہے ان کو بھی بصراحت نقل نہیں کر سکتا۔ اس لئے مختصر طور پر چند حضرات کے حالات تمثیلاً گزارش کرتا ہوں۔

چنانچہ صوبۂ بہار کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ پنڈت چتربھج سہائے بیدانتی و شاستری جودر بھنگہ کے رئیس اور اپنے تبحر علمی کے اعتبار سے ضلع ترہت میں قوم کے سردار تھے قسام ازل نے ان کی ہدایت کے واسطے یہ توسط تجویز فرمایا کہ پنڈت صاحب موصوف نے حکیم مرزا یعقوب بیگ صاحب وارثی خیرآبادی جو در بھنگہ میں مطب کرتے تھے ان کی زبانی سرکار عالم پناہ کا نام نامی سنا اور اس کا یہ اثر ہوا کہ مشتاق زیارت ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ جناب حضرت بانکی پور تشریف لارہے ہیں اور خان بہادر مولوی سید فضل امام صاحب کے مہمان ہوں گے تو پنڈت صاحب ممدوح بھی معہ برادرزادہ کے اس تاریخ کو بانکی پور پہنچے اور حاضر خدمت ہو کر قدمبوس ہوئے اور زبان سنسکرت میں دو اشلوک پڑھے جن میں توحید باری تعالیٰ کا ذکر تھا۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ پنڈت جی اس زبانی اقرار کے ساتھ تصدیق بالقلب کی بھی ضرورت ہے جس کے بغیر تمہاری یہ تصنیف بے نمک کا کھانا اور بے سر کی تصویر ہے۔

اور کلیہ یہ ہے کہ تصدیق بغیر محبت کے نہیں ہوتی۔ اور محبت کا خاصہ ہے کہ تحرق ماسوی المحبوب۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ جب تک خودی کا خیال اور دوئی کا حجاب حائل ہے۔ خدا کی یکتائی کا یقین کامل اور اس کا عرفان ناممکن ہے۔ تم نے بھگوت گیتا میں پڑھا ہوگا کہ کرشن جی نے ارجن کو سمجھا دیا تھا کہ انسان کے دل سے دوبدھا کا یعنی دوئی کا خیال مٹ نہیں سکتا جب تک پریم کی لاگ سے برہم دھیان مکمل نہ ہو جائے۔

پنڈت جی نے دست بستہ ہو کر بکمال عجز و نیاز عرض کیا کہ مہا تما جی کالے کالے حرف زبان سے تو کتابوں میں پڑھے ہیں۔ مگر گو شائیں مہراج تصدیق کا گُر تو گرو ہی کا بخشا ہے۔ جس کا اب تک محتاج ہوں اور اسی کے واسطے آپ کے چرنوں میں لایا کہ آپ جگت گرو اور داتا ہیں، آپ کے در سے اس بھکاری کو بھی ٹکڑا مل جائے گا۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ پنڈت جی۔ خدا اور بندے کے درمیان جو اسرار ہیں اس پر دو بدہا کا پردہ پڑ جانے سے انسان کی آنکھ احول ہو جاتی ہے۔ لیکن اس حجاب کو جب محبت کے ناخن پھاڑتے ہیں تب بندہ اپنی حقیقت سے واقف ہو کر صفات الٰہی کی حقیقی شان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پنڈت جی خلاصہ یہ کہ محبت ہے تو سب کچھ ہے اور محبت نہیں تو کچھ نہیں جیسا کہ مولانا روم نے کہا ہے۔

از محبت مردہ زندہ می شود — وز محبت شاہ بندہ می شود

یہ فرما کر ارشاد ہوا اچھا پنڈت جی جاؤ۔ پھر ملاقات ہوگی۔

پنڈت صاحب نے حکم کی تعمیل کی۔ قدمبوس ہو کر کھڑے تو ہو گئے مگر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ مکیف ہو کر اپنی پگڑی پھینک دی۔ اور ہاتھ اٹھا کر بنہایت پر درد لہجہ میں کہا جے کنہیا لال کی۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

لوگ ان کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔ جب افاقہ ہوا تو پہلا جملہ بے ساختہ ان کی زبان سے یہ نکلا۔ بڑی بھول میں پڑا تھا آج معلوم ہوا کہ وہ نرنکار ہر گھٹ میں براج رہا ہے اور ہر چیز میں اپنے نرالے روپ کا درشن دیتا ہے۔

اسی روز دو دلوں پنڈت حلقہ غلامی میں داخل ہوئے اور حسب الحکم ایک شغل خاص میں ہمہ وقت محو اور رات کے آخری نصف حصہ میں ہمیشہ بیدار رہتے تھے بلکہ پنڈت صاحب کا ایک عجیب و غریب واقعہ اور بھی ہے مگر اس کا لے پردہ مضامین میں اظہار مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

علیٰ ہذا بابو تلک نرائن صاحب وارثی۔ رئیس نواح مظفر پور جو علوم ظاہری اور مذہب

آبائی سے بخوبی واقف تھے اور اکثر حاضر خدمت ہوا کرتے تھے ان کے سامنے ایک ہندو تائب اور سلسلۂ وارثی میں داخل ہوا۔ اور حضور قبلۂ عالم نے ذکر اسم ذات کی تعلیم ان لفظوں میں فرمائی کہ ہر وقت اللہ اللہ کیا کرو۔ اور یہ بھی بتاکید ارشاد ہوا کہ "جھٹکے کا گوشت نہ کھانا۔ اور پتھر کی پرستش نہ کرنا۔ اور برہم پہچانو" جب وہ چلا گیا تو تلک نرائن صاحب نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ یہ غلام جب سے حضور کے ظلِ حمایت میں پناہ گزین ہوا تو حسب الحکم جھٹکے کے گوشت سے احتراز قطعی اور خدا کی وحدانیت کا پورا یقین ہے مگر افسوس مجھ بدنصیب کو اس کا شعور نہیں کہ برہم کیونکر پہچانتے ہیں اور اس جوگ کے جو طریقے ہماری قدیم کتابوں میں مذکور ہیں ان سے دلچسپی نہیں۔ کیونکہ میں آپ کے حکم کا تابع ہوں۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ جو ذکر کرتے ہو۔ تمہارے واسطے وہ کافی ہے اور یہ برہم پہچانوگے تو پھر زمینداری کا کام اور اہل وعیال کی نگرانی کس طرح کروگے۔

موصوف نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ آج سے زمینداری کا خیال بھی نہ کروں گا۔ بلکہ اقرار کرتا ہوں کہ اب ریاست کا پانی پینا بھی مجھکو حرام ہے اور اس کا یقین ہے کہ جو تمام عالم کی پرورش کرتا ہے وہ مجھکو بھی میری قسمت کا ٹکڑا ضرور دیگا۔ کیونکہ حضور کی زبان مبارک سے یہ سن چکا ہوں کہ جس طرح خدا سب کا خالق ہے اسی طرح سب کا رازق بھی ہے"

آپ نے فرمایا کہ تلک نرائن محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ یہاں رہے گی۔ وہی مرتے وقت، وہی قبر میں، وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔ بمصداق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

تلک نرائن صاحب نے ہاتھ جوڑ کر یہ استدعا کی۔ کہ حضور اس پرورش کے ساتھ توفیق بھی مرحمت فرمائیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے ورنہ میں۔ اور میری ناچیز کوشش سے کچھ نہیں ہوگا۔

بابو تلک نرائن صاحب کا یہ عجز حضور قبلۂ عالم کو پسند آگیا اور مسکرا کر سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ محبت میں تکلف نہیں۔ ع معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست ایں جا۔

اس وقت سے بابو تلک نرائن صاحب نے جملہ تعلقات سے دست بردار ہو کر اس باغ میں جو بطور مہمان سرائے کے تھا۔ اور ان کے بزرگ مسافروں کے آرام کے واسطے وقف کر گئے تھے۔ رہنا اختیار کیا۔ اور حضور کے تصرف سے ان کی تاحیات یہ حالت رہی کہ ہمہ وقت کسی خیال میں ایسا مصروف رہتے تھے۔ کہ اکثر پکارنے سے بھی متوجہ نہیں ہوتے تھے اور کسی شب یہ کیفیت ہوتی تھی کہ باغ کے درختوں سے بغل گیر ہو کر روتے تھے اور بآواز بلند کہتے تھے۔ "ہر لحظہ بشکل دگر آں یار بر آمد"

یہ آخر الذکر ارشاد کہ ایک صورت کو پکڑ لو۔ الی آخرہ۔ جبکہ بابو تلک نرائن صاحب کو خاص طور پر ہدایت ہوئی۔ یہ حکم دیگر مسترشدین کو بھی حضور قبلہ عالم نے اکثر تاکید فرمایا ہے۔ اور اس کی تعمیل سے متعدد ارادتمند مستفید ہوئے ہیں۔ کیونکہ معرفت الٰہی کے واسطے یہ نہایت آسان اور بہت مفید طریقہ ہے۔

چنانچہ محققین ارباب طریقت نے اپنے مریدین کی تربیت اور تعلیم کے سلسلہ میں جس طرح دیگر مدارج معرفت کا ذکر کیا ہے اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے کہ معرفت حضرت واجب الوجود دو نوع پر منقسم ہے۔ قسم اول کا نام معرفت بالکنہ ہے جس کو معرفت ذات بھی کہتے ہیں۔ یعنے ادراک حقیقت احدیت جل جلالہٗ۔ یہ جلیل القدر مرتبہ کسب و کوشش سے حاصل ہوتا ہے اور نہ توسل و توسط کا محتاج۔ بلکہ یہ امتیازی شرف۔ مخصوص اور برگزیدہ مقربین کو منجانب اللہ تفویض ہوتا ہے جس کو اصطلاح صوفیہ میں عنایت وہبی اور تشریف ازلی کہتے ہیں۔

اور قسم ثانی کا نام معرفت رسمی یا معرفت صفات ایزدی ہے۔ جس کو عطیات خداوندی اور عنایات مرشدی کے ساتھ جد و جہد اور واسطہ اور وسیلہ سے بھی فی الجملہ تعلق اور سروکار ہے اور اس کے حصول کے واسطے دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ بعض طالب راہ حق۔ انوار قدرت

بچوں دبے چگوں کو آثار صنعت گونا گوں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ بقول۔

وَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

یہ خیال ان کا جب مستقل اور پختہ ہو جاتا ہے تو موجودات کا ہر ذرہ صنعت الٰہی کا کرشمہ اور قدرت لامتناہی کا آئینہ ان کو معلوم ہوتا ہے اور جملہ ارض وسماوات۔ خالق کائنات کی یکتائی اور بے مثلی کے شاہد عادل نظر آتے ہیں۔ بقولہٖ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ بعض عشاق نظارہ انوار شاہد حقیقی کے اشتیاق میں جب تعلقات موجودات سے فارغ ہو کر میدان طلب میں سر بکف کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے اختیارات کی کوتاہی اور نارسائی دیکھکر بہ ہزار عجز وانکسار اپنی محبوب ترین چیز کو معرفت الٰہی کے لئے آئینہ بنا کے اسرار قدرت اور انوار رب العزت کے مشاہدہ کے واسطے جستجو کرتے ہیں اور ان کی یہ نیازمندی بارگاہِ خداوندی میں اگر پسند ہوتی ہے تو اس پردہ میں مطلوب حقیقی کے جمال باکمال کا نظارہ ان کو نصیب ہوتا ہے خصوصاً رہنمائے کامل کی صورت کو جو آئینہ بناتے ہیں ان کو کامیابی جلد اور ضرور ہوتی ہے۔

چنانچہ عارف باللہ سید علی بن سید محمد وفا علیہ الرحمتہ جو مصر کے مشہور ادیب اور کبیر الشان صوفی تھے اور جنہوں نے چالیس سال تک خلق اللہ کی اخلاقی تربیت اور روحانی تعلیم فرما کر سنہ ۸۰۱ھ میں سفر آخرت فرمایا۔ ان کا یہ قول صاحب طبقات الکبریٰ نے جلد ۲ صفحہ ۲۴ میں نقل فرمایا ہے کہ مَنْ کَانَ مَعَ اُسْتَاذِہٖ بِلَا اٰیَۃٍ کَانَ اُسْتَاذُہٗ مَعَہٗ بِاللّٰہِ۔ (ترجمہ) جو شخص بدون اپنے مرشد کے ساتھ ہو گا اس کا مرشد اللہ کے ساتھ اس کی معیت میں ہو گا۔

اور اسی مسئلہ کو مولانا روم علیہ الرحمتہ نے اپنی مثنوی میں بکمال وضاحت تشریح فرما کر صاف الفاظ میں طالبین راہ حق کو بہترین بشارت دی ہے۔

چونکہ ذات پیدا کردی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول۔

ان دونوں مستند اور ممتاز صوفیوں کے اقوال مصرحۂ بالا کا مفہوم اور ماحصل حضور قبلۂ عالم کے اس ارشاد کے مطابق اور مرادف ہے جس کا خصوصیت کے ساتھ بابو نلک نرائن صاحب کو حکم ہوا کہ ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ یہاں رہے گی وہی مرنے وقت۔ وہی قبر میں۔ وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔

بلکہ وہ مستقر جس کو طالب معرفت الٰہی کے واسطے آئینہ بناتا ہے اس کی ظاہری صورت اور جسمانی نوعیت اگرچہ مادی ہی کیوں نہ ہو مگر محبت صادق کے اثرات سے۔ اس کے وہی قوائے مادی طالب کو مثل اشیائے روحانی فائدہ پہنچاتے ہیں جیسا کہ حضرت مخدوم شرف الدین بہاری علیہ الرحمتہ کے تذکرہ میں منقول ہے کہ بہیا کے جنگل میں جب آپ کو استغراق سے افاقہ ہوا اور مسمیٰ چولاہی" ابیر کو ان کے خلوص آمیز خدمات کے صلہ میں ردوعا سنت کی تعلیم دی تو صورت تعلیم یہ اختیار فرمائی کہ ان کی محبوب بھوری بھینس کے تصور کا حکم دیا اور چولاہی صاحب کو اس مادی مستقر سے یہ فائدہ حاصل ہوا۔ کہ واردات روحانیہ سے مستفیض ہو کر فائز المرام ہو گئے۔

علیٰ ہذا ابو محمد رویم بن احمد علیہ الرحمتہ جن کی نسبت امام شعرانی نے لکھا ہے کہ یہ اپنے وقت کے جلیل القدر اور صاحب تصرف ولی تھے اور جن کا ۳۳۳ھ میں وصال ہوا اور شونیزیہ میں مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ لِلْعَارِفِ مِرْآةٌ اِذَا نَظَرَ فِیْهَا تَجَلّٰی لَهٗ مَوْلَاهُ "۔ یعنی عارفوں کے پاس ایک آئینہ ہوا کرتا ہے۔ جب اس کو دیکھتے ہیں تو ان کو اپنے مولا کی تجلی نظر آتی ہے۔

اور لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمتہ نے طالبین راہ حق کے اس مستقر کو استعارہ کے طور پر دوسرے الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما

اور عارف سامی مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمۃ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں سہ

انچہ دیدا ندر رخت جامی کند تحقیق ما گر نہ از تقلید یاں نرسد کہ تکفیرش کنند

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ "اِرْقَبُوْا مُحَمَّدًا فِیْ عِتْرَتِہٖ" کہ محبوب کبریا کے جمال جہاں آرا کا اگر نظارہ مطلوب ہے تو آپ کی عترت اطہار کو آئینہ بنا کر دیکھو گے تو ان کی مقدس صورت میں حضرت رسالت کی شکل زیبا کی دید سے مستفید ہو گے۔

اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ محققین ارباب معرفت کے اس خیال کی بنیاد صرف ان کے شخصی قیاس اور ذاتی اجتہاد پر موقوف نہیں ہے بلکہ قرآن مجید شاہد صادق ہے کہ حضرت رب العزت نے اپنی معرفت کے واسطے بکمال صراحت یہی طریقہ تعلیم فرمایا ہے چنانچہ سورۂ اعراف پارہ ۹ رکوع ۱۶ میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) وقت معینہ پر آئے۔ اور ہم نے کلام کیا تو "قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ اس عبارت کا مفہوم با محاورہ الفاظ میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مشاہدۂ جمال الٰہی کی تمنا ظاہر کی رب العزت نے سمجھا دیا کہ تم نظارۂ عظمت احدیت کی تاب نہیں لا سکتے۔ لیکن اپنے کلیم کی چونکہ خاطر اور عزت افزائی بھی منظور تھی۔ اس لئے دیکھنے کا طریقہ تعلیم فرمایا کہ اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ یعنی پہاڑ کو مستقر بنا دو تو دیکھ سکو گے۔ پھر اس پہاڑ پر شاہد بے نیاز نے تجلی فرمائی۔ تو پہاڑ جلال ایزدی سے پارہ پارہ ہو کر مسمار ہو گیا۔ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اس شہادت قرآنی سے صاف ظاہر ہو گیا کہ باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر رسول اور کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا کے ممتاز خطاب سے سرفراز تھے لیکن اس تخصیص کے ساتھ بھی نظارۂ جمال حضرت ذوالجلال کے لئے ان کو مستقر قائم کرنے کی ہدایت ہوئی۔ اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ پہاڑ کی حقیقی نوعیت اور ماہیت حالانکہ مادی تھی۔ لیکن تجلی انوار الٰہی کے لئے مرکز قرار پایا۔ اور روحانی واردات میں موسیٰ علیہ السلام کا شریک حال رہا۔ اور

موسیٰ علیہ السلام کو اس مستقر کی وساطت سے کماحقہ فائدہ ہوا۔

خلاصہ یہ کہ حضور قبلۂ عالم کا یہ ارشاد جس طرح سیاق طریقت کے مطابق اور اصول مذہب کے موافق ہے اسی طرح روحانی اثرات اور حقانی برکات سے مملو اور معمور ہے جس کے مفاد سے بابو تلک نرائن صاحب دنیا کے دام تزویر سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گئے بلکہ اکثر ہندو اس ہدایت کی تعمیل سے منزل مقصود تک پہنچے۔

جیسا کہ منشی رام سہائیں لال ساکن قصبہ رحیم آباد جن کا حضور کے قدیم ارادتمندوں میں شمار ہے اسی ہدایت کی تعمیل سے ایسا مستفید ہوئے کہ برہم چاری خطاب پایا اور اس خداشناس کا ایام حج میں عرفات پر انتقال ہوا۔

اور سیاحت کرنال میں جب کہ سرکار عالم پناہ حافظ عبدالقیوم صاحب وارثی کے مہمان تھے اور حافظ صاحب کی سفارش سے آپ نے رام سروپ امرتسری تاجر پشمینہ کو داخل سلسلہ فرما کر ذکر اللہ ہو کے دائمی ورد کا حکم دیا۔ اور ارشاد ہوا کہ برہم پہچانو۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ دیوی شریف حاضر خدمت ہوئے۔ تو دیکھا کہ ان کے لباس میں عربی وضع کا ایک کرتہ تھا۔ دوسرے روز رخصت کے وقت یہ حکم ہوا کہ تم بغداد میں منصور حلاج کے ڈھیر پر جھاڑو دیا کرو۔

اور دیبی پرشاد سری واستو کی جب ہردوئی میں بیعت لی تو یہ حکم ہوا کہ پتھر کو پوجو گے تو پتھر ہی دکھائی دیگا اور برہم پہچانو گے تو انوار الٰہی کا مشاہدہ ہوگا اور ہر وقت اسم ذات کی تسبیح پڑھا کرو پھر ایام میلہ کاتک میں وہ حاضر خدمت ہوئے تو ان کو خلعت فقر دیکر برہم شاہ خطاب مرحمت فرمایا۔

الغرض حضور قبلۂ عالم کے فیض و نصرت سے متعدد ہندو موحد اور خدا پرست ہو گئے۔ جن میں بعض حلقہ بگوش محبت الٰہی کے جوش میں تعلقات دنیا سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہوئے اور بعض ارادتمند اہل و عیال کے ساتھ مگر اصول اسلام کے پابند رہے۔

یہودیوں کی ارادت علیٰ ہذا حضور قبلۂ عالم کے فیضان باطنی سے یہودی بھی محروم نہیں۔

رہے۔ بلکہ مثل دیگر ارادتمندوں کے وہ بھی حاضر خدمت ہو کر بکمال خلوص و عقیدت حلقۂ غلامی میں داخل ہوتے تھے۔ چنانچہ فیض و شاہ صاحب خادم خاص بارگاہِ وارثی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم لکھنؤ میں قیام پذیر تھے کہ گھوڑا گاڑی پر ایک مرد اور ایک عورت انگریزی لباس میں ہاتھ میں مٹھائی لئے آئے اور مجھ سے کہا کہ حاجی صاحب بابا سے عرض کرو کہ ہم مدراس سے صرف مرید ہونے حاضر ہوئے ہیں۔ میں لے جا کر حضور سے عرض کیا کہ ایک میم اور ایک انگریز آیا ہے ارشاد ہوا بلا لو۔ میں آکر ان کو لے گیا۔ دونوں قدمبوس ہوئے اور میم نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ ہم گنہگاروں کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیے۔ حضور نے ان کو مرید کیا اور فرمایا کہ "اس کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرو کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول اور کلیم تھے اسی طرح محمدؐ خدا کے حبیب اور پیغمبر تھے اور جو چیزیں قرآن میں حرام اور ممنوع ہیں ان سے پرہیز کرنا۔ اور جو فرض ہیں ان کو بجا لانا۔ اور جھوٹ نہ بولنا" پھر ایک تہبند دیکر ان کو رخصت کر دیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ فیضو تم ان کو انگریز سمجھے تھے۔ یہ یہودی ہیں مگر اب دائرۂ اسلام میں آگئے۔

اور راجہ دوست محمد خان صاحب وارثی تعلقدار موہنہ ضلع سلطان پور ناقل تھے کہ میرے دوست التفات احمد صاحب وکیل نے جب بغرض حج بیت اللہ حجاز کا سفر کیا تو میں بھی بمبئی تک ان کو پہنچانے گیا تھا۔ اور بخیال تفریح دس بارہ روز ایک ہوٹل میں مقیم رہا۔ اس دوران میں جگر کی خرابی سے تپ آگئی اور وہاں کے مشہور ڈاکٹر ہارڈن صاحب کو علاج کے لئے بلایا۔ جو صورتاً یورپین معلوم ہوتے تھے۔ مگر موصوف نے "یا وارث" کہکر نبض دیکھی۔ جب نسخہ لکھ چکے تو میں نے کہا "ڈاکٹر صاحب! آپ نے نبض دیکھنے کے وقت یا وارث کیوں کہا۔ موصوف نے کہا یہ میرے مرشد کا نام ہے۔ جو دشواری کے وقت لیا کرتا ہوں۔ میں نے کہا عیسائی کو پیری مریدی سے کیا تعلق۔ انھوں نے ہنس کر کہا میں عیسائی نہیں ہوں میرا آبائی مذہب یہودی ہے مگر اب تو وارثی ہوں۔ میں نے کہا نام آپ کا انگریزی معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اصل

ہیں نام میرا "ہارون" ہے۔ لیکن جب ولایت میں پڑھتا تھا تو میرے کلاس فیلو بوجہ مولی آواز ہونے کے مجھکو "ہار ن" کہتے تھے اور اسی نام سے اب تک مشہور ہوں۔

پھر میں نے کہا۔ یہ تو فرمایئے کہ آپ مرید کب ہوئے۔ انھوں نے کہا میں ۱۸۸۸ء میں اجمیر کے جنرل ہاسپٹل کا انچارج تھا وہاں عرس کے زمانہ میں حاجی صاحب کو دیکھا۔ پہلے میں مرید ہوا۔ پھر میری بہن اور بی بی اور بچے بھی مرید ہو گئے اور ۱۸۹۱ء میں سب کو لے کر دیوی شریف گیا تھا اس وقت یہ حکم ہوا تھا کہ نوکری چھوڑ دو اور خلق اللہ کو فائدہ پہنچاؤ۔ خدا رازق ہے تمہارا حصہ تم کو ضرور دیگا۔ جب سے یہاں رہتا ہوں اور صبح و شام مریضوں کو دوا مفت تقسیم کرتا ہوں اور بہت آرام سے ہوں۔ نوکری سے بہت زیادہ اب آمدنی ہے۔

یہ سنکر میں نے معانقہ کیا اور کہا ڈاکٹر صاحب میں بھی اسی سرکار کا ادنیٰ غلام ہوں پھر ہم دونوں دیر تک حضور کا ذکر کرتے رہے اور شب کو ڈاکٹر صاحب کی دعوت کی۔ جس میں ان کی بہن اور بی بی بھی شریک ہوئیں۔

غرض اس مضمون کے تذکرے دیگر برادران طریقت سے بھی منقول ہیں۔ اور گو کہ ان واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ لیکن شمار کیا جائے تو بمقابلہ ہندوؤں کے یہودیوں کی تعداد کم معلوم ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مضافات بغداد (شریف) میں حضور قبلۂ عالم کے حلقہ بگوش یہودی زیادہ تھے اس لئے کہ وہ اخوان ملت جو سیاحت عراق اور زیارت عتبات عالیات سے مستفید ہوئے ہیں اکثر انکی ان یہودیوں سے ملاقات ہوئی ہے جو حضور کے فیضان عام سے مستفیض تھے علاوہ اس کے بعض واقعات سے بھی اس خیال کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ سرکار عالم پناہ آگرہ میں حافظ گلاب شاہ صاحب کے مہمان تھے کہ خادم نے آکر عرض کیا کہ ایک سن رسیدہ عرب مشتاق زیارت ہیں۔ آپ نے فرمایا بلالو۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو نہایت پر جوش لہجہ میں "یا وارثی انت مولائی" کہکر قدمبوس ہوئے۔ حضور قبلۂ عالم نے فرمایا "این بلدک" (تمہارا مکان کہاں ہے) انھوں نے دست بستہ عرض کیا۔

"اَنَا مِنْ قُوَتِ الْعَمَارَۃِ لِلْبِلَادِ وَالْبَغْدَادِ شَرَّفَہَا اللہُ تَعَالیٰ" (میں قوۃ عمارہ کا باشندہ ہوں جو حوالیٔ بغداد میں ہے) ارشاد ہوا۔ "مَا اِسْمُكَ" (تمہارا کیا نام ہے) عرض کیا "یُوْسُفُ ابْنُ شَمْعُوْنِ الْمُزَوَّدِ" (کہا یوسف ابن شمعون مزود) آپ نے مسکرا کر ان کو سینہ سے لگا یا اور فرمایا "کَیْفَ اُمُّكَ" (تمہاری ماں کیسی ہیں) انھوں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا "مَاتَتْ" (ان کا انتقال ہو گیا۔

پھر حضور قبلہ عالم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ ہمارے پرانے یار ہیں۔ جب قوۃ کی سیر کرنے گئے تھے تو انھیں کے مکان میں ٹھہرے تھے اس وقت ان کی عمر کم تھی مگر ان کے باپ جو وہاں کے یہودیوں کے سردار اور حضرت عزیر علی بنیا علیہ السلام کے مزار کے کلید بردار تھے انھوں نے ہماری بڑی خاطر کی اور اپنے ساتھ اپنے خاندان کے مرد اور عورتوں کو مرید کرا دیا تھا۔ اور خود دنیا پر لات مار کر فقیر ہو گئے تھے۔

ان کی ماں بھی خدا کی محبت میں گھر چھوڑنے پر آمادہ تھیں مگر ہم نے روکا اور کہا کہ اپنے بچوں کو خدا کا بندہ سمجھ کر پہلے پرورش کرو پھر فقیر ہو جانا۔

اور حافظ گلاب شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہیں ان کی خاطر کرو۔ اور اس کا خیال رکھنا کہ یہ لوگ گوشت بہت کھاتے ہیں اور چائے زیادہ پیتے ہیں کسی بات کی تکلیف نہ ہو۔

اور جب حضور قبلۂ عالم نے آگرہ سے مراجعت فرمائی تو ان کو اپنے ہمراہ دیوی شریف لائے اور چند روز کے بعد ان عطیات روحانی کے علاوہ جن کا علم ہم کو نہیں ہے۔ بظاہر بھی ان کو تہبند۔ رضائی۔ کمل۔ اور بعض قیمتی چیزیں دے کر رخصت کیا۔ اور خاص طور پر کچھ ہدایتیں بھی فرمائیں۔

ان کے اس قیام کے دوران میں باتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ یہ حاجی بھی ہیں اور ذکر خفی بھی کرتے ہیں۔ اور یہ تو بچشم خود دیکھا کہ رات کے آخر حصہ میں وہ سوتے نہ تھے۔

اور یہ بھی انھوں نے کہا کہ یہ سفر والدہ کے حکم سے کیا ہے کیونکہ مرحومہ نے دم واپسیں یہ وصیت کی تھی کہ بغیر کسی دوسرے خیال کے صرف مرشد برحق کی قدمبوسی کی نیت سے ہندوستان جانا اور موقع پاکر یہ عرض کر دینا کہ آپ کی مشتاق زیارت مرگئی۔

پارسیوں کی عقیدت اسی طرح پارسی بھی حضور قبلۂ عالم کے دست گرفتہ تھے مگر ہندوستان میں ان کی آبادی چونکہ بہت محدود ہے اس لحاظ سے باعتبار یہودیوں کے اس کثیر التعداد گروہ وارثی میں ان کا شمار زیادہ نہ تھا لیکن جوشِ محبت جو سرکار عالم پناہ کا خاص تصرف اور آپ کے ارادتمندوں کا لازمی حصہ ہے۔ اس کے اثرات سے پارسیوں کا قلب بھی متاثر اور معمور ضرور تھا اور باوجود مذہبی غیرت کے ان کی عقیدت مسلمانوں کی ارادت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ کیونکہ حضور قبلۂ عالم نے محبت الٰہی کا سبق۔ بغیر کسی تفرقہ کے سب کو یکساں اور اس حیثیت سے پڑھایا جو ہادی کل اور رہنمائے کامل کی حقیقی شان ہے۔

چنانچہ مولانا ہدایت اللہ صاحب وارثی، مدراسی جو مشہور ادیب اور محدث اور ماہر ہفت زبان تھے اور جن کے تبحر کا ارباب علم و فضل نے اعتراف کیا وہ بلحاظ مذہب آبائی آتش پرست تھے اور چونکہ اپنے مذہب کے عالم تھے اسلئے پارسی اپنا معتقد انکو سمجھتے تھے۔

لیکن جس طرح موصوف وسیع النظر اور جامع علوم و فنون تھے اسی طرح یہ بھی طبیعت کا انداز تھا کہ کوئی خیال بغیر کسی قوی استدلال کے قائم نہیں کرتے تھے اس لئے آتش پرستی سے مانوس نہ تھے اور بعض شکوک رفع کرنے کے لئے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس کوشش اور جستجو میں صرف کیا کہ کوئی خداشناس مذہب حق تلقین فرمائے۔

عرصہ تک دہریت کے خیال میں مبتلا رہے اور کچھ روز مذہب عیسوی کی تقلید کی مگر تثلیث کا مسئلہ جو اصول مذہب ہے جب سمجھ میں نہ آیا تو فقرائے اسلام کی جانب رجوع ہوئے۔ اور آخر حضور قبلۂ عالم کے حلقہ بگوش ہو گئے۔

چونکہ مولانا کے واقعۂ بیعت و ارادت کا علم چشمدید نہیں اور نہ مجھکو کما حقہ یہ معلوم

کہ کب اور کہاں اور کیونکر سلسلۂ وارثی میں آپ داخل ہوئے۔ اس لئے کہ مولانا نے اپنی سرگذشت کبھی بصراحت بیان نہیں کی۔ البتہ بسبیل تذکرہ اکثر یہ کہتے تھے کہ سرکار عالم پناہ نے ہاتھ پکڑ کے توحید کا سبق اس طریقے سے پڑھایا کہ حقیقت دنیا ایسی منکشف ہوگئی کہ اسباب دنیا سے قطعاً متنفر ہوگیا۔

اور سب نے یہی دیکھا ہے کہ موصوف کا طرز معاشرت نہایت سادہ اور موجودات سے بے تعلق تھا اور تاحیات بکمال ثبات و استقلال ان کا زاہدانہ خیال قایم رہا حالانکہ تبحر علمی کے لحاظ سے ہر جگہ ان کی قدردانی کے واسطے مقتدر حضرات آمادہ ہوئے لیکن ان کے پختہ خیال نے ہمیشہ ان کو آزاد رکھا۔ اور عنایت وارثی سے کبھی ان کا دامن زہد بتکدہ حرص وہوس سے غبار آلود نہیں ہوا۔ اور اسی حالت میں ان کو مالک حقیقی نے دوسرے عالم میں بلالیا۔

علیٰ ہذا ڈاکٹر ددسا بھائی جو آج بہزار فخر و مباہات اپنے نام کے ساتھ وارثی لکھتے ہیں اور بمبئی میں جن کا مشہور ڈاکٹروں میں شمار ہے ان کا بھی عجیب و غریب واقعہ ہے کہ معلوم نہیں کیا صورت پیش آئی کہ موصوف کو بمبئی سے شوق ارادت وارثی کشاں کشاں دیوی شریف لایا۔ اور یہ سعادت ابدی نصیب ہوئی کہ وہ تعلیم یافتہ پارسی بکمال خضوع خشوع سلسلۂ وارثی میں داخل ہوا۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے واقعۂ بیعت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز موصوف مع اپنی بہن کے حاضر خدمت ہوئے اور قدمبوسی کے بعد نہایت اضطراری حالت میں آبدیدہ ہوکر عرض کیا کہ ہم گنہگار ہرگز اس لائق نہ تھے کہ آپ کے مقدس دربار میں حاضر ہوتے مگر آپ واقف ہیں کہ کیونکر آئے اور کس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا۔ اب استدعا یہ ہے کہ ازراہ کرم اپنی غلامی میں قبول فرمائیے۔

حضور قبلۂ عالم نے تھوڑے تامل کے بعد دونوں کو استغفار پڑھا کر داخل سلسلہ فرمایا اور متبسم لبوں سے ارشاد ہوا کہ آتش پرستی کر چکے۔ اب تمام عمر محبت کی اس آگ کا سامنا ہے۔

جو غیر اللہ کے تعلق کو جلا دیتی ہے۔

اور خادم کو حکم ہوا کہ ان کو درگاہ میں فضل حسین کے پاس ٹھہرا دو تاکہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ کیونکہ دور سے آئے ہیں اور بڑے شخص کے فرستادہ ہیں۔

دوسرے روز دونوں قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے تو ڈاکٹر صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ ہم کو کوئی ہدایت فرمائی جائے۔ سرکار عالم پناہ نے ڈاکٹر صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ,, محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دل ہر وقت یادِ محبوب میں مصروف رہے اور ہاتھوں سے دنیا کا کام اس طرح کرو کہ نہ دل کو ہاتھوں سے سروکار ہو نہ ہاتھوں کو دل سے تعلق رہے اور اس کی تصدیق ہو کہ خدا ہر ایک تشبیہ اور تمثیل سے معرا اور واحد اور قدیم ہے۔ جاؤ خلق کو فائدہ پہنچاؤ۔"

ڈاکٹر صاحب کی بہن نے عرض کیا۔ میرے پیارے رہنما میرے لئے کیا حکم ہے ارشاد ہوا کہ " بجز خدا کے کسی کو معبود نہ جانو اور تم ہر مہینے کے وسط میں تین روزے رکھا کرو۔ اور جس کو بھوکا دیکھو اس کو کھانا کھلاؤ اور جو پیاسا ہو اس کو پانی پلاؤ۔ یہ فرما کر رخصت کر دیا۔

دوران قیام میں اکثر لوگوں نے ڈاکٹر صاحب سے یہاں آنے کا سبب مختلف عنوان سے دریافت کیا۔ مگر انھوں نے یہ راز پوشیدہ رکھا۔ اور جواب میں یہی کہا کہ قسمت اچھی تھی جو نار سے گلزار میں آئے۔

عیسائیوں کا استفادہ اسی طرح متعدد عیسائیوں نے حضور قبلۂ عالم کی پر اثر ہدایت سے متاثر ہو کر اپنی قدیم معتقدات سے انکار اور توحید حضرت احدیت جل جلالہٗ کا بکمال صدق و خلوص اقرار کیا اور حضور کے ظلِ حمایت میں پناہ گزین ہوئے۔

اور آپ کے اس مخصوص فیض کبھی انکا قلب مستفیض ہوا جو عموماً غلامان بارگاہ وارثی کا اللہی حصہ ہے یعنی عیسائی حلقہ بگوش بھی بقدر استعداد محبت الٰہی کے جوش میں تا حیات بعض خاموش کیسا تھا اور بعض ہمہ تن مدہوش تھے بلکہ اس تصرف وارثی کا اثر ایسا گہرا اثر ہوا کہ دست گرفتہ عیسائی جو دل بیار دست بکار کے مصداق تھے انکے بھی عادات

خیالات دائرہ انتظام سے باہر نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان کے عرائض سے نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے کہ کاتب کا دل دردِ شوق سے مغموم اور سوزِ محبت سے ضرور معمور ہے۔

چنانچہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے جن کا قدیم خرقہ پوش فقرا میں شمار ہے۔ (کیونکہ موصوف کو ۱۷ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ کو سرکار عالم پناہ نے خلعت فقر مرحمت فرمایا تھا) اپنے رسالہ ضیافت الاحباب میں بعض عیسائی ارادتمندوں کے ایسے عرائض تمثیلاً نقل کئے ہیں جن کا ہر جملہ زبان حال سے شاہد ہے کہ یہ بے قرار دل والوں کی پر درد آواز ہے انھیں عرائض کا اقتباس نقل کرتا ہوں۔

پہلے مسٹر ٹامسن وارثی جو افریقہ کے باشندے اور او۔آر ریلوے کے ملازم اور بارگاہ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش تھے ان کے خط کا ایک جملہ یہ ہے کہ "دستگیر آج کل حضور کی زیارت کیلئے دل بہت بے چین ہے۔ میرا حال آپ پر روشن ہے۔ ہم اور میم صاحب آپ کے غلام ہیں۔

علیٰ ہذا ایک عقیدت مند یورپین۔ جو معمولی یورپین بھی نہیں بلکہ مقتدر اور تعلیم یافتہ عیسائی تھے یعنی ٹہاسری۔ ٹریفک منیجر راجپوتانہ ریلوے۔ جن کی ظاہری آنکھیں حضور قبلہ عالم کی زیارت سے بادی النظر میں مشرف بھی نہیں ہوئیں مگر وہ اپنی طلب صادق کے لحاظ سے نادیدہ جمال، سیرت وارثی پر شیفتہ اور فریفتہ تھے ان کا اجمیر شریف سے آیا ہوا ایک مطول عریضہ جس کے مضامین واقعی شوق و ذوق سے مملو اور جس کے ہر لفظ سے موصوف کی گہری عقیدت اور کامل محبت کا اظہار ہوتا ہے اسکے بعض جملے اس خیال سے نقل کرتا ہوں کہ ان کے مطالعہ سے ہم کو سرکار عالم پناہ کے فیضان باطنی کا یہ کرشمہ نظر آتا ہے کہ وہ دور افتادہ عیسائی جس نے آپ کو دیکھا بھی نہیں تھا مگر ہمارے رہنمائے کامل کے تصرف روحانی سے ایسا مستفید ہوا کہ ان کی تحریر سے ارادت و مودت کی سچی اور دل آویز خوشبو آتی ہے۔

چنانچہ مسٹر موصوف اپنے ایک عریضہ میں جو انگریزی زبان میں تھا علاوہ دیگر مضامین کے

ایک مقام پر لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے " میرے پیشوا میں جانتا ہوں کہ میرا رہنما بجز آپ کے کوئی نہیں۔ مگر میری بڑی تمنا ہے جس کو آپ ہی پورا کر سکتے ہیں کہ ایک ٹکڑا ملبوس خاص کا مرحمت ہو اور اپنی عنایت سے میرے قلبی خواہشات کو پورا کر دیں "۔

باوجودیکہ اس عریضہ کا جواب تشفی بخش اور تسکین بخش الفاظ میں حسب امید سائل کو مرحمت ہوا مگر اس طالب صادق کا دوسرا عریضہ ۲۵ ر دسمبر ۱۹۰۳ء پر جوش مضامین سے مملو پھر آیا۔ جس کے بعض جملوں کا ترجمہ یہ ہے " حضور نے جو تبرک بھیجا ہے اس کو میں تمام عمر اپنے ساتھ رکھوں گا " پھر آگے لکھتے ہیں " جو میرا دل چاہتا ہے وہ مجھ کو دیا جائے۔ اور میرے گناہ معاف فرمایئے " پھر آگے لکھا ہے " میں بھی آپ کے فرزندوں میں ہوں۔ میری حالت ایک گونہ بدل گئی ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ میری مراد پوری کر دیں " پھر آگے لکھتے ہیں " میرے پیارے باپ! میری گریہ وزاری سنئے اور راہ راست سیکھنے میں میری مدد فرمایئے " پھر لکھتے ہیں " میں خوش ہوں کہ اکتوبر میں پانچ برادران طریقت کو دیکھا جو عرس کی شرکت کے لئے یہاں آئے تھے ان سے آپ کی خیریت پوچھی اور معلوم ہوا کہ آپ عافیت سے ہیں "۔

غرض مسٹر موصوف کے چار عریضے اسی مضمون کے اور اسی قسم کی تمناؤں سے بھرے ہوئے رسالہ ضیافت الاحباب میں مسطور ہیں اور ہر خط کے ایک ایک جملہ سے مسٹر سالسبری کے جوش عقیدت اور فرط محبت کا کما حقہ اظہار ہوتا ہے جو حضور قبلۂ عالم کے تصرف باطنی کی عین دلیل ہے اور آپ کی قوت روحانی کی یہ بے نظیر شان نظر آتی ہے کہ فیضان ہدایت نے بغیر مذہب اور عیش پسند قوم کے افراد کو ایسی طلب صادق مرحمت فرمائی کہ وہ راہ حق کے متلاشی اور شاہد حقیقی کے گردیدہ ہو گئے۔

اور بعض عیسائی ارادتمند فیضان وارثی سے اس درجہ مستفیض ہوئے کہ سرکار عالم پناہ نے ان کو خلعت فقر مرحمت فرمایا۔ اور ان خدا پرستوں نے بعد انقطاع تعلقات زاہدانہ زندگی بسر کی اور ننگے سر پا برہنہ ہمیشہ سیاحت میں مصروف رہے۔ چنانچہ بدمی شاہ صاحب

وارثی جن کے ابتدائی حالات اوران کی ارادت وبیعت کے واقعات کا گو مجھکو بخوبی علم نہیں کیونکہ میری صغرسنی میں موصوف کا انتقال ہوا۔ لیکن ان کے ہم عصر حضرات ناقل تھے کہ وہ بارگاہ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش اور نواح ترکستان کے باشندے تھے اوران کا آبائی مذہب عیسائی تھا۔ اوران کی زندگی کا زیادہ حصہ ہندوستان کی سیاحت میں گزرا اور مشہور ہے کہ چین کی سیر کو جارہے تھے کہ اثنائے راہ میں علیل ہوئے اور مانڈلے میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے دست بردار ہوکر دارالقرار کا سفر کیا۔

اسی طرح ولایتی شاہ صاحب وارثی جرمنی جو ہندوستان میں لغرض تجارت آئے تھے لیکن عنایت ایزدی شامل حال تھی کہ حضور قبلۂ عالم کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر تارک الدنیا ہوگئے اور حج بیت اللہ کے لئے پاپیادہ جارہے تھے کہ راستہ میں انتقال ہوگیا۔

علیٰ ہذا عبداللہ شاہ صاحب وارثی بھی عیسائی تھے جن کا نام حضور قبلۂ عالم کے مشہور خرقہ پوشوں کی فہرست میں ہے ان کو میں نے بھی دیکھا تھا ہرچند معمر اور ضعیف بہت تھے لیکن اسم حق کا ذکر ایسے شد و مد کے ساتھ کرتے تھے کہ سامعین کے قلب پر اثر ہوتا تھا۔ چوبیس گھنٹہ میں ایک مرتبہ دن کو ستو کھاتے تھے۔ ہر سال سرکار عالم پناہ کی قدمبوسی کیلئے آتے تھے مدراس کے کسی دیہات میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی اور تقریباً ۱۲۸۵ھ میں وہیں وصال ہوا۔

کونٹ گلارزا کا واقعہ الحاصل قدیم ارادتمندوں کے علاوہ دورِ آخر میں بھی اکثر عیسائی حضور قبلۂ عالم کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر آپ کے فیضان باطنی سے مستفیض ہوئے جن کی عقیدت اور بیعت کے حالات ماسوائے شنیدہ کے بعض دیدہ بھی ہیں اور اکثر واقعات کا خلاصہ یادداشت میں مسطور بھی ہے لیکن بخیال اختصار صرف ایسے ایک عیسائی کی ارادت کا واقعہ نقل کرتا ہوں جو سرکار عالم پناہ کے فیوض و برکات کی مجسم یادگار ہے جس کی حالت اور کیفیت سے جناب حضرت کی زود اثر قوت روحانی کا کافی اندازہ ہوسکتا ہے۔

وہ یہ کہ آخر دسمبر ۱۹۰۳ء میں ایک نوجوان یوروپین عیسائی جس کو اب خدا کا مقبول بندہ

کہنا چاہیئے پیرس سے ایک مترجم کو ہمراہ لیکر دیوی شریف آیا۔ اور حاضر خدمت ہو کر آپ کے دست حق پرست پر تائب ہوا اور بعد اقرار بیعت بہزار عجز و نیاز التدعا کی کہ آپ کے توسط سے اسی زندگی میں اور انہیں آنکھوں سے حقیقتِ صفات صمدیت سے آگاہی اور تجلی انوار احدیت کا مشاہدہ چاہتا ہوں۔

سرکار عالم پناہ نے بکمال شفقت اس کی تسکین اور تشفی فرمائی اور تبسم کے ساتھ اس طالب خدا کو سینے سے لگایا۔ اور بعض ایسے ہدایت آمیز کلمات مشتمل بر رموز و نکات ارشاد فرمائے۔ جن کے اثرات روحانیہ سے وہ خوش نصیب جوش محبت سے بیکیف اور افراط مسرت کرآبدیدہ ہو گیا۔ حضور نے حاجی اوگھٹ شاہ کو حکم دیا کہ ان کو ٹھاکر کے مکان میں ٹھہرا دو اور ان کے آرام کا سامان کر دو اور کھانے کا خیال رکھنا۔ کوئی تکلیف نہ ہو۔

بعدہٗ وہ نوگرفتار دام محبت شام کو بغرض قدمبوسی حاضر خدمت ہوا تو حضور نے مترجم سے فرمایا ان کو سمجھا دو کہ محبت خدا کی قیمت روپیہ اور اشرفی نہیں ہے جو شخص اپنی عادت چھوڑتا ہے اس کو خدا ملتا ہے اگر تصدیق ہو تو ہر چیز میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔

پھر دوسرے روز بعد ظہر حضور قبلۂ عالم نے اس کو بلا کر شیرینی اور نصف تہبند مرحمت فرمایا۔ اور ارشاد ہوا۔ جاؤ ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ رہے گی۔

خادموں نے اس خداشناس عیسائی کا نام دلشان مترجم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس جوان صالح کا نام کونٹ گلارزا" ہے۔ اور امرائے اسپین کے ایک ممتاز خاندان کا یہ رکن ہے اور بڑے دولت مند شخص کا بیٹا ہے۔ مگر بہ نظر تفریح پیرس کے مشہور کانٹی نینٹل ہوٹل میں زیادہ رہتا ہے اور علاوہ علوم مذہبی کے دیگر فنون کا ماہر۔ خصوصاً علم کلام کا بے مثل عالم ہے۔

حالانکہ ہمیشہ سے طبیعت اس کی حق پسند اور وحدانیت پرست تھی اور ارباب زہد اور اصحاب تصوف کا ہمیشہ تلاشی رہتا تھا۔ لیکن مسٹر احتشام علی صاحب وارثی متوطن شہرام

جو بیرسٹری کا امتحان دینے ولایت گئے تھے ان کی زبانی جب حاجی صاحب قبلہ کا نام نامی سنا اور آپ کے صفات سے آگاہ ہوا اس وقت سے مشتاق زیارت تھا

غرض اس نوجوان عیسائی کے حالات کا خلاصہ اور داخل بیعت ہونے کا واقعہ تو اسی قدر تھا لیکن مجھ کو یہ دکھانا منظور ہے کہ بارگاہ وارثی کے اس حلقہ بگوش کو مرشد کامل کی عنایت اور توجہ سے اظہار کیا کیا فیض ہوئے اور اس کے طرز معاشرت میں کیا انقلاب ہوا اور اب یہ عیسائی کس حالت میں ہے اور اسکے کیا خیالات ہیں اسکو تھوڑی صراحت کیسا تھ لکھ دینا ہے

لیکن اگر غائر سے دیکھا جائے تو اس حق شناس کی جدید زندگی کے حالات حسب طریق محبت نہایت شاندار معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ پہلا دور کہ اس طالب راہ محبت کو فیضان وارثی سے کیا حصہ ملا۔ اس کی واقعی تشریح کرنا میرے واسطے یوں دشوار ہے کہ یہ قلبی واردات ہیں جن کا تعلق کلیتہً باطن سے ہے اور اگر مجھ ایسا شخص کوئی اپنا ظنی خیال پیش بھی کرے تو وہ ظن ضرور شبہات سے وابستہ ہوگا۔ اس لئے اس کی صحیح اور قابل اطمینان وضاحت اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ یا کوئی صاحب بصیرت اس طالب راہ طریقت کی حقیقی حالت کا اظہار کرے۔ یا خود فیضیاب خواہ فیض کنندہ کی تقریر یا کسی مستند تحریر سے استنباط کیا جائے۔ لہذا میں یہی صورت اختیار کرتا ہوں اس واسطے کہ یہ آسان بھی اور میرے امکان میں بھی ہے

چنانچہ مستفیض موصوف کے قلم سے نکلے ہوئے وہ الفاظ پیش کرتا ہوں جو زبان حال سے بآواز بلند بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ کونٹ گلارزا کو ایک شب آستانہ وارثی پر قیام کرنے کا شرف حاصل ہوا اور اس عرصہ میں صرف تین مرتبہ حاضر خدمت ہوئے اور ہر مرتبہ چار پانچ منٹ سے زیادہ حضوری نصیب نہیں ہوئی لیکن اکفیں چند ساعتوں میں صحبت وارثی کا وہ اثر ہوا کہ جو برسوں کی مجاہدت سے نہیں حاصل ہوتا۔ بمصداق۔

یک زمانے صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا۔

حضور قبلۂ عالم کے وصال کے تھوڑے عرصہ کے بعد کونٹ گلارزا نے پیرس سے

اپنے دستخطی اور رجسٹری شدہ خط مورخہ ۱۳ مئی سنہ ۱۹۰۷ء کے آخری حصہ میں مترجم کی معرفت حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی کو یہ لکھا ہے "میں آپ سے معانقہ کرتا ہوں اپنے ولی کے حضور میں میں نے ان کو دیکھا کہ دوسرے عالم میں جارہے ہیں اور موت کے قریب انھوں نے اپنے وعدے اور میری خواہش کو پورا کر دیا اور مجھکو اپنے قلب سے توام کر لیا۔

کونٹ گلارزا کا یہ خط جو انھوں نے اپنے ہم مشرب اور ہم خیال دینی بھائی کو لکھا ہے۔ اس کے ان جملوں سے بغیر کسی تاویل کے۔ موصوف کے صفائے باطن اور انکشاف صحیح کا اظہار ہوتا ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ ارباب طریقت نے کشف صادق کو آثار روحانیہ میں شمار فرمایا ہے جو برسوں کی ریاضت اور مجاہدت کے بعد بارگاہ مبدا فیض سے سالک راہ حق کو تفویض ہوتا ہے۔

لیکن فیضان وارثی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ نظر آتا ہے کہ چند ساعات میں ایک عیسائی کے قلب کا ایسا کامل تصفیہ فرمایا کہ وہ پیرس میں بیٹھا دیوی شریف کے حالات دیکھ رہا ہے اور غرۂ صفر کے واقعات حرف بحرف بیان کرتا ہے۔

بلکہ علاوہ اس فیض روحانی کے کونٹ موصوف نے اپنی اس بابت کا بھی صاف الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ ولی نے اپنے وعدے اور میری خواہش کو پورا کر دیا۔ خواہش کیا تھی اس کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ تجلی انوار الٰہی کا مشاہدہ ہو اور اس کا اقبال ہے کہ پیشوائے برحق نے پورا کر دیا تو یہ ایک فیض۔ ایسا ممتاز اور جلیل القدر فیض ہے جسکو تمامی فیوض کا جامع کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

غرض کونٹ گلارزا کے اس خط سے ثابت ہو گیا کہ رہنمائے کامل نے ایفائے وعدہ فرمایا۔ اس کو یوں کہا جائے کہ ہادی برحق کی عنایت سے مسٹر موصوف کو ان کی خواہش کے مطابق بلکہ امید سے زیادہ ان کو استعداد اور روحانی مرحمت فرمائی۔

پھر اس خوش نہاد عیسائی کا دوسرا خط مرقومہ ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی کے پاس آیا جس میں کونٹ گلارزا نے صرف اپنی اس تحقیق و تدقیق کا تذکرہ کیا ہے کہ حضور

قبلۂ عالم نے وہ احکام میرے واسطے معروف الفاظ میں صادر فرمائے تھے میں نے ان جملوں کے مطالب معنوی پر اپنے خیالات قائم کئے ہیں۔

یہ طرز عمل کہاں تک موصوف کی قوت روحانی کے واسطے مفید ثابت ہوا اس کا علم نہیں مگر کونٹ گلارزا کے اس استنباط سے اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ ہمارے اخی ملت کی روحانیت میں پیشوائے برحق کی عنایت سے روز افزوں ترقی ہوئی۔

اس کے بعد کونٹ گلارزا دارتی اپنے تیسرے خط مورخہ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں لکھتے ہیں "حبیبی ادگھٹ شاہ ذَهَبَ صَاحِبِي الْمُتَرْجِمُ لِذٰلِكَ اَكْتُبُ لَكَ بِالْعَرَبِيَّةِ" یعنی کہ میرا مترجم گیا ہے اس وجہ سے میں تم کو عربی میں لکھتا ہوں "فَرَغْتُ عَنْ اِشْتِغَالِي بِالْعُلُومِ وَالْاٰنَ اَغُوْصُ فِي التَّوْحِيْدِ" یعنی میں علمی مشاغل سے فارغ ہو گیا ہوں اور توحید کے دریا میں غوطہ زن ہوں۔

کونٹ گلارزا نے استعارہ کے طور پر وہ بھی بکمال اختصار "وَالْاٰنَ اَغُوْصُ فِي التَّوْحِيْدِ" میں اپنے مشاغل روحانیہ کا ایسے بلیغ پیرایہ میں ذکر کیا ہے جس کے مفہوم سے ان کے احوالِ قلبی کی مبہم تصویر کے دو رخ دکھائی دیتے ہیں۔ اور ایک رخ سے ان کی روحانیت میں ممتاز شان نظر آتی ہے اور دوسرے رخ سے مسٹر موصوف توحید کے جویا اور متجسس معلوم ہوتے ہیں۔

حالانکہ یہ دونوں صورتیں اہل توحید کے احوال باطنی سے تعلق رکھتی ہیں لیکن دونوں کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلی شکل موصوف کی تکمیل روحانیت پر دلالت کرتی ہے اور دوسری شکل سے ان کا "مَعَ الْفِكْرَةِ فِي مَيْدَانِ التَّوْحِيْدِ" ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

کیونکہ اگر "اَغُوْصُ فِي التَّوْحِيْدِ" سے مراد یہ لی جائے کہ کونٹ دریائے توحید میں غرق اور حقائق توحید سے لمحہ لمحہ خبردار ہیں تو اس صورت میں موصوف کو صاحب دید و یافت کہہ سکتے ہیں اور یافت بھی معمولی یافت نہیں بلکہ بحر توحید کی غواصی جو فی الحقیقت ارباب

معرفت کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ چنانچہ عراق کے مشہور اور صاحب حال صوفی شیخ علی بن الہتی علیہ الرحمۃ کا قول ہے "اَلتَّوْحِیْدُ فَوْقَ الْمَعَارِفِ" کہ توحید معارف سے بالاتر ہے اور عبدالرحمٰن تفسونجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اَرْفَعُ الْعُلُوْمِ عِلْمُ التَّوْحِیْدِ یعنی جملہ علوم سے برتر توحید کا علم ہے اور محققین حضرات صوفیہ نے حقیقت توحید کی نسبت بالاتفاق فرمایا ہے کہ توحید رب الحق نہایت مقامات اور غایت غایات ہے اس لئے یہ مرتبہ انھیں مردان با صفا کو بارگاہ حضرت احدیت سے تفویض ہوتا ہے جو ماسوائے اللہ سے دست بردار ہو کر وادیٔ طلب میں بجمال ضبط و تحمل رضائے معبود کے سامنے اپنی ہستی کو نیست و نابود کرتے ہیں اور تجلی انوار شاہد حقیقی کے شوقِ دید میں پروانہ وار جان نثاری کے لئے تیار رہتے ہیں۔

علاوہ اس کے حضرات موحدین کے ایسے ہی صفات بلکہ ان سے زیادہ ممتاز علامات حضرات صوفیہ نے اور بھی ارقام فرمائے ہیں۔ لیکن خیال یہ ہوتا ہے کہ صفات مذکورہ محقق اور مکمل موحدین کے ہیں اور ایسے صفات سے وہی برگزیدہ ہستیاں موصوف ہوتی ہیں۔ جن کا مقدس وجود صدیوں کے بعد عالم شہود میں آتا ہے اور جن کی عظمت کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے اور ان کے اعزاز و امتیاز کا بار و اغیار اقرار کرتے ہیں۔

اس لئے اگر کوئی مشکوک لہجہ میں کہے کہ کونٹ گلارزا کا ظاہری حالت کے لحاظ سے اس مرتبہ علیا پر فائز ہونا ہماری چشم ظاہر بین کو ناموزوں معلوم ہوتا ہے تو بہ نظر احتیاط پہلے سے یہ صورت اختیار کرنا مناسب حال معلوم ہوتا ہے کہ "خیر الامور اوسطہا" پر عمل کیا جائے۔ اور "اَلْغَوْصُ فِی التَّوْحِیْدِ" کا آخر الذکر مفہوم تسلیم کریں۔ اور اس جملے سے مسٹر موصوف کے باطنی جوش اور روحانی حالت کی نسبت یہی اندازہ کیا جائے کہ آپ ادراک حقیقت توحید کے لئے کوشاں و سرگرداں یعنی طالب توحیدِ حقیقی ہیں۔

کیونکہ ارباب طریقت کے نزدیک سالک راہِ طریقت کے فخر و مباہات کے لئے توحید کا یہ مرتبہ بھی کم نہیں ہے اور اس مقام تک بھی رسائی۔ انہیں جانبازمردان خدا کی۔

ہوتی ہے جو صاحب ثبات و استقلال اور نہایت پختہ خیال ہوتے ہیں۔

بہر حال موصوف بحرِ توحید میں غرق ہوں یا ادراکِ حقیقتِ توحید میں منہمک اور مصروف، ہر دو حالت میں اس نوگرفتارِ دامِ محبت کی شخصیت کا اظہار اور موحدین کی کسی نہ کسی صف میں ان کا شمار کرنا ضرور ہوگا اور بساطِ توحید کے کسی گوشہ پر ان کو جگہ دینا پڑے گی۔ اور جب کونٹ کا زمرۂ موحدین میں داخل ہونا مان لیا جائے گا تو لازمات سے ہوگا کہ ان کو فائز المرام بھی کہا جائے۔ اور یہی دکھانا ہم کو مقصود بھی ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے فیضِ صحبت نے ایک عیسائی طالب کے خواہشاتِ روحانی کو ایسا پورا کیا کہ اس کا اقرار ہے "وَالْاٰنَ اَغُوْصُ فِی التَّوْحِیْدِ"

اس کے بعد عرصہ تک کونٹ گلارزا کا خط نہیں آیا اور نہ کسی دوسرے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ وہ صادق الارادت کہاں اور کس حالت میں ہے۔ لیکن تین سال کے انتظار کے بعد اس آوارۂ دشتِ محبت کا خط مورخہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۰۹ء مصر سے حاجی اوگھٹ شاہ صاحب کے پاس آیا۔ جس کے مضامین سے ظاہر ہوا کہ سلف سے عشق و محبت کا جو مشہور کرشمہ اور مخصوص نتیجہ زبان زد ہے کہ محب صادق کو شوقِ وصالِ شاہدِ حقیقی میں ناقابلِ برداشت صدمات کا سامنا ہونا ضروری اور غیر معمولی صعوبات کا پیش آنا لازمی ہے اس لحاظ سے کونٹ بھی ابتلائے محبت میں مبتلائے آلام ہوئے اور دفعتاً ایسے ایسے حادثات رونما ہوئے کہ مجبور ہو کر وطن مالوف سے دور قاہرہ کے مشہور دارالعلوم جامع ازہر میں بحیثیت پروفیسر فلسفۂ البیان کا درس دیتے ہیں۔

چنانچہ کونٹ اپنے اس خط میں لکھتے ہیں: "قَدْ مَرَّتْ ثَلَاثُ سِنِیْنَ اَیُّھَا الْاَخُ الْعَزِیْزُ" یعنی اے پیارے بھائی! تین سال سے ملاقات نہیں ہوئی۔ "اَلْحَالُ اِنِّیْ لَا اَبْرَحُ اَنْظُرُ دَائِمًا اِلٰی مِثَالِ الْمَحْبُوْبِ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ" میں ہمیشہ اپنے برگزیدۂ خدا محبوب کی تصویر سامنے رکھتا ہوں۔

پھر اپنی موجودہ حالت کا اظہار اور بعض مصائب کا بصراحت ذکر کرتے ہیں: "وَ مَلَکْتُ

لَبَعْضَ الْاِمْتِحَانِ الصَّعْبِ کَے لَمْ یَزَلْ یُعَاوِدَنِیْ لِیْ مِحَنٍ" اور بعض سخت امتحان میں متبلا ہو اور دشواریاں پیش آئیں تَوَالِدِیْ تَوَفِّی وَاَکْثَرُمَالِہٖ رَاحَ وَلِیْ اُمٌّ وَاُخْتَانِ " کہ میرا باپ مر گیا اور اس کا مال تلف ہو گیا اور میری ماں اور دو بہنیں ہیں۔

کورنٹ گلازرا کے اس خط کا مفہوم گو بظاہر دل خراش اور لائق تعزیت ضرور ہے مگر جس طرح ان کے باپ کا انتقال۔ مال کا اتلاف۔ خانہ بربادی کی مصیبت۔ غریب الوطنی کی ذہنی جس کے بھیانک خیال سے قلب بے چین اور پریشان ہوتا ہے اسی طرح حقیقت حال پر نظر کی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کے مسلک کا اقتضا اور ان کے مشرب کا صحیح اصول یہی ہے کہ مصائب کا معنوی پہلو طالب صادق کے حق میں نہایت مفید اور مبارک بلکہ قابل تہنیت ہوتا ہے۔

کیونکہ حضرات صوفیائے کرام کے مستند ارشادات سے ثابت ہے کہ اگر صبر و ثبات قایم رہے تو ایسے ہی واقعات کے وقوع پر طالب راہ حق کی ترقی درجات موقوف ہے اور یہی صعوبات جب پیش آتے ہیں تو موحدین اسرار توحید سے خبردار ہوتے ہیں۔

چنانچہ منقول ہے کہ سید الطائفہ حضرت جنید علیہ الرحمۃ سے توحید کی تعریف دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ اَلتَّوْحِیْدُ الَّذِیْ اِنْفَرَدَبِہِ الصُّوْفِیَۃُ ھُوَ اِفْرَادُ الْقِدَمِ عَنِ الْحَدَثِ وَالْخُرُوْجُ مِنَ الْاَوْطَانِ وَقَطْعُ الْمُحَابِ وَاَنْ یَّکُوْنَ الْحَقُّ مَکَانَ الْجَمِیْعِ " یعنی وہ توحید جس میں صوفی منفرد ہیں۔ قدم کو حدوث سے الگ کر لینا اور وطنوں سے باہر نکلنا اور اسباب تعلق کا قطع کرنا۔ اور سب کی جگہ حق کا قایم کرنا ہے۔

تاج العارفین حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے جو صفات ارشاد فرمائے ہیں ان کو کونٹ گلازرا کے ان حادثات سے ملا کر دیکھتے ہیں جن کو ہم ظاہر بین پہلے صعوبات سے تعبیر کرتے تھے تو وہی واقعات اب توحید کے درجات اور موحدین کے مقامات معلوم ہوتے ہیں۔

اور صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ابتلا کے پردہ میں صورت استفادہ بھی

اور درحقیقت مسٹر کونٹ کی مکتب توحید میں ترقی ہو رہی تھی۔

الغرض کونٹ گلارزا کے یہ خطوط بھی حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے اپنے رسالہ "ضیافت الاحباب" مطبوعہ ۱۹۱۲ء میں بکمال احتیاط نقل کئے ہیں جن کو سرسری نظر سے بھی اگر دیکھا جائے تو ان کے اکثر جملوں سے بغیر کسی تاویل کے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کاتب تصرفات وارثی سے حسب دلخواہ مستفید ہوا۔ خصوصاً کشف باطنی اور تصدیق توحید کا شرف اس مقلد تثلیث کو بارگاہِ مبدا فیض سے ضرور تفویض ہوا ہے۔

البتہ یہ سوال اگر کیا جائے کہ مدارج کشف اور مراتب توحید میں موصوف کی یافت کہاں تک ہے تو اس کا صحیح اور تفصیلی جواب اس لئے ہمارے علم سے باہر ہے کہ یہ قلبی واردات ہیں مگر اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہ احوال جن کا طریقت میں اخلاق مستحسنہ اور صفات روحانیہ میں شمار ہے ان کے اثرات سے ایک حد تک اس طالب خدا عیسائی کے قلب کو سروکار ضرور ہوا اور ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کردوں گا کہ یہ گراں بہا یافت کونٹ کی کسی جد وجہد کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ روحانی فیض اور ابدی سعادت انہیں چند ساعات کی صحبت کا کرشمہ ہے۔ جو دیویٰ شریف میں ان کو نصیب ہوئی اور جس کا فخر کے ساتھ ان کو اقبال ہے۔

چنانچہ علاوہ ان خطوط کے ایک مطول خط اور بھی ہمارے پاس محفوظ ہے جو اس پرستار بارگاہِ وارثی نے علامہ محمد صاحب وارثی کو اس وقت لکھا تھا۔ جب کہ جامعہ ازہر کی بائیس سالہ خدمت کے بعد موصوف بغرض سیاحت ہندوستان آئے تھے۔ اور کلکتہ کے تعلیم یافتہ حضرات نے آپ کو مدرسہ عالیہ کا عربک پروفیسر بنایا۔

کونٹ گلارزا نے اس خط میں اپنی قدیم ذہنیت کے انقلاب اور جدید زندگی کے قابل ذکر حالات اور حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضری اور اس مختصر صحبت کے متعدد مفاد اور کثیر برکات اور آپ کی عنایت سے روحانی یافت اور اس کے گرانقدر ثمرات خانہ بربادی

کے آلام میں مبتلا ہونا۔ قاہرہ میں عرصہ تک قیام کرنا اور ہندوستان آنے کے اسباب نہایت تسلسل اور وضاحت کے ساتھ قلمبند کئے ہیں۔

مگر چونکہ ایسا مطول خط جو بسیط مضامین پر مشتمل ہو اس باب میں لکھنا بہ لحاظ طوالت قطعی ناموزوں تھا اس لئے مناسب سمجھا کہ رسالہ ہذا کے آخری صفحات پر مع ترجمہ کے انگریزی سے اس کو نقل کر دوں کہ ناظرین کو سرکار عالم پناہ کے فیضان باطنی کی جلیل القدر شان کا مشاہدہ کرنے میں آسانی ہو۔

قطع نظر اس کے اگر خطوں کے وہ بلند مضامین جو فی الحقیقت کونٹ کی خداشناسی کے واسطے کافی دلائل ہیں ان کا حوالہ بھی نہ دیا جائے تو بھی صرف ان کے عادات اور خیالات سے ان کی حقانیت اور ان کا منہمک فی التوحید ہونا نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

مثلاً اگرچہ عدم سرمایہ کی وجہ سے وسیع پیمانہ پر وہ خدمت خلق نہیں کر سکتے تاہم ایک طریقہ للّٰہیت کا یہ اختیار کیا ہے کہ بندگان خدا کو الحاد و ارتداد کے مذموم نتائج سے آگاہ کرنے کے لئے گرمیوں کی تعطیل میں سفر کرتے ہیں اور بڑے بڑے شہروں کی مشہور درسگاہوں میں یا ارباب علم و فضل کے ان عام جلسوں میں جو مخصوص اسی غرض سے منعقد ہوتے ہیں۔ حضرت احدیت جل جلالہٗ کی توحید اور قدامت پر ایسی مدلّل تقریر کرتے ہیں کہ سائنس کے دلدادہ فلسفۂ جدید کے گرویدہ اور انگریز اور ہندوستانی سر در گریباں ہو کر اکثر اپنی ذہنیت کو رد کر داں اور موصوف کے ہم نوا اور ہم خیال ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس دو چار سال کے اندر آپ کی سچی ہمدردی کا یہ اثر ہوا کہ سیکڑوں مشرک موحد ہو گئے۔

خلاصہ یہ کہ اس خدا پرست یورپین کی عقیدت اور ارادت کے بعض حالات اور اس کی خطوط کے چند اقتباسات جو تمثیلاً نگارش کئے اگر ایکس کو چشم انصاف سے دیکھا جائے تو حضور قبلۂ عالم کی ہدایت عام کے عجیب و غریب اثرات اور فیضان باطنی کے ان جلیل القدر برکات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے ہر مذہب و ملت کے طالبین راہ حق کو عنداللہ

ایسا مستفید فرمایا کہ جو خاندانی گم کردہ راہ تھے ان کا خدا شناس بندوں میں شمار ہو گیا۔

آداب طریقت علیٰ ہٰذا حضور قبلۂ عالم نے اپنے ارادتمندوں کو آداب فی الطریقت سے بھی آگاہ کر دیا اور نہایت آسان اور عام فہم لفظوں میں شرائط سلوک اور ضوابط مشرب کمال شفقت تعلیم فرمائے۔ چنانچہ اس باب میں چند ایسے ملفوظات نقل کرتا ہوں جن کو تعمیم کا مرتبہ حاصل ہے اور باوجود مختصر اور عام فہم ہونے کے نہایت جامع اور وسیع المعنی ہیں اور از نظر غائر سے دیکھا جائے تو ان کی یہ غیر معمولی صفت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انھیں ارشادات کی تعمیل سے ذی استعداد مسترشدین بھی مستفید ہوئے اور ہو سکتے ہیں اور ہم ایسے مبتدیوں کے واسطے بھی انھیں ملفوظات کے عارفانہ مضامین سے سبق آموز ہونا مفید اور سود مند ہے۔

مثلاً مرید کی ارادت اور عقیدت اور پیر کی عنایت و شفقت کی نسبت جناب حضرت نے اپنے غلاموں سے مخاطب ہو کر اکثر فرمایا کہ جو مرید پیر کو دور سمجھے وہ مرید ناقص ہے اور جو پیر مرید سے دور رہے وہ پیر ناقص ہے۔

لفظی حیثیت سے اس ارشاد کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ کو مرید کی ارادت اور محبت سے گہرا تعلق ہے اور اس خیال کو مستقل اور پختہ کرنا جس طرح طالبین بامکین کا کام ہے اسی طرح وہ نوآموز طریقت بھی اس کی تعمیل کر سکتا ہے جس نے وادیٔ سلوک کی پہلی منزل میں قدم رکھا ہے۔

اور دوسرے حصے میں پیر کامل کے درجات عالیہ کی تعریف فرمائی ہے اور اس کے فیوض و برکات سے ارباب ارادت کو مطلع کیا ہے کہ جس خلوص و مودت سے مرید اپنے پیر کے خیال میں محو اور مستغرق رہتا ہے اسی لحاظ سے پیر اس کا منازل سلوک میں اس کا دستگیر اور معاون رہتا ہے۔

اور اگر مرید کو پیر کے خیال میں محویت نہ ہو یا پیر اپنے مرید کی امداد و اعانت نہ کرے تو یہ صریح نقصان ہے اور دونوں کی صداقت ساقط الاعتبار ہے۔

اور دیکھا ہے کہ اس فرمان وارثی کی تعمیل سے اکثر اخوانِ ملت مستفیض ہوئے اور ان کے واقعات قابلِ تسطیر ضرور ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے ان کا ذکر نہ کروں گا۔
اور شاید بہ لحاظ سلسلہ اسی قدر عرض کرنا کافی بھی ہوگا کہ اس ہدایت وارثی کی معروف لفظوں کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ سرکار عالم پناہ نے مرید کی ارادت صادق اور محبت واثق کا معیار یہ فرمایا ہے کہ ہر حال میں مرشد برحق کو اپنا ممد و معاون جانے اور غیبت میں بھی حاضر و ناظر سمجھے۔ اور اس کی دستگیری کا بفحوائے "یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" یقین کامل ہو۔
اور اسی طرح منجملہ دیگر صفات کے پیر طریقت کی ایک لازمی صفت یہ بیان فرمائی کہ "وہ ہمہ وقت مرید کا کفیل ہو۔ اور خطرات و خدشات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے قلب کا نگراں رہے"۔ جیساکہ مرشد کامل کی تعریف میں مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

بندگانِ خاص علّام الغیوب — درجہاں جاں جواسیس القلوب

یہ بھی حضور قبلۂ عالم نے فرمایا ہے کہ "مرید صادق وہ ہے کہ جو پیر کی بارگاہ کو نقائص سے پاک سمجھے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "جس کا پیر نہیں اس کا دین نہیں" بمصداق "مَنْ لَّا شَیْخَ لَهٗ لَا دِیْنَ لَهٗ"۔ یہ بھی فرمایا ہے "مرید کی کامیابی اس کے پیر کی عنایت پر موقوف ہے" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ جس مرید کو اپنے ہر اعتقاد سے زیادہ پیر سے عقیدت ہوتی ہے اس کا پیر غیبت میں اس کا محافظ ہوتا ہے۔ یہ بھی فرمایا مرید کو وہی ارادہ کرنا چاہیئے جو پیر کا اشارہ ہو "یہ بھی ارشاد ہوا کہ مرید مثل بیمار کے ہے اور پیر بمنزلہ طبیب کے ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو بیمار طبیب کی ہدایتوں پر عمل کرتا ہے اس کو شفا جلد ہوتی ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "مرید وہ ہے کہ جو باپ کی خدمت پر پیر کی خدمت کو مقدم جانے اور پیر وہ ہے جو صلبی اولاد سے قلبی اولاد پر زیادہ مہربان ہو اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ مرید کا مرکز تسلیم و محبت ہے جو اس سے ہٹ گیا وہ خراب اور جو قایم رہا۔ وہ کامیاب ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ "فی الحقیقت مرید وہ ہے جس کی مراد اس کا پیر ہو۔"

یہ بھی ارشاد ہوا کہ" مرید کے واسطے پہلی شرط یہ ہے کہ جو حدود پیر نے اس کے لئے تجویز کئے ہیں۔ اس کے باہر قدم نہ رکھے" یہ بھی فرمایا کہ" مرید کو خودبینی۔ مرادی محبوب رکھنی ہے" یہ بھی فرمایا کہ" مرید صادق وہ ہے جو پیر کے سامنے اپنی معلومات کو بھول جائے یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ" پیر کی خوشی کے سوا مرید کی کوئی خواہش نہ ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ" مرید اس طرح پیر سے ملے جس طرح قطرہ دریا سے ملتا ہے اور جب تک نہیں ملتا اس کا نام قطرہ ہوتا ہے اور جب ملجاتا ہے تو اسی قطرہ کو سب دریا کہتے ہیں" اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ" پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے" اور یہ بھی اکثر فرمایا ہے کہ" جو مرید صدق وارادت سے اپنے افعال میں پیر کی موافقت کرتا ہے اس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں" ظہوری ؎

شیدائے تو با دیر و حرم کار نہ دارد　　　افگندہ زکف سبحہ و زنار نہ دارد

صفت فنا اس مجموعہ ارشادات کو اگر مریدین کا دستور العمل کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ خصوصاً آخر الذکر دونوں فرمان تو جامع مفاد مسترشدین ہیں اور حضور قبلۂ عالم نے ان دونوں ملفوظات میں نہایت سادہ اور بہت مختصر الفاظ میں اس بلند پایہ مسئلہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے جو اخلاق صوفیہ میں جلیل القدر صفت ہے اور مخصوص عشاق کا منتہائے اوج ہے کیونکہ طریقت میں خلق سے انقطاع اور حق سے اتصال کو فنا کہتے ہیں جس کی تکمیل کے بعد مرتبہ لقا الحبیب ہوتا ہے اس وجہ سے فنا کا مورث لقا بھی نام ہے۔ غرض حسب ارشاد سرکار عالم پناہ یہ ثابت ہوا کہ مرید کو یہ شرف اختصاص پیر کی صورت میں ملتا ہے جو فنافی الشیخ کے نام سے مشہور ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے حضور قبلۂ عالم کو مخاطب دیکھ کر عرض کیا کہ حضرات صوفیائے کرام کے تذکروں میں منقول ہے کہ مشائخین عظام کا اتفاق ہے کہ مرتبہ فنا تین مدارج پر منقسم ہے۔ اول فنافی الشیخ دوم فنافی الرسول سوم فنافی اللہ اور ہر درجہ اپنے پہلے درجہ سے فوقیت رکھتا ہے۔ اور سالکین باتمکین ہر سہ مدارج کو یکے بعد دیگرے بتدریج طے فرماتے ہیں۔ اور بعد حصول درجہ فنافی اللہ وہ صاحب مقام فنائے کامل سمجھے جاتے ہیں۔

اور مسلمہ ہے کہ فنا کے لغوی معنی مٹ جانا ہیں۔
لہذا یہاں تک ممکن الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ سالک راہ طریقت۔ تقرب حضرت احدیت جل جلالہ کے شوق میں بکمال جدوجہد، مرشد برحق کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی کو نیست و نابود کرتے ہیں اور پیر کی عنایت سے وہ خوش نصیب فنا فی الشیخ ہو کر پہلا درجہ فنا کا حاصل کرتے ہیں۔
لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہی طالب جس کا پیر کی عنایت اور توجہ سے وجود کالعدم ہو چکا اور وہ پیر کا عین ہو گیا۔ اور اس پر صاحب ہستی ہونے کا اطلاق نہ رہا تو پھر وہی فنا شدہ طالب دوسرے اور تیسرے درجۂ فنا کے واسطے مکرر اور سکرر فانی کیونکر ہو سکتا ہے کیا اس کی فنا پذیر ہستی میں فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ ہونے کے لئے وجود موہوم عود کر آتا ہے۔
حضور قبلۂ عالم نے متبسم لبوں سے مختصر الفاظ میں فرمایا کہ اسی قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ مرید صادق الارادت اپنی ہستی کو جب پیر کی ہستی کے سامنے فنا کرتا ہے اور اس کو فنا فی الشیخ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو اسی کے ساتھ دوسرا اور تیسرا مرتبہ بھی طے ہو جاتا ہے یعنی پیر ہی کی شکل میں اس کو فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کا مرتبہ مل جاتا ہے جیسا کہ مولانا علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے ؎

چونکہ ذات پیر را کردی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

چونکہ حضور قبلہ عالم کا مزاج ہمایوں نہایت اختصار پسند تھا۔ اور ہمیشہ بڑے بڑے مسائل کا ذکر آپ چھوٹے چھوٹے مگر جامع اور معنی خیز الفاظ میں فرماتے تھے اور آپ کی اس مختصر تقریر کا خاص تصرف یہ تھا کہ سامعین ان اجمالی جملوں کا مفہوم بخوبی سمجھ جاتے تھے۔
اس انداز سے حاجی اوگھٹ شاہ کو آپ نے فنا کا دقیق مسئلہ کس آسانی سے سمجھا دیا اور مولانا علیہ الرحمتہ کے شعر سے استدلال بھی کس قدر لطیف اور حسب حال فرمایا جس کے بعد کسی اور شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ از روئے لغت فنا کے معنی مٹ جانا ضرور ہیں مگر یہاں فنا سے موت طبعی مراد نہیں ہے۔ بلکہ صوفیہ بجائے لغوی معنی کے اصطلاحی معنی اختیار

کرتے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں فنا سے مراد مرید کا احکام پیر کی موافقت میں ایسا محو اور مستغرق ہو جانا ہے کہ جملہ مرادات و معلومات معدوم ہو جائیں حتیٰ کہ اپنی ہستی سے بے خبر ہو جائے۔

اور مقام فنا کی نسبت محققین ارباب طریقت نے یہ فرمایا ہے کہ حضرات سالکین کی مخصوص اور ممتاز حالت کا نام فنا ہے جو ان کے اوج منزلت کی آخری منزل ہے۔

اور بعض حضرات نے نوعیت فنا کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ طریقت میں فنا اس عدم شعور کو کہتے ہیں جو واسطے شہود الذات ہستی معبود ہو اور جس حالت میں سالک کو اپنی بے شعوری سے بھی بے شعوری ہو جائے اس کی کیفیت کو فنا فی الفنا کہتے ہیں۔

اور اکثر حضرات عارفین نے فرمایا ہے کہ فنا کی حقیقی تعریف نہایت محویت فی اللہ اور غایت سیر الی اللہ ہے۔

اور مجتہدین طریقت کا قول ہے کہ "مَنْ فَنیٰ بِالْمُرَادِ بَقِیَ بِالْمُرَادِ" یعنی جو اپنی مراد سے فنا ہوا وہ مراد حق کے ساتھ باقی رہا۔

اور حقیقت فنا کی نسبت ارباب طریقت نے علاوہ دیگر رموز و لطائف کے مختلف الخیال سائلین کو ان کے مقام اور افہام کے اعتبار سے۔ اسی پیرایہ میں جواب دیا ہے جو ان کی ذہنیت تھی۔

چنانچہ بعض نے سائل کے اطمینان کے واسطے فنا کا مفہوم۔ فنا مخالفات اور اوامر الٰہی فرمایا۔ جو مستلزم بہ توبۂ نصوح ہے اور کسی نے سائل سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ فنا زوال لذات دنیوی کو کہتے ہیں اس قول کو سائل کے غلبۂ زہد سے تعلق ہے اور بعض نے فنا کو زوال صفات ذمیمہ کہا یہ تعریف تزکیۂ نفس کی نسبت ہے اور کسی نے حق سے تقرب اور خلق سے غیبت کو فنا کہا ہے یہ جواب سائل کی حالت سکر پر دلالت کرتا ہے کسی نے کہا ہے کہ فنا سے مفاد دنیوی اور اغراض آخروی سے انقطاع نفعی مراد ہے یہ صفت بہ مقتضائے صدق محبت نمایاں ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان جملہ ارشادات کا مفہوم واحد ہے اور سب نے حالت صادق کا رجوع

بہ شمائل محمودہ ہونے کیلئے خصائل مذمومہ سے اجتناب کلی اور احتراز نطقی کو فنا کہا ہے۔
اور یہ بھی کتب محققین حضرات صوفیہ کی ورق گردانی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف کی
کوئی صفت خواہ محمود ہو خواہ مذموم ایسی نہیں ہے جس کے چند مدارج نہ ہوں جو ان کے تحقیق
اور تدقیق کی عین دلیل ہے۔

پس یہ جملہ باتیں پیش نظر رکھنے کے بعد اگر یہ کہا جائے تو بے محل نہیں معلوم ہوتا کہ ایک
طالب صادق نے اپنی کسی صفت نفسانی سے بدفعات احتراز کیا۔ یا کسی مرتبہ روحانی کے
منازل و مدارج بتدریج طے کئے اور ہر دفعہ اس کے تقرب و اختصاص میں ترقی رونما ہوئی اور
ہر ترقی کو ایک محمود صفت سے نامزد کیا گیا۔ اس صورت میں سالک کی چند ترقیوں کے مزید
چند نام مشہور ہو جائیں گے۔

لہٰذا مشائخین عظام نے اگر مراحل فنا طے کرنے کو فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ
سے تعبیر کیا تو از روئے بیان تحریر بھی نامعزدل نہیں ہے اور اس اعتبار سے فنا کے لغوی معنی بھی نظر انداز
ہو جائینگے اور شخص فنا فی الشیخ کو فنا فی الرسول اور فنا فی الرسول کو فنا فی اللہ کہنے میں کوئی تردد نہ ہوگا۔

لیکن فی الحقیقت فنا کے یہ متعدد خواص اور اہل فنا کی یہ جملہ تعریفیں جن سے کتب تصوف
کے صفحات مملو ہیں یہ فنا کے اثرات ظاہری کی قیاسی تشریح ہے اور اہل حقائق نے اس قلبی
واردات سے معروف الفاظ کے پردہ میں طالبین راہ حق کو روشناس یوں کیا ہے کہ ارباب
فنا کے وہ آثار جن کا بدیہات سے اظہار ہوا ان کو اسی مناسبت سے حضرات محققین نے بخیال تفہیم مادہ
شمائل بطور استعارہ کے اخلاق صوفیہ میں سے ایک صفت کے ساتھ نامزد فرمایا۔

یا مشائخین عظام کو جب فنا کی نوعیت اور ماہیت کے اعتبار سے اہل فنا کا ہو کے
سنسان اور ناہموار میدان سے گزرنا معلوم ہوا تو اس نادیدہ مقام کے عقبات کے خیال سے
اہل فنا کی آسانی کے واسطے ایک شاہراہ کا نقشہ بنا دیا اور اس کے مراحل و منازل کو ان مشہور
اور معروف صفات سے موصوف کیا جن کے ناموں سے ہمارے کان آشنا تھے۔

درنہ صحیح اور فی الحقیقت فنا کی تعریف اسی قدر تسطیر میں آسکتی ہے کہ فنا، مقربین بارگاہِ احدیت کے باطنی حالات اور قلبی واردات کا نام ہے جس کی تشریح و تصریح ناممکن اور محالات سے ہے۔

اور اگر عاشقانِ الٰہی کی اس عدیم النظیر منزلت اور پر اسرار یافت کا تذکرہ معروف الفاظ میں تمثیلاً کیا بھی جائے تو میرے خیال میں حضور قبلہ عالم کے انھیں دو لذن ملفوظات کا حوالہ کافی اور بس ہوگا کہ "جو مرید صدق ارادت سے اپنے افعال میں پیر کی موافقت کرتا ہے اس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں"، "اور پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے"۔

صورتِ پیر آئینۂ حق نما ہے اس لئے کہ اکثر اخوانِ ملت کے عادات میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں جن کو دیکھ کر ہر شخص کہہ سکتا تھا کہ ان کے خیالات غیر معمولی تغیرات سے ایسے متاثر ہیں جن کا اظہار ان کے حرکات و سکنات سے ہوتا ہے۔

چند روز پہلے ان کا قیافہ یہ کہتا تھا کہ یہ کسی بڑی چیز کے طلبگار ہیں۔ کیونکہ حصولِ طلب کے انتظار میں جو انتشار پیدا ہوتا ہے وہ ان کے متحیر چہرے کو ہمہ وقت افسردہ رکھتا تھا۔ لیکن اب ان کا سکون شاہد حال ہے کہ قلب مطمئن ہے اور ان کی بات بات میں جو للّٰہیت کی شان نظر آتی ہے یہ عین دلیل ہے کہ کارسازِ حقیقی کا کوئی ایسا کرشمہ دیکھا ہے جو پہلے نظر سے نہیں گزرا تھا۔

شاید اسی عنوان سے ان کو اقرار شاہدِ حقیقی کا مشاہدہ ہوا ہے جس کی حضور قبلہ عالم نے اپنے مسترشدین کو صاف الفاظ میں بشارت دی ہے کہ "پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے"۔ بعض غلامانِ وارثی ایسے بھی تھے کہ ان کے حالات و واقعات کسی تاویل کے محتاج نہیں بلکہ وہ خدا شناس بندے سرکار عالم پناہ کی حق نما صورت دیکھکر ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ کسی نے اپنی جائداد سے دست بردار ہو کر زاہدانہ روش اختیار کی۔ کسی نے آبائی ذہنیت کو خیرباد کہا۔ کسی نے تعلقات منقطع کئے۔ کوئی صحبتِ خلق سے کنارہ کش ہو کر تاحیات بادیہ میں

مصروف رہا۔

ان خدا پرستوں کی یہ حالت دیکھ کر بجز اس کے اور کوئی خیال نہیں کر سکتے کہ ان اخوانِ ملت کی ارادت صادق اور خیال پختہ تھا اس لئے بغیر کسی جد وجہد کے ان کو اپنے مرشد برحق کی صورت میں جلوۂ حق نظر آیا۔

غرض حضور قبلۂ عالم کے فیض و تصرف سے ایسے ارادتمند بھی سیکڑوں گذرے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اس مجموعہ میں آچکا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں بھی چند ایسے غلامانِ وارثی کے واقعات نقل کردوں جو حضور کی صورت زیبا دیکھکر کامیاب ہوئے۔

چنانچہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی اپنے رسالہ رشحات الانس میں لکھتے ہیں کہ ایک معمر شخص باشندۂ پنجاب عالمانہ لباس سے مزین در دولت پر حاضر ہوئے۔ خدام آستانۂ اقدس نے بالاخانہ پر ٹھہرادیا جہاں مولوی سید محی الدین صاحب وارثی ڈپٹی کلکٹر اور قاضی لطیف عالم صاحب وارثی ڈپٹی کلکٹر پہلے سے مقیم تھے۔ صبح کو مولوی صاحب موصوف نے دونوں ڈپٹی کلکٹروں سے مخاطب ہو کر بطور ہدایت فرمایا کہ تم نے بغیر کسی عذر شرعی کے نماز کیوں قضا کی۔ شاید معلوم نہیں کہ حدیث صحیح "مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ" تارک صلواۃ کی ترہیب میں وارد ہوئی ہے بلکہ میں اس کے متعلق گفتگو کرنے یہاں آیا ہوں۔

مولوی صاحب کا انداز ہدایت دیکھکر دونوں ڈپٹی کلکٹروں نے مجھ سے یہ تذکرہ کیا اور کہا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو دوسری جگہ ٹھہرادیا جائے تاکہ مولوی صاحب کو ہماری صحبت سے تکلیف نہ ہو۔

میں نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے اور کیوں آئے ہیں اور آپ کا نام کیا ہے۔ موصوف نے فرمایا میرا نام عبداللہ ہے۔ ملتان سے صرف اس واسطے آیا ہوں کہ نماز کی بابت جو اسلام کا رکن اعظم ہے حاجی صاحب قبلہ سے گفتگو کروں۔

میں اس وقت مولوی صاحب کو حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں لے گیا۔ مگر مولوی صاحب

وہاں خاموش بیٹھے رہے اور جب واپس آئے تو کہا۔ حاجی صاحب کہاں ہیں ان کے پاس لے چلو۔

میں دوبارہ لے گیا تو حضور نے فرمایا یہ کون ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یہ مولوی صاحب ملتان سے آئے ہیں ارشاد ہوا جاؤ۔ پھر ملاقات ہوگی۔

غرض اسی طرح تین مرتبہ مولوی صاحب سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس آکر کہا۔ حاجی صاحب کہاں ہیں۔ چوتھی مرتبہ گئے تو حضور نے فرمایا مولوی صاحب بیٹھو۔ مولوی صاحب قدمبوس ہوکر دوزانو بیٹھ گئے حضور نے مجھ سے فرمایا ان کے آرام کا خیال رکھنا۔ یہ دین کے محافظ اور اسلام کے حامی ہیں اور مولوی صاحب سے ارشاد ہوا کہ فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ " کے معنی جانتے ہو۔ مگر مولوی صاحب کسی گہرے خیال میں ایسے محو تھے کہ خاموش بیٹھے رہے۔

پھر حضور قبلۂ عالم نے مجھ سے پوچھا کہ شب کو مثنوی مولانا روم کون پڑھتا تھا میں نے مولوی صاحب کی جانب اشارہ کرکے عرض کیا کہ یہی پڑھتے تھے۔

حضور نے گرم نظر سے مولوی صاحب کو دیکھا اور فرمایا سمجھ کر پڑھا کرو۔ ورنہ چھوڑ دو مثنوی کا مفہوم اگر نہ سمجھے تو نہ پڑھتے جاؤ پھر ملاقات ہوگی۔

مولوی صاحب نے فوراً حضور کا دست حق پرست پکڑ لیا۔ اور قدمبوس ہوکر سر اٹھایا تو حیرت خیز نگاہوں سے آپ کے رُخ انور کو دیکھتے چلے صحن مکان میں جاکر پرجوش لہجہ میں کہا۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ام   اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

اور اسی حالت میں بالاخانہ پر آئے اور تھوڑے عرصہ تک سکوت میں بیٹھے رہے۔ پھر مثنوی شریف کا پہلا شعر ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند   وز جدائیہا شکایت میکند

وجد میں پڑھا اور کھڑے ہوکر رقص کرنے لگے۔

اسی حالت میں بالاخانہ سے اتر کر صحن کے دروازہ میں عرصہ تک رقصاں رہے پھر قصبہ کی گلیوں میں بے خود اور سرشار پھرتے رہے۔ کبھی جوش میں مثنوی کا شعر پڑھکر روتے اور کہتے تھے اب خوب سمجھ گیا۔ اور جو نہ دیکھا تھا وہ دیکھا۔ اور جو کوئی کہتا تھا مولوی صاحب یہ کیا ہوا ہوش میں آؤ۔ ناچتے کیوں ہو تو رو کر کہتے تھے بھائی یہ دیکھا بھالا سودا ہے سمجھانا بیکار ہے یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے بلکہ بجائے سمجھانے کے خواجہ امیر خسروؒ کے ہمنوا ہو کر یہ عرض کروں گا۔

گرائے زاہد دعائے خیر میگوئی مرا ایں گو
کہ ایں آوارہ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

غرض یہ جوش آٹھ روز تک مسلسل رہا۔ اور مولوی بے آب و دانہ رقص کرتے پھرے اگر کسی نے کہا مولانا نماز تو پڑھ لو تو آہ سرد بھرتے اور کہتے۔

سرے در سجدہ ہر در ندارم
جز ایں در قبلہ دیگر ندارم

اور کبھی حضور قبلۂ عالم کے آستانۂ اقدس کی جانب حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھ کر روتے اور نیازمندانہ لہجہ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتے۔

قادرا بہر جمال خویشتن
بر فگن ایں پردہ از رخ بر فگن

تا بجو دبینم خود را در وجود
گہہ رکوع آریم شاداں گہہ سجود

مولوی صاحب کا یہ اضطرار دیکھکر ہر شخص کو افسوس ہوتا تھا لیکن راجہ دوست محمد خاں صاحب وارثی نے بار بار ہمدردی کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ انھیں کے اصرار سے میں نے مولوی صاحب کو سرد پانی سے خوب نہلوایا۔ اور کپڑے پہنائے۔ حالانکہ غسل وغیرہ سے بھی ان کی وجدانی کیفیت بالکل فرو نہیں ہوئی مگر دوسرے ہفتہ میں بتدریج افاقہ ہوا۔ جب کافی سکون ہو گیا تو مولوی صاحب نے سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہ کمال ادب عرض کیا کہ واللہ کائنات آپ کے انوار ذات سے معمور ہے اور یہی نسبت بہ شیخ حرم کو مطیع اسلام کرتی ہے اور یہی صورت زیبا برہمن سے رام رام کہلاتی ہے بلفظ سہ

از رندی و پارسائی تو
میخانہ و خانقاہ در رقص

مولائی من یہ عبد خاطی آپ کی عنایت کا امیدوار اور اپنی زندگی سے بیزار ہے کیونکہ

خواب زچشم من بشد چشم تو لبست دامن تاب نماند در تنم زلف تو برد تاب من

بینیاز مند مستدعی ہے کہ لباس فقر مرحمت ہو اور اپنے کرم سے دنیا از تعلقات دنیا سے آزاد فرمائیے۔

ارشاد ہوا کہ مناسب یہ ہے کہ تم اپنے گھر جاؤ اور دینیات کا مدرسہ قایم کر دو اور تبلیغ اسلام میں مصروف رہو۔ دین کی خدمت بھی عین عبادت ہے۔

لیکن جب مولوی صاحب بہت مضطرب ہوئے تو حضور نے فرمایا اگر خراب ہی ہونا ہے تو پہلے یورپ کی سیر کر آؤ۔ مولوی صاحب تعمیل حکم کے لئے فوراً مستعد ہو گئے۔ اور قدمبوس ہو کر مشرقی سیاحت کے واسطے یہ کہکر روانہ ہو گئے۔

اب تو جاتے ہیں تبکدے سے میر پھر ملیں گے اگر خدا لایا

اور شاہ سید محمد دائم صاحب رئیس مولانگر ضلع مونگیر کو بھی استفادہ اسی صورت میں ہوا۔ چنانچہ موصوف علمی قابلیت کے ساتھ نہایت وجیہہ اور حسین اور غایت شریف النفس اور سلیم الطبع اور زیب سجادۂ آباواجداد تھے اور اس آستانہ کی جائداد زمینداری کے متولی ہونے کے علاوہ آپ کی خاندانی ریاست بھی کم نہ تھی۔

چونکہ حضور قبلہ عالم کے صفات حمیدہ سے ممدوح الذکر کے کان آشنا تھے اسلئے شوق زیارت میں فضیلت شاہ صاحب دانئی کے ہمراہ حاضر خدمت ہو کر بحیثیت طالب شرف بیعت کی مشرف ہوئے۔

دوسرے روز قدمبوسی کو آئے اور سرکار عالم پناہ کا رخ الور دیکھا تو چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے حضور نے فرمایا۔ یہ بھی محبت کے دام میں گرفتار ہوئے۔

اسی حالت میں لوگ ان کو اٹھا کر باہر لائے اور تھوڑے عرصہ میں افاقہ بھی ہو گیا۔ مگر متحیر اور حواس باختہ تمام دن رہے۔ شام کو فضیلت شاہ صاحب سلام کرنے حاضر ہوئے تو ان کو بھی ساتھ لائے اور حضور سے ان کی حالت کا ذکر کیا۔ آپ نے بکمال شفقت سبب

محمد واسم صاحب کی پشت پر آہستہ سے گھونسا مارا۔ اور فضیحت شاہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اب یہ بیکار ہو گئے جس صورت کو دیکھا ہے تمام عمر اسی کے گردیدہ رہیں گے جب آئے تھے تو اچھے تھے اور جائیں گے دیوانہ ہو کے۔

اور سید محمد واسم سے فرمایا کہ جس طرح ہم بتائیں۔ اسی طرح ہر وقت باوضو درود شریف پڑھا کرو۔ اور آخر شب میں الا اللہ کا ذکر ناغہ نہ ہو اور جب ریاست کے انتظام سے دل گھبرائے۔ تو اس کو چھوڑ کر تہبند باندھ لینا۔ اور گوشہ نشین ہو جانا۔ اور آخر دم تک دنیا اور اسباب دنیا سے بے تعلق رہنا۔

چنانچہ موصوف نے اس حکم قطعی کی پوری تعمیل کی کہ انتظامات سجادگی سے سبکدوش ہو کر فقیر تہبند پوش ہو گئے اور ایک باغ میں ایسے عزلت نشین ہوئے کہ باوجود مختلف حادثات پیش آنے کے آج تک باہر قدم نہیں رکھا۔ اور چہرے سے حیرت اور محویت کے آثار اسی قدر نمایاں ہے جو روز اول رونما ہوئے تھے۔

اور حضور قبلۂ عالم کے آستانۂ اقدس کا یہ واقعہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب ہے جس کے دیکھنے والے اکثر موجود ہیں مگر بہ نظر آسانی میں رشحات الانس صفحہ ۹۱ سے نقل کرتا ہوں کہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی اپنے مشاہدات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ایک پنجابی درویش جن کا سنیاسی قسم کا لباس تھا در دولت پر حاضر ہوئے اور میرے بستر کے قریب بیٹھ گئے میں نے پوچھا سادھو جی کہاں استھان ہے اور کس تلاش میں آئے ہو انھوں نے کہا بابا امرتسر سے آتا ہوں اور بارہ سال سے اسی جستجو میں ہوں کہ کوئی نارائن کا بھید بتادے کہ وہ نرلکار ہمارے اس سریر کے اندر ہے یا باہر ہے اکثر مہاتماؤں نے سمجھایا مگر میری تسکین نہیں ہوئی

جب حاجی صاحب بابا کا نام سنا تو اسی خیال سے یہاں بھی بھکاری بن کر آیا ہوں۔ اگر گرو جی نے کرپا کی تو میری گانٹھ کھل جائے گی۔

میں ان کو اندر لے گیا تو اتفاق سے اس وقت حضور قبلۂ عالم کا بستر صحن میں تھا اور آپ کھڑے تھے وہ سادھو جب دروازہ میں داخل ہوا اور جناب والا کی خدا نما

صورت دیکھی تو اسی مقام پر وہ زمین بوس ہوا۔ اور خاص کیفیت کے عالم میں افتاں وخیزاں قریب جاکر پاؤں پر سر رکھ دیا سرکار عالم پناہ نے مجھ کو حکم دیا کہ ان کو ٹھہراؤ اور ان کے کھانے کا انتظام کر دینا۔

باہر آکر میں نے کہا کہ سادھو جی تم نے کچھ دریافت نہ کیا وہ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے کہ بغیر دریافت کئے جواب مل گیا جس وقت دروازہ کھلا تو میں نے بابا کی صورت کی ایک جوت دھرتی سے آکاش تک دیکھی۔ اور جب گرو جی کے چرنوں میں سر دیا تو جسم بشری پایا۔ بس میری تسکین ہو گئی اور جو آج تک نہ سمجھا تھا وہ سمجھ گیا۔

یہ واقعہ بھی اسی مضمون کا ہے کہ ایک حاضر باش حلقہ بگوش نے اپنی دلی خواہش کا اظہار اس خوشنما عنوان سے کیا کہ یہ شعر جلی قلم سے لکھکر سرکار عالم پناہ کے سامنے پیش کیا۔

منم وہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن   برخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

حضور قبلۂ عالم نے ملاحظہ فرماکر بکمال عنایت ارشاد فرمایا کہ اپنی اس خواہش دلی کو لفظ تمنا سے کیوں تعبیر کرتے ہو۔ یہ تو مخصوص طور پر تم لوگوں کا حصہ ہے جو حسب حیثیت سب کو ضرور ملتا ہے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ بجائے کل کے آج ہی اپنا حصہ لے لو۔

یہ فرماکر سخائے پنجتنی کی حقیقی شان دکھائی اور اس ارادتمند کو اپنے سینۂ اقدس سے لگا لیا۔ معلوم نہیں اس نے کیا دلفریب کرشمہ دیکھا کہ مغلوب الحال ہو کر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حکم ہوا "خاموش۔ تم کو نہیں معلوم کہ ضبط اہل محبت کا خاص زیور ہے۔ مرتے دم تک نہ زبان سے کچھ کہنا اور نہ اس صورت کے دیکھنے کے بعد دوسری صورت کو دیکھنا۔ بلکہ یہ شعر یاد رکھو۔

گر تو خواہی کہ بینش بر دوز   دیدہ ہا را ز غیر او کن باز

اس دیرینہ غلام نے یہ حکم قطعی سن کر دست بستہ عرض کیا کہ خداوندا کیا زندگی ہی میں زبان کے ساتھ آنکھیں بھی بند کر لوں۔

حضور قبلہ عالم نے مسکرا کے فرمایا کہ آنکھ بند کرنے کا مطلب وہ نہیں ہے جو تم

سمجھے ہو۔ کیونکہ مخلوقِ الٰہی کا ازراہ خوش نیتی بغور یا سرسری طور سے دیکھنا مباح ہے بلکہ عبرت اور خشیت کا سبق حاصل کرنے کے واسطے کارساز حقیقی کی صنعتوں پر نظر کرنا بفحوائے فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار عین عبادت ہے۔ البتہ مشربِ عشق میں ماسوائے محبوب کو ایسی ملتفت نظر سے دیکھنا جو شخص منظور کے ساتھ انہماک پیدا کردے۔ غیرت عشق کے منافی ہے کیونکہ حقیقت میں ماسوائے یار جملہ موجودات کے اثرات کو دل سے زائل اور فنا کرنے کا نام عشق ہے۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے۔ "نَارُ الشَّوْقِ تُذِیْبُ النُّفُوْسَ" بقول مولاناؒ ؎

عشق آں شعلہ ست کو چوں برفروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

چنانچہ "بردوز" سے مراد یہ نہیں ہے کہ آنکھوں کو سی لو، یا بند کرلو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح باز کی آنکھیں جب سی دیتے ہیں تو وہ کسی کو نہیں دیکھتا اسی طرح تم اپنی آنکھیں سوزنِ محبت سے سی لو۔ یعنی یار پر مائل اور اغیار سے غافل رہو۔ اور خلق میں کسی صورت کو ایسی رغبت سے نہ دیکھو جس کا تعلق دل میں جاگزیں ہو۔ پس بظاہر خلق میں ہر چیز کو دیکھو مگر فی الحقیقت بجز ایک کے سب سے ناآشنا رہو۔

اس ارادت مند نے باوجودیکہ اس وقت حواس باختہ تھا مگر بکمال عجز و نیاز عرض کیا کہ مولائی من جس طرح مجھ نااہل کو حضور نے اپنی گرانقدر عنایات سے سرفراز کیا۔ اسی طرح یہ توفیق بھی مرحمت ہو کہ بجز آپ کے کسی کو نہ دیکھوں، ورنہ میں نہ اس پرورش کا سزاوار تھا اور نہ اس کی طاقت ہے کہ اس اہم ترین حکم کی تعمیل کا ارادہ بھی کردں لیکن آپ کے کرم سے اس کا یقین واثق ہے کہ

آساں ز تغافل تو مشکل مشکل ز عنایت تو آساں

حضور قبلۂ عالم نے خوش ہو کر اس غلام کو پھر سینہ سے لگالیا۔ اور اپنی مستعمل رضائی مرحمت فرما کر ارشاد ہوا "گھبراؤ نہیں۔ بھیا! اللہ مالک ہے۔"

بلکہ بعض ارادتمند حضور قبلۂ عالم کی دید حقیقی سے بطریق اویسیہ بھی مستفید ہوئے ہیں۔

چنانچہ ۱۳۲۰ھ ہجری کا واقعہ ہے کہ سید مقصود علی صاحب وارثی رئیس پٹنے پورجو بارگاہ وارثی کے قدیم اور باوضع مگر پرجوش حلقہ بگوش تھے حاضر خدمت ہوئے اس وقت دربار وارثی میں فقرائے متقدمین کی ریاضت اور مجاہدت کا تذکرہ ہورہا تھا۔

سرکار عالم پناہ نے بیساختہ فرمایا کہ مقصود علی تم نے سنا ہے کہ مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی کہ جس نے یہاں نہیں دیکھا وہ وہاں بھی دید سے محروم رہے گا۔

اور دید کی صحیح تعریف یہ ہے کہ قلب کی آنکھ سے بے حجاب مشاہدہ ہو۔ کیونکہ ظاہری آنکھ اجزائے جسمانی اور آلات بشری میں شامل ہونے کے لحاظ سے خلق کو دیکھتی ہے اور باطنی آنکھ چونکہ صفت بصیر سے موصوف ہے جو صفات الٰہی میں مخصوص صفت ہے اس لئے وہ انوار حق کو دیکھتی ہے اور انسان جب حقیقت کے رموز معنی کو دیکھتا ہے تب ان کا یقین کامل ہوتا ہے جو تصدیق کا پہلا زینہ ہے اور اس کو ودلیعت بالواسطہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مرید کی یہ کامیابی۔ پیر کی عنایت پر موقوف ہے۔

مقصود علی نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ بندہ پرور کیا ہماری قسمت ایسی خراب ہے کہ آپ کے نمک پروردہ اور غلام ہونے کے بعد بھی ہم دنیا اور آخرت میں اندھے رہیں گے۔

حضور قبلہ عالم نے متبسم لبوں سے فرمایا کہ "اندھے نہیں رہوگے" عرض کیا کہ پھر یہ سعادت کب نصیب ہوگی ارشاد ہوا۔ "کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا" اور حکم ہوا جاؤ میلہ میں آنا۔

ایک ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ مقصود علی مجذوب ہوگئے۔ ہر وقت روتے اور حق وارث حق وارث کہتے ہیں اور اکثر شب کو جنگل میں رہتے ہیں۔

رحیم شاہ صاحب نے (جو اس زمانہ میں خادم خاص کے عہدہ پر مامور تھے) یہ قصہ جناب والا سے بیان کیا۔ سرکار عالم پناہ نے مسکرا کر فرمایا اچھا ہوا اپنی سزا کو پہنچ گئے۔ اب بیکار ہوگئے۔ گھر کا انتظام نہیں کرسکتے۔

رحیم شاہ نے عرض کیا وہ خراب ہوئے مگر لڑکا تو خراب نہیں ہوا۔ چند روز کے

بعد وہ انتظام خانہ داری کے قابل ہو جائے گا۔

حضور قبلۂ عالم نے فرمایا وہ بھی تو انکیں کا لڑکا ہے کیا تم کو یہ نہیں معلوم کہ محبت کا اثر تین پشت تک رہتا ہے۔

جب میلہ میں مقصود علی صاحب حاضر ہوئے تو یہ دیکھا کہ واقعی ان کی حالت بالکل بدل گئی ہے کہ بجائے دانشمندانہ باتوں کے ہمہ وقت متحیر اور کسی گہرے خیال میں محو رہتے ہیں میں نے پوچھا کھائی یہ عارضہ کب سے ہوا۔ موصوف نے کہا جس روز میں یہاں سے گیا اسی شب کو حالت غنودگی میں ہمارے بندہ نواز وارث پاک نے کرم فرمایا اور جو کرشمہ دکھانا منظور تھا وہ دکھایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جملہ کاروبار سے بیکار ہو گئے بقول ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا   ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ بھی دیکھا ہے کہ متعدد غلامان بارگاہ وارثی اپنے آقائے نامدار کی دید حقیقی سے بیک وقت مستفید ہوئے چنانچہ ۱۳۲۷ھ کے میلہ کاتک میں حافظ پیاری صاحب کی طرف سے جو ہفت روزہ دعوت ہوئی اور اس کے اوقات معینہ اور مراسم مقررہ ختم ہو چکے۔ مگر سامان دعوت زیادہ بچ گیا تو حافظ صاحب موصوف نے یہ تجویز کیا کہ آج تقریب خدائی رات ہو تا کہ یہ پس انداز سامان بھی صرف ہو جائے مگر چونکہ یہ رسم جدید ہے اس لئے حضور قبلۂ عالم کی منظوری حاصل کرنا لازمات سے ہے۔ چنانچہ بہزار عجز و نیاز استدعا کیگئی اور اصرار کے بعد منظور ہوئی۔ اور اس دعوت میں جملہ مہمان شریک ہوئے۔ شب کو گلگلے پکائے گئے اور چادر۔ ۱۰ بجے صبح کو نہایت اہتمام کے ساتھ طاق بھرنے دراقدس پر حاضر ہوئے سرکار عالم پناہ بیٹھ گئے اور ہر شخص قدمبوس ہونے لگا۔

لیکن اس تیرہ دشتی میں آپ کی خدا نما صورت کے فیض عام کا یہ اثر ہوا کہ ہر شخص مکیف ہو گیا۔ اور بلا تخصیص عمر و حیثیت و مذاق کے جملہ حضرات ایک رنگ اور ایک حالت میں ایسے محو اور مستغرق ہوئے کہ بے خود ہو کر رقص کرنے لگے اور تقریباً چار گھنٹہ تک یہ وجدانی کیفیت طاری رہی۔

الحاصل یہ چند واقعات زبان حال سے شاہد ہیں کہ حضور قبلۂ عالم کے اکثر ارادتمندوں کو حضور کی عنایت سے اور حضور ہی کی صورت میں انوار شاہد حقیقی کی اس تجلی کا مشاہدہ ہوا جس کو عرف صوفیہ میں یافت اور دید کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ فیض بھی وہ فیض ہے جس کو ارباب طریقت نے مرشد برحق کی گرانقدر عنایات فرمایا ہے۔

لیکن بمقتضائے عدم اہلیت یہ خوف ہے کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ بتاؤ کہ درحقیقت دیکھا کیا۔ اور اس دیکھنے سے فائدہ کیا ہوا۔ تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ ظاہر بین کو اہل بصیرت کی اس معنوی یافت اور روحانی مشاہدت کی حقیقی نوعیت کا بصراحت بیان کرنا یا ضبط تحریر میں لانا ناممکن اور محال ہے۔ بلکہ صحیح معنی میں بکمال ادب یہ عرض کروں تو نامو زوں نہ ہوگا کہ "ذوق این می نشناسی بخدا تا نہ چشی"۔

علیٰ ہذا اس مشاہدہ کے مفاد و منفعت کا بھی مجھکو کلیتہً علم نہیں لیکن اس قدر دیکھا ضرور ہے کہ مشاہدہ کی حالت میں دفعتاً ایسا انقلاب آیا کہ اس کے قدیم عادات میں فرق آگیا۔ اور طرز معاشرت کا نقشہ بدل گیا۔ خواہشات فنا ہوگئیں۔ مرادات سے سروکار نہ رہا۔ رنج و راحت اور تکلیف و عافیت کا امتیاز جاتا رہا۔ انتظامات سے نفرت ہوگئی۔ تعلقات سے کنارہ کشی کی اور تاحیات چہرہ اُداس اور آنکھیں نمناک اور متحیر رہیں۔

حالانکہ از روئے عقل دیکھا جائے تو مشاہدین کے احوال میں یہ تغیرات بظاہر خوشگوار اور قابلِ مباہات نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن حضرات صوفیائے کرام نے سالکین راہ حق کی اس دلگداز حالت کو کامیابی کی عین دلیل فرمایا ہے۔

ممنوعات مشربی | ہماری ہدایت کے واسطے حضور قبلہ عالم نے ان ممنوعات مشربی کا بھی متواتر ذکر فرمایا۔ جن کا ترک کرنا سالک راہ طریقت کو لازمات سے ہے اور بکمال شفقت یہ سمجھا دیا کہ ان ممنوع اور مکروہ خصائل سے احتراز و اجتناب شرافت نفسی کی عین دلیل اور خداشناسی کی مخصوص علامت ہے۔

لیکن غلامان وارثی کی سراپا حالت کو دیکھتے ہیں تو اس نئی آدم تصویر کے دو رخ نظر آتے ہیں اور بجائے خود دونوں خوشنما اور حسین ہیں بلکہ ایک رخ کو اگر بلحاظ باطنی خوبیوں کے بسبیل تمثیل صبیح اللون کہہ سکتے ہیں تو دوسرا رخ اپنے مشروح اور ممدوح طرز و طریقہ کی بہت سے اس کا مستحق ہے کہ بطور استعارہ اس کو ملیح کہیں کیونکہ ایک رخ کو معنوی پہلو سے دیکھتے ہیں تو مرشد برحق کی ارادت اور محبت میں جملہ تعلقہ گردش متفق الخیال اور متحد الحال معلوم ہوتے ہیں اور دوسرا رخ تعمق اور تحقق کی نظر سے دیکھا جائے تو صوتاً اس کی شان تفصیلی نظر آتی ہے۔
لہذا باعتبار ظاہر اگر اس کثیر التعداد گروہ کو دو نوع پر منقسم سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا حالانکہ بین الطریق ہر دو فریق کا ایک خیال اور ایک اصول ہے مگر بہ لحاظ طرز معاشرت بعض حضرات کے لباس میں کافی تخصیص اور اعمال میں بھی گونہ امتیاز ہے۔
چنانچہ اس جماعت کثیرہ کا ایک حصہ گو تعداد میں دوسرے حصہ سے کم ضرور ہے مگر ملقب بہ فقرائے خرقہ پوش ہے اور اس کے افراد اپنی زاہدانہ روش اور عاشقانہ طرز کے باعث تعلقات دنیا سے ہمہ تن آزاد ہیں۔
اور حصۂ ثانی باوجود دنیاوی کسب و اکتساب کے اثرات محبت سے متاثر اور ارادت پیر میں سرشار اور بقدر حیثیت تصوف کا مذاق بھی رکھتا ہے گویا "دل بیار و دست بکار" کا مصداق ہے۔

اور اسی اعتبار سے سرکار عالم پناہ کے ملفوظات کے مضامین میں معناً تھوڑی تفریق ہوتی ہے تاکہ افاضت افادت دونوں کے حسب حال ہو بلکہ صفات ذمیمہ کی امتناع میں بھی اسی رعایت سے فرمان صادر ہوئے ہیں جن کا ذکر اس باب میں قدرے صراحت کیساتھ منظور ہے لہذا پہلے حضور قبلۂ عالم کے وہ احکام نقل کرتا ہوں جن کا روئے سخن صرف غلامان خرقہ پوش کی جانب ہے لیکن ان کی بھی دو قسمیں ہیں احکام خاص و احکام عام۔ احکام خاص ان کو کہتا ہوں جو بعض بعض فقراء کے حق میں ان کے حالات اور واردات کے لحاظ سے

صادر ہوئے ہیں مثلاً مستقیم شاہ صاحب کے واسطے حکم ہوا کہ آنکھیں نہ کھولو اور حافظ گلاب شاہ صاحب سے فرمایا کہ شب درروز بیدار رہو اور عبدالرزاق شاہ صاحب کو بات کرنا قطعاً ممنوع ہوا اور خدا بخش شاہ صاحب کو ترکِ حیوانات و نباتات کی ہدایت ہوئی جس کا ذکر آچکا ہے اور اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ان فرامین کی شخصی اور انفرادی حیثیت ہے وہ احکام جن کے حسب حال تھے انھیں پر ان کا نفاذ ہوا۔

اور احکام عام کی تعریف یہ ہے کہ جو فقرائے تہبند پوش کے پورے گروہ کے واسطے اور بغیر امتیاز و اختصاص اور بطور دستور العمل کے صادر ہوئے ہیں گو ان کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر اس باب میں انھیں ملفوظات میں سے تمثیلاً چند ارشادات کا ذکر مقصود ہے جو تعمیم کا حکم رکھتے ہیں۔

چنانچہ وہ صفات رذیلہ جن کے ارتکاب سے مسافران وادی فقر کو کلیتہً اجتناب لازم ہے حضور قبلۂ عالم نے اپنے تہبند پوش ارادتمندوں کو انھیں مکروہ اور ممنوع خصائل کے ترک کی ہدایت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ "دنیا کا مال اور اسباب جمع کرنا فقیر کیواسطے حرام ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ "فقیر کو چاہیئے کہ خدا کے واسطے جان دیدے اور دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرے" بقول حافظ شیراز علیہ الرحمتہ۔

حضوری گرہمی خواہی از وغائب مشو حافظ "متٰی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا"

یہ بھی فرمایا "فقیر وہ ہے جسکے پاس کچھ نہ ہو" یہ بھی ارشاد ہوا "فقیر وہ ہے جو اکنگ رہے" یہ بھی فرمایا "فقیر وہ ہے جو بجز خدا کے کسی پر بھروسا نہ کرے" یہ بھی فرمایا۔ "فقیر وہ ہے جو کل کے واسطے جمع نہ کرے" یہ بھی فرمایا۔ "محبت میں انتظام نہیں" یہ بھی ارشاد ہوا۔ "غیر اللہ سے استعانت فقر کے منافی ہے" یہ بھی فرمایا کہ۔ "وہ فقیر ناقص ہے جو کسی چیز کو اپنی ملک سمجھے" یہ بھی فرمایا۔ "فقیر وہ ہے جو ماسوائے اللہ سے مستغنی ہو" یہ بھی فرمایا۔ "جس نے کسب و اسباب کو سبب معاش بنایا وہ فقیر نہیں

ہے۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ "فقیر کی شان یہ ہے کہ آزاد اور بےغرض رہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "فقیر کو چاہیئے کہ مصیبت پڑے تو گھبرائے نہیں" یہ بھی فرمایا "فقیر کو چاہیئے تکلیف کی شکایت نہ کرے کیونکہ تکلیف اور آرام اللہ کی جانب سے ہے پھر شکایت کس سے کروگے۔ یہ بھی ارشاد ہوا "فقیر وہ ہے جو خدا کی محبت میں مٹ جائے" یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس دنیا اور آخرت کا سرمایہ نہ ہو وہ فقیر ہے" یہ بھی فرمایا "فقیر وضع کا پابند ہوتا ہے" یہ بھی فرمایا جس نے حق کو پکڑا وہ کامیاب اور جس نے خلق پر بھروسا کیا وہ خراب ہوا۔ یہ بھی فرمایا "فقیر وہ ہے جس کے دل میں غیر کا خیال نہ آئے" یہ بھی فرمایا "دنیا سے انقطاع قطعی کو فقر اور ماسوائے اللہ سے مستغنی ہونے والے کو فقیر کہتے ہیں" یہ بھی فرمایا "فقیر کو نہ دوست کے واسطے دعا کرنا چاہیئے نہ دشمن کے لئے بد دعا۔ یہ بھی فرمایا۔ "فقیر کو چاہیئے گنڈا تعویذ نہ کرے۔ کیونکہ رضا کے خلاف ہے" یہ بھی فرمایا۔ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا"

الغرض اگر طلب صادق ہے تو انھیں چند ملفوظات کی تعمیل سے۔ سالک راہ حق کے عادات اور خیالات کا ایسا تصفیہ اور تزکیہ ہو سکتا ہے کہ مردانہ وار میدان فقر میں آئے اور انوار شاہد مطلق کی دید کا مشتاق ہو۔

حالانکہ یہ احکام بظاہر مختلف المفہوم ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت بالمعنی مرادف ہیں کیونکہ ماحصل ان کا ایک اور اسی قدر ہے کہ محبت الٰہی میں دنیا اور اسباب دنیا سے دست کش اور ماسوائے اللہ کے خیال سے فارغ ہو جاؤ۔ اور واقعی امراض باطنی کے لئے یہی ایسا مجرب نسخہ ہے جس کے اثرات سے انسان کو حیات جاوید نصیب ہو سکتی ہے۔

لیکن غور کرتے ہیں تو انھیں ارشادات میں علاوہ مشربی ہدایات کے ایک عجیب و غریب شان یہ نظر آتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں فصاحت کا یہ کرشمہ ہے کہ الفاظ کے ظاہری معنوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق صوفیہ کی تعلیم فرمائی ہے اور بعض مفید ہدایات سے مستفید فرمایا۔

ہے لیکن "کلام الملوک ۔ ملوک الکلام" کا مضمون صادق آتا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے نفرار سے مخاطب ہو کر جو احکام تعلیماً نافذ فرمائے حرف بحرف وہی لفظ تنفر کے معنی ہیں اس لئے اس تعلیم کو علاج بالمثل کہا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا۔

قطع نظر اس کے ارشادات مذکورہ کے مضامین کو بہ نگاہ تامل دیکھا جائے تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ صفات توکل کا یہ ایسا مکمل اور مستند مجموعہ ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، بلکہ بالاتفاق جملہ حضرات صوفیہ کا فتویٰ ہے کہ جبتک سالک راہ طریقت ان اوصاف حمیدہ سے موصوف نہ ہو اس کا زمرۂ متوکلین میں شمار نہیں ہو سکتا اور نہ وہ زاہدین کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔

مثلاً حضور قبلہ عالم نے فرمایا ہے کہ کسب و اسباب کو سبب معاش نہ بناؤ یا خدا پر بھروسہ کرو۔ یا ماسوائے اللہ سے مستغنی ہو جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ صفات قناعت کے منازل ہیں جو وادی تنفر میں مسافر راہ حق کو اپنے اپنے محل اور مقام پر پیش آتے ہیں۔ مگر بصورت مجموعی ان کے ماحصل اور مآل کا نام توکل کی مخصوص تعریف ہے اسلئے اصطلاح صوفیہ میں جمیع اسباب سے انقطاع قطعی اور مسبب الاسباب پر اعتماد کامل کو توکل کہتے ہیں اور یہی مشرب سلف صالحین کا ہے اور اسی مسلک کی ہمیشہ ارباب طریقت نے حمایت فرمائی۔

چنانچہ امام محمد غزالی علیہ الرحمتہ نے احیاء العلوم میں حضرت اویس علیہ الرحمتہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ جب متوکل تلاش معاش میں نکلتا ہے تو اس کا توکل ٹوٹ جاتا ہے اور صاحب تذکرۃ الاولیا نے حضرت محمد واسع علیہ الرحمتہ کا یہ قول توکل کی تعریف میں نقل فرمایا ہے کہ کوئی طالب وصیت کا خواستگار ہوا تو آپ نے فرمایا "در دنیا زاہد باشی و بہیچ کس طمع نہ کنی"

اور صاحب عوارف المعارف نے لکھا ہے کہ ایک جماعت نے حضرت جنید علیہ الرحمتہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم طلب رزق کیلئے سعی کریں تو کیسا ہے آپ نے فرمایا "اگر میدانید کہ رزاق شمارا فراموش کردہ است۔ در طلب رزق سعی کنید" (از ترجمہ ملا محمود کاشانی)

اور حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمتہ کا قول ہے "اَلتَّوَکُّلُ تَرْکُ تَدْبِیْرِ النَّفْسِ وَ الْاِنْخِلَاعُ مِنَ الْحَوْلِ" کہ توکل نام ہے ترک تدبیر کا۔ اور خالی ہونے کا اپنے حول و قوت سے (عوارف المعارف)

اور خواجہ حمدون علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے کہ "اَلتَّوَکُّلُ هُوَ الْاِعْتِصَامُ بِاللّٰهِ" (ترجمہ) اللہ جل جلالہ پر مضبوط بھروسا کرنے کا نام توکل ہے۔ (عوارف المعارف)

اور ابوالحسن سروالی علیہ الرحمتہ کا ارشاد ہے "مَنْ تَرَكَ تَدْبِيْرَهٗ عَاشَ طَيِّبًا" یعنی جس نے تدبیر کو ترک کیا اس نے خوش حال زندگی پائی۔ (عوارف المعارف)

اور محمد بن حنبل علیہ الرحمتہ سے پوچھا "مَا التَّوَكُّلُ" توکل کی تعریف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "اَلثِّقَةُ بِاللّٰهِ" یعنی اللہ پر بھروسا کرنا۔ (کشف المحجوب)

اور ابو محمد الراسبی علیہ الرحمتہ نے فرمایا "اَعْظَمُ حِجَابٍ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْحَقِّ اِشْتِغَالُكَ بِتَدْبِيْرِ نَفْسِكَ وَ اِعْتِمَادُكَ عَلٰى عَاجِزٍ مِّثْلِكَ فِيْ اَسْبَابِكَ" یعنی بڑے حجاب درمیان تیرے اور حق تعالیٰ کے دو ہیں۔ اول (تدبیر نفس کے ساتھ) مشغول ہونا۔ دوئیم بھروسا کرنا اسباب پر جو تیری طرح خود بھی عاجز ہے۔ (نفحات الانس)

اور مولانا روم علیہ الرحمتہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس کو خدا سے سروکار رہتا ہے اس میں دنیوی کاروبار کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ وھو ہذا۔

تا بدانی ہر کہ را یزداں بخواند | از ہمہ کار جہاں بیکار ماند
ہر کہ را باشد بہ یزداں کاروبار | یار آنجا یافت بیروں شد ز کار

یہ اقوال اور ایسے دیگر ارشادات حضرات عارفین کے ترک کسب کی تائید میں متعدد منقول ہیں اور ان حضرات کا وہی مسلک تھا جس کی تقلید کے لئے حضور قبلہ عالم نے اپنے فقرا کو ہدایت فرمائی کہ رضوان الٰہی کا طریقہ یہی ہے کہ حضرت مسبب الاسباب پر بھروسا کر کے بہ نگہ قناعت کی ترغیب میں یہ حکم ناطق ہے کہ "فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کہ اگر تم ایمان

ہو تو خدا پر بھروسا کرو"

اس حکم منصوص پر حضرات عارفین کا عملدرآمد ہے اور یہی مسلک عاشقین کا ہے۔ کہ کسب معاش سے احتراز فرماتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مراۃ الاسرار نے اصحاب صفہ کے حالات میں لکھا ہے کہ "در بیگانہ سکونت داشتند و آنحضرت ایشاں را تکلیف کسب وجہاد نہ داد"

اور صاحب کشف المحجوب نے اصحاب صفہ کے تذکرہ میں یہ لکھا ہے کہ " دست از دنیا وکسب برداشتہ بودند۔ واز ہمہ اعراض کردہ"

حالانکہ ارباب طریقت کے نزدیک بھی کسب بالذات مذموم نہیں ہے۔ مگر جب حارج احوال ہو تو ترک لازمی ہے۔ کیونکہ شاغل کے لئے جمعیت خاطر کی ضرورت ہوتی ہے اور جمعیت خاطر ایقیس تابعین اور متوکلین کو حاصل ہوتی ہے جن کو کامل یقین ہو کہ "اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ" یعنی اللہ اپنی قوت سے ہم کو رزق پہنچاتا ہے۔

اور یقین کو پختہ اور مستقل کرنے کے لیے حضور قبلۂ عالم نے اپنے فقیروں کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ "فقیر اسی پر قناعت کرتا ہے جو بے طلب غیب سے اس کو پہنچے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "جو رزق جس کی قسمت کا ہے وہ اس کو ضرور پہنچتا ہے"

ان ارشادات میں صبر و ثبات کی تعلیم ہے۔ تاکہ فقیر کو اپنے رزق رساں کی قوت کاملہ کا ایسا یقین ہو جائے کہ قلب مطمئن اور مستغنی رہے اور ماسوائے اللہ کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے

اور جب عنایت مرشد کامل سے فقیر کو رازق مطلق کے وعدۂ رزق رسانی پر کامل بھروسا ہو جاتا ہے۔ تو اس کا قلب مطمئن اور اسباب کی فکر سے فارغ ہو جاتا ہے جیسا کہ سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے کہ "فقیر تصدیق کے بعد مستغنی ہو جاتا ہے" اور اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا ہے کہ "اہل تصدیق کسب نہیں کرتے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "تصدیق عین ایمان ہے جس کو تصدیق نہیں اس کا ایمان ناقص ہے" اور اکثر یہ ارشاد ہوا ہے کہ "جس کو کسب پر بھروسا ہے اس کی تصدیق ہونا محال ہے"

ان ارشادات کا صاف اور صریح مفہوم یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی صفت رزاقی پر یقین قطعی نہ ہونا ضعف ایمان کی عین دلیل ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ رزاق حقیقی نے اپنے وعدۂ رزق رسانی پر قسم کھائی ہے اور بکمال رحمت ارشاد ہوا ہے۔ "وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ"۔

چنانچہ اس آیۂ کریمہ کے تحت میں امام محمد غزالی علیہ الرحمتہ نے منہاج العابدین کے عقبۂ چہارم میں عارف باللہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمتہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ "لعنت خدائے بر قومے کہ پروردگار ایشاں بر سایندن رزق سوگند خوردہ و ایشاں استوارش ندارند"۔

الحاصل قبلہ عالم نے اپنے تہبند پوش غلاموں کو جس طرح ترک سوال کی متواتر تاکید فرمائی اسی طرح مختلف عنوان سے یہ بھی سمجھا دیا کہ اسباب وکسب کو رزق کا وسیلہ نہ بناؤ اور غیر اللہ کی امداد واستعانت سے مستغنی رہو اور بکمال صدق اس کا یقین کرو کہ نان مطلق رزق مقسوم کا ضامن ہے جو وقت مقررہ پر ہم کو ضرور پہنچے گا بقول مولانا علیہ الرحمتہ ؎

ہیں توکل کن ملرزاں پا ودست   رزق تو برتو ز تو عاشق ترست

اور کسی اہل دل اور صاحب یافت نے اسی مضمون کو یوں نظم فرمایا ہے۔

بے مگس ہرگز نماند عنکبوت   رزق را روزی رساں پر میدہد

خلاصہ یہ کہ مسلک وارثی میں باعتبار دیگر شرائط وقیود کے ترک کسب مقدم اور لازمی قرار پایا ہے۔ ممکن ہے کسی دوسری شرط کی تعمیل سے کوئی فقیر کسی وجہ سے مستثنیٰ بھی ہوا ہو لیکن یہ حکم عام ایسا قطعی ہے کہ اس کی ہدایت حضور نے متواتر فرمائی ہے۔

اور دیکھا ہے کہ اکثر فقرائے وارثی پیشوائے برحق کی عنایت سے کسب واسباب اور سوال عن الناس سے محفوظ رہے اور بکمال صبر وثبات سلف صالحین کی یہ سنت جاریہ ادا کی۔ اور بہ تنگ دمصیبت فقر وفاقہ میں زبان حال سے یہی عرض کیا۔

من بہ کوئے تو خوشم خانہ من ویران کن   من بوئے تو خوشم نافہ تاتار مگیر

لیکن حضور قبلۂ عالم نے بعض پرجوش اور صاحب یافت فقراکے واسطے ترک سوال کو اور زیادہ وسیع کر دیا ہے اور ایسے احکام صادر فرمائے جن میں توکل خاص کا ذکر ہے اور ان کا وہی مفہوم ہے جو حضرات عاشقین کا مشرب ہے مثلاً اکثر ارشاد ہوا ہے کہ "مرجائے مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے" اور کبھی اس مضمون کو یوں فرمایا ہے " سات روز کا بھی فاقہ ہو تو زبان (حرف) شکایت سے آشنا نہ ہو" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "جس کو تصدیق ہے وہ خدا سے بھی نہیں مانگتا۔ اور سمجھتا ہے کہ جو میری قسمت کا ہے وہ ملے گا" اکثر یہ بھی فرمایا ہے کہ " فقیر کو چاہیئے کہ اللہ سے بھی نہ مانگے کیا وہ جانتا نہیں جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ فقیر وہ ہے جو لاطمع ہو اور رضا و تسلیم پر قایم رہے" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "فقیر خدا کا عاشق ہوتا ہے اور عاشق کو چاہیئے کہ وہی کرے جو معشوق کی رضا ہو نہ مانگے نہ انکار کرے اسی کا نام رضا و تسلیم ہے"

حضور قبلۂ عالم کے یہ احکام جو توکل خاص کی تعلیم سے مملو ہیں بظاہر اس مسلک کے منافی معلوم ہوتے ہیں جس میں قاضی الحاجات کی بارگاہ میں مناجات مشروع اور مستحسن ہے مگر نہیں یہ سمجھنا ہماری عدم معلومات کا قصور یا محدود خیال کا اقتضا ہے۔ حضرات عارفین کے مسلک میں بجز اتحاد کے مغائرت نہیں ہمیشہ ان کے اقوال اور افعال وہی ہوتے ہیں جو خدا کے پسندیدہ ہیں پس خدا کی پسندیدہ شے میں مقربین خدا کا اختلاف کیوں ہوگا؟

لہذا بارگاہ رب العزت میں حاجت براری کے لئے مناجات کرنا یہ مسلک بھی اہل حق کا ہے اور ان کا دعا کرنا، ان کی تصدیق صادق اور یقین واثق کے منافی ہرگز نہیں بلکہ ان کے حالات اور مقامات کا اقتضا یہی ہے کہ بحیثیت عبدیت حضور احدیت میں ضرور استدعا کریں۔

اور ارشادات وارثی کا جو مفہوم ہے یہ مسلک حضرات عاشقین کا ہے جو بکمال صدق ویقین سمجھتے ہیں کہ ذات خالق کائنات علیم و خبیر ہے۔ اور اس قادر مطلق کو جو منظور

ہے وہ ضرور رہے گا۔ اور اس کا غیر محدود علم ہمارے مصالح ہم سے بہتر جانتا ہے اسلئے قضا و قدرت کی مصلحت میں دخل دینے کی حاجت نہیں۔ بقول حافظ۔

جام جہاں نماست ضمیر منیر یار　　　اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت است

بلکہ ان کا یقین کامل ان کو مستغنی کر دیتا ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے۔ "اَلْفَقِیْرُ لَا یَحْتَاجُ اِلَی اللّٰہِ وَلَا اِلٰی غَیْرِہٖ"۔ چنانچہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلی علیہ الرحمۃ نے صحائف السلوک میں "اَلْفَقِیْرُ لَا یَحْتَاجُ اِلَی اللّٰہِ" کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ "اے دوست در فقر مقامے است کہ فقیر دراں مقام ہیچ افتقار بہیچ کس ندارد زیرا کہ احتیاج صفت وجود است"۔ لہٰذا فقیر جب توحید حقیقی سے آگاہ ہوتا ہے تو بہ جہت جمعیت خاطر اس کو طلب اعانت کی حاجت نہیں رہتی۔

چنانچہ مکتوبات یحییٰ منیری کے مکتوب شصت ونہم میں ہے کہ "یکے از بزرگان گفتہ است کہ فقیر کسے است کہ او را بر خداوند حاجت نہ باشد یعنی کہ از صدق و یقین کہ دارد میداند کہ روزے او اگرچہ نخواہد حق تعالےٰ بہ درساند"

اور امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقات الکبریٰ میں مظفر القرمیسینی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اَلْفَقِیْرُ ھُوَ الَّذِیْ لَا یَکُوْنُ لَہٗ اِلَی اللّٰہِ حَاجَۃٌ" کہ فقیر وہ ہے جس کو اللہ سے بھی کوئی حاجت نہ ہو اور یہی مضمون ہمارے حضور قبلۂ عالم کے ملفوظ کا ہے۔

چونکہ مقام توکل میں حضرت صوفیہ کے حالات ان کے درجات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں اس لئے بعض اہل معرفت حسب ضرورت حق تعالیٰ کی کفالت چاہتے ہیں۔ جو بجائے خود بالکل صحیح اور درست ہے اور بعض اہل تصدیق جن کی قوتِ اختیاریہ قضا و قدرت کے آگے فنا ہو جاتی ہے وہ انوار توحید مطلق کے سامنے ایسے محو اور مستغرق رہتے ہیں کہ ان کو دوئی نظر نہیں آتی اور جملہ معاملات میں "رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ" ان کا نصب العین ہوتا ہے اور وہ موحدین "لَا یَحْتَاجُ اِلَی اللّٰہِ" کے مصداق ہوتے ہیں

الغرض حضور قبلۂ عالم نے فقرائے تہبند پوش کو اپنے مشرب کی اس مخصوص شرط سے کما حقہٗ آگاہ فرمایا کہ سوال عن الناس قطعاً حرام ہے کفالت خدا پر بھروسہ کرو۔ وکفیٰ باللہ وکیلاً لیکن جس طرح اس اہم ترین مجاہدت کا حکم قطعی آپ نے صادر فرمایا۔ اسی طرح شفقت داری شٔ نے ازراہ پرورش اس ریاضت کی دشواریوں کو آسان کرنے کا طریقہ بھی ایسے حکیمانہ عنوان سے تعلیم فرمایا کہ وہ آسانیاں بھی داخل مشرب ہو کر لوازمات زہد اور فروعات توکل ہو گئیں۔

حالانکہ وہ آسانیاں بظاہر معمولی باتیں ہیں۔ لیکن درحقیقت نہایت مفید اور غایت بکار آمد ہیں۔ بلکہ ان کے نتائج اور ثمرات کو دیکھ کر اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ بغیر ان کے زاہدین اور متوکلین کا دستور العمل مکمل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ حضور قبلۂ عالم نے گویا اپنے فقرا کو یہ سمجھا دیا کہ اگر تعلقات موجودات سے انقطاع کو مشکل جانتے ہو جو واقعی دشوار ہے بھی تو اس ناقابل برداشت مجاہدہ کی تکمیل اس صورت سے بآسانی ہو سکتی ہے کہ تم خواہشات بشری اور ضروریات معاشرت کو مختصر اور محدود کر دو۔ جس طرح اہل دنیا کے مکلف اور قیمتی لباس کو چھوڑ کر نہایت سادہ اور کم خرچ لباس اختیار کیا ہے اسی طرح تمہارا دیگر اسباب معاشرت بھی اغنیا کے سامان معاشرت سے بالکل جداگانہ اور تکلفات سے معرا ہو۔ جب ایسے زاہدانہ طرز اور فقیرانہ انداز سے جو سراپا مشتمل بہ سادگی ہو زندگی بسر کرو گے تو نہ اسباب نمائش کی جانب التفات ہوگا اور نہ سامان آرائش کی طرف طبیعت مائل ہوگی اور فطرتاً ایسی چیزوں سے جو تعلق ہوتا ہے۔ وہ خود بخود منقطع ہو جائے گا۔

مثلاً لباس میں جوتہ اور ٹوپی جو بالکل زائد اور غیر ضروری اس وجہ سے ہیں کہ ستر پوشی سے ان کو تعلق نہیں۔ لہذا ان کا پہننا ترک کر دو یا بستر کے ساتھ تکیہ بھی ہو یہ ایک قسم کا اسراف ہے بلندی کی ضرورت ہے تو اینٹ یا پتھر کا ٹکڑا سر کے نیچے رکھو یا اپنے ہاتھ کو اپنا تکیہ بنالو۔ سیاحت کے لئے سواری کا انتظام بیکار ہے۔ خدا نے پاؤں دیئے ہیں۔ پیدل سفر کرو اور

چند دن کی زندگی کے واسطے مکان بنانا فضول ہے۔ آرام لینے کے لئے درخت کا سایہ کافی ہے اور چکی چولہا اس لئے بے ضرورت ہے کہ روزی غیب پر موقوف ہے جو کم از کم دعوت کی صورت میں پہنچے گی۔

اسی طریقہ سے حضور قبلۂ عالم نے عملاً اور کبھی بصراحت تجرید کی ہدایت فرمائی ہے بلکہ بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو اصولاً مشرب وارثی کا جزو اعظم تجرد ہے جس کی اہمیت کا اشارہ آپ کے خرقہ میں موجود ہے۔ کیونکہ آپ کا خرقہ بغیر لنگوٹ کے ناتمام رہتا ہے اور لنگوٹ کا منشا صرف تجرید کا اختیار کرنا ہے۔

اور حضور قبلۂ عالم نے متواتر فرمایا ہے کہ "ہم لنگوٹ بند ہیں" یعنی مجرد ہیں اور اکثر آپ نے لنگوٹ بندی کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ "لنگوٹ بند اس کو کہتے ہیں جو دنیا کی عورتوں کو اپنی ماں بہن سمجھے"۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ لنگوٹ بند کے معنی مجرد کے ہیں۔ چونکہ تجرید کا ذکر اوپر بصراحت ہو چکا ہے اس لئے اسی قدر عرض کروں گا کہ ایک تجرید سے اس قدر افکار لاحق ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا دشوار ہے اور صرف تجرید سے ان کا سد باب ہوتا ہے اس لئے سرکار عالم پناہ نے اپنے تہبند پوشوں کو تجرید کا حکم دیا۔ تاکہ جمعیت خاطر ہو۔ ورنہ اہل تجوز کو کسب و اسباب سے دست بردار ہونا دشوار ہے۔

علیٰ ہذا اکثر حضور قبلۂ عالم پناہ نے اپنے فقرا سے مخاطب ہو کر یہ بھی فرمایا تخت، پلنگ مونڈھے، کرسی پر نہ بیٹھنا" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "انسان کا خمیر خاک سے ہوا ہے اور خاک ہی میں اس کو ملنا ہے تو فقیر کو لازم ہے کہ انجام کو دیکھے اور زمین کو اپنا بستر بنائے" اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ "مونڈھے کرسی پر بیٹھنے سے رعونت کو تحریک ہوتی ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "فقیر ہمیشہ سے زمین پر سوتے ہیں"۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ "زمین پر بیٹھنا خاکساری کی دلیل ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "جن کا ذکر دائمی ہوتا ہے وہ زمین پر سوتے ہیں"۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "زمین پر سونا اور بیٹھنا ہمارے دادا

کی سنت ہے۔

یہ ارشادات نفرات وارثی کی معاشرت کا وہ دستور العمل ہے جس کی تعمیل سے علاوہ تفریغ خاطر کے آپ کے مقدس افعال کی صورتاً تقلید بھی ہوتی ہے کیونکہ آپ نے ہمیشہ فرش زمین پر استراحت فرمائی ہے اور تخت، پلنگ وغیرہ کا دیکھنا بھی آپ کو نا پسند تھا۔

الغرض بلحاظ اختصار یہ چند احکام تمثیلاً نگارش کئے ورنہ علاوہ ان کے اور متعدد فرمان ہیں جن میں اکثر شخصی یا غیر قطعی بھی سمجھے جاتے ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت نہ کروں گا لیکن حضور قبلہ عالم نے خود ان کی بھی بہ کمال اہتمام ہمیشہ پابندی فرمائی۔ مثلاً تقریبات شادی وغمی میں شرکت نہ کرنا جو آپ کے مخصوص متروکات میں داخل ہے چونکہ ایسی تقریبوں میں شریک ہونے سے تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے شاید اسی وجہ سے سرکار عالم پناہ نے شرکت نہ فرمائی۔ کیونکہ آپ کے مشرب کی پہلی شق ماسوا اللہ سے کلیتہً انقطاع قطعی ہے۔

یا سکہ جات کو رغبتاً ہاتھ سے نہ چھونا چنانچہ جملہ مریدین کو بخوبی اس کا علم ہے کہ روپیہ اشرفی کی کثافت سے حضور قبلہ عالم کا دست مقدس ہمیشہ پاک اور محفوظ رہا اور شرط رغبت اور غیر رغبت کا کیا ذکر ہے آپ نے مسی یا نقرئی یا طلائی سکہ کو کبھی سہواً بھی ہاتھ سے نہیں چھوا کیونکہ قانون فقر کی یہ مخصوص شق ہے کہ فقیر چاندی اور سونے کو نجس جانتا ہے۔

یا نماز میں امامت نہ کرنا۔ حضور نے اس شرط غیر قطعی کی پابندی میں بھی ایسا بلیغ اہتمام فرمایا کہ فرائض کے ساتھ نوافل کی بھی آپ نے کبھی امامت نہیں فرمائی ہمیشہ اقتدار کی۔ حالانکہ آپ حافظ بھی اور قاری بھی تھے۔ ارباب تصوف نے احتراز امامت کے جو وجوہ تحریر فرمائے ہیں وہ قابل دید ہیں لیکن علاوہ ان کے شاید آپ کی اس احتیاط کا ایک سبب یہ بھی ہو کہ مقتدیوں سے امام عموماً افضل سمجھا جاتا ہے اور آپ کی انکسار پسند طبیعت نے اس فضل عارضی کو بھی گوارا نہ فرمایا۔

یا غفلت کی نیند سونا۔ یا شکم سیر ہو کے کھانا کھانا۔ یا قہقہہ کے ساتھ ہنسنا یا زیادہ باتیں کرنا یا کسی کی تکلیف سن کے خوش ہونا۔ یا کسی چیز کے زائل ہو جانے کا افسوس کرنا۔ یا اغنیا سے ملنے کی کوشش کرنا۔ یا قرض لینا وغیرہ وغیرہ ان صفات کثیف کے کدورت سے آپ کا شفاف دامن ہمیشہ پاک رہا۔

ہدایت عام | فلہٰذا جس طرح برادران خرقہ پوش کے حق میں حضور قبلۂ عالم نے ممنوعات مشربی کے سلسلہ میں مخصوص احکام صادر فرمائے۔ اسی طرح یہ ارشادات بھی اپنی اس خصوصیت کے اعتبار سے ضرور قابل مطالعہ ہیں کہ ان کا خطاب کسی خاص اور محدود جماعت سے نہیں بلکہ یہ وہ فرامین ہیں جن کو حکم عام یا غلامانِ وارثی کا دستور العمل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا یا بمحاورہ الفاظ میں یوں کہیں کہ حضور کے اس فیض عام سے جملہ غلامانِ وارثی مستفیض ہو سکتے ہیں۔ جو فی الحقیقت آپ کے احسان اور پرورش کی بین دلیل ہے۔

کیونکہ آپ کے مزاج ہمایوں کی یہ صفت جو دیگر صفات سے نسبتاً زیادہ ممیز معلوم ہوتی ہے کہ باوجود دائمی استغراق اور مستقل محویت کے اس داعی الی اللہ نے کبھی اور کسی حالت میں اپنے غلاموں کی حمایت اور دستگیری میں تامل یا ہدایات اور رہنمائی میں دریغ نہیں فرمایا۔

بلکہ زیادہ قرینہ ہے کہ میری اس گذارش کی تائید کرنے میں اخوان ملت کو عذر نہ ہوگا کہ سرکار عالم پناہ از روئے اصول مساوات اپنے مسترشدین کے اصلاحات میں کبھی ان کے ذاتی اعزاز اور صفاتی امتیاز کی وجہ سے رشد وہدایت میں کوئی تخصیص اور تفریق نہیں فرمائی۔ بلکہ ہر دست گرفتہ کی معاونت کے موقع پر معاونت اور ہدایت کے موقع پر ہدایت اسی عنایت اور اسی شفقت سے فرمائی جو ایک مہربان رہنما کی شان ہے۔

بجز اس کے کہ تعلیم روحانیت میں یہ احتیاط ضرور فرمائی کہ طالب کی استعداد کا لحاظ فرما کر اس کی صلاحیت کے اعتبار سے اس کو وہی حکم دیا۔ جس کا وہ اہل تھا ورنہ غلامی

اور ارادتمندی کے رشتہ سے بارگاہ وارثی میں سب کی حیثیت یکساں تھی۔

خصوصاً یہ احکام جن کا کلیتہً اخلاق سے تعلق ہے اور جو عادت کو درست اور خیالات کو شائستہ بنانے کے لئے ہمارے مرشد کامل نے بہ عنوان اصلاح و تصفیہ صادر فرمائے ہیں۔ ان ارشادات کے برکات اور تصرفات سے تو بدرجہ اتم جملہ مریدین کو مساوی سروکار ہے اور اس کثیر التعداد گروہ کا ہر فرد آپ کے اس فیض عام سے مستفید ہونے کا بحیثیت واحد مستحق ہے

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ جس طرح یہ احکام تعمیم کے لحاظ سے حضور قبلہ عالم کے جملہ مُریدین کے واسطے عموماً مفید ہیں اسی طرح ان کی قطعیت کی وجہ سے جملہ پرستاران بارگاہ وارثی ان کی تعمیل کے لئے مکلف بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے طبیب باطنی نے صحت حال اور تقویت خیال کے واسطے یہ مجرب نسخہ مرحمت فرمایا ہے پس شکر گذاری کے ساتھ تا ازالۂ مرض اس کو استعمال کرنا ہمارا فرض لازمی ہے۔

چنانچہ حضور قبلۂ عالم نے اپنے امیر و غریب، قدیم و جدید مریدین سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ "اگر کسی کے ہاتھ سے تکلیف پہنچے تو قبل اسکے کہ وہ منفعل ہو تم معاف کر دو"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "باوجود اختیار کے دشمن سے بھی بدلہ نہ لو کیونکہ جب فاعل حقیقی ایک ہے تو عوض کس سے اور کون لے گا۔

حضور قبلہ عالم کا یہ ارشاد مختصر لفظوں میں توحید افعالی کی مکمل شرح ہے اس لئے کہ موحد کو جب یہ مرتبۂ تفویض ہوتا ہے تو وہ بچشم تحقیق خود اپنی مجبوری کو دیکھتا اور بکمال یقین جملہ واقعات و واردات کا فاعل حقیقی شاہد غیبی کو جانتا ہے۔

چنانچہ منقول ہے کہ شہید سرمدؒ ہلوی کو جب غلبۂ جذبات نے محو تجلیات انوار ذات کیا اور مدہوشی کی حالت میں ستر پوشی کا خیال بھی نہ رہا تو حضرات علماء نے قتل کا فتویٰ دیا اور عالمگیر کی منظوری سے جلاد مقتل میں لایا اور قتل کیا تو آخری کلام سرمد کا یہ تھا۔

سرجدا کرد از تنم شوخے کہ با ما یار بود   قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

لیکن بظاہر تو سرمد کا قاتل جلاد تھا یا وہ علما جنہوں نے فتویٰ لکھا یا اورنگ زیب جس کے حکم سے جلاد آیا۔ مگر سرمد علیہ الرحمتہ نے ان کا نام اشارتہً بھی نہیں لیا۔ بلکہ قاتل کا پتہ یہ بتایا "شوخے کہ بابا یار بود" لہٰذا وجہ یہ تھی کہ سرمد کو صرف شاہد حقیقی سے سروکار تھا اس لئے اسی کی جانب اشارہ کیا۔ اور یہی توحید افعالی کی تعریف ہے۔ کہ موحد جملہ موجودات کو مجبور اور شاہد غیبی کو قادر مطلق اور فاعل حقیقی جانتا ہے۔ جیسا کہ سرکار عالم پناہ نے اپنے مشرب کے مطابق فرمایا "فاعل حقیقی ایک ہے عوض کس سے اور کون لے گا"

اور یہ بھی حضور نے فرمایا ہے کہ دشمن کے ساتھ سلوک کرو۔ یہ شیر خدا کی سنت ہے کہ قاتل کو پہلے شربت پلایا" یہ بھی فرمایا ہے کہ "دشمن سے بغض رکھنے میں اپنا نقصان ہے کہ بغض کی کثافت قلب کی لطافت کو خراب کرتی ہے"

چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم کو معلوم ہوا کہ قصبہ کے دو معزز شخص باہم ایسے کشیدہ خاطر ہیں کہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے ان میں سے ایک صاحب قدمبوسی کو آئے تو آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو نہیں معلوم کہ بغض نفاق کی جڑ ہے اور نفاق سے ایمان خراب ہوتا ہے۔ وہ صاحب ندامت سے سرنگوں اور آبدیدہ ہو گئے۔ اور اسی وقت جا کر اپنے فریق مخالف سے بغلگیر ہو گئے اور پھر دونوں ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور اپنی مصالحت کا اظہار کیا تو حضور خوش ہوئے اور فرمایا کہ "دو بھائیوں میں عداوت ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت نہیں جاؤ عداوت سے ہمیشہ احتراز کرنا"

اور یہ بھی فرمایا کہ کسی بندہ پر احسان کرنے سے خدا کے ان احسانات کی حقیقت سمجھنے کا شعور ہوتا ہے جو ہر وقت وہ بندہ نواز ہم پر کرتا ہے اور یہ شعور حاصل ہونے سے شکر کی توفیق ہوتی ہے اور شاکرین میں شمار ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "دوسرے کا احسان یاد رکھو اور اپنا احسان بھول جاؤ" اور یہ بھی فرمایا کہ اپنے احسان کا ذکر کرنا احسان کے فائدہ کو مٹاتا ہے"

چنانچہ آپ کے ایک حلقہ بگوش نے خدمت والا میں اپنے بھائی کی شکایت اس عنوان سے کی کہ میں نے اولاد کی طرح پالا پرسایا۔ شادی کی لیکن اس نے عدالت میں دعویٰ کیا کہ باپ کا متروکہ تقسیم کردو۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ " اگر اپنے احسانات تم بھول جاتے تو شاید وہ دعویٰ بھی نہ کرتے۔ تم کو تو احسانات یاد ہیں گویا واپس کر لئے ہیں اس لئے ان کا اثر بھی زائل ہو گیا۔ جاؤ جب اس کا مطالبہ جائز ہے تو باہمی تصفیہ کر لو "

یہ بھی فرمایا ہے کہ " وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، کیونکہ الیفائے وعدہ نہ کرنا گناہ ہے"

یہ بھی فرمایا کہ " طمع ذلت کا پیش خیمہ ہے " اور یہ بھی فرمایا کہ " طمع یقین کو خراب کرتی ہے "

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ " حریص حرمان لنصیب اور محروم رہتا ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ " جب عقل سلیم مغلوب ہوتی ہے تو آثار حرص و طمع کا اظہار ہوتا ہے " اور یہ بھی فرمایا کہ " حسد میں سوائے نقصان کے فائدہ نہیں " اور یہ بھی فرمایا ہے کہ " حاسد ہمیشہ ذلیل رہتا ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ " حسد ۔ ایمان خراب ہوتا ہے " بقول مولاناؒ۔

خانماں ہا از حسد باشد خراب   باز شاہی از حسد گردد غراب

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ عمداً کسی کی حق تلفی کرنا وہ گناہ ہے جو توبہ سے بھی نہیں معاف ہوتا " یہ بھی فرمایا کہ " انسان کو چاہیئے کہ زمین کی خاصیت اختیار کرے کہ سب کا بوجھ اٹھائے اور اپنا بار کسی پر نہ ڈالے " اور یہ بھی فرمایا ہے کہ " اپنی بھلائی چھپاؤ۔ اور کسی کی برائی نہ دیکھو "

چنانچہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں ایک تہبند پوش حلقہ بگوش نے عرض کیا کہ حسب ہدایت آخر شب میں ذکر کرتا ہوں مگر یکسوئی نہیں ہوتی۔ تمنا ہے کہ طبیعت گداز ہو جائے ارشاد ہوا " کسی کو برا نہ سمجھو۔ محبت کا ادب یہ ہے کہ معشوق کی جس چیز کو عاشق دیکھے وہ اچھی معلوم ہو۔ جیسا کہ مجنوں لیلےٰ کی نسبت سے۔ سگ لیلیٰ کو پیار کرتا تھا تم بھی خالق کی نسبت سے اگر مخلوق کو اچھی نظر سے دیکھو گے تو قلب کی حالت مبدل ہو جائے گی "

یہ بھی فرمایا ہے کہ "کسی مذہب کو برا نہ کہو۔ کیونکہ اس کے ملنے کے راستے بے شمار ہیں" "اَلطُّرُقُ اِلَی اللّٰہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ"

چنانچہ منقول ہے کہ مولانا روم علیہ الرحمتہ نے آخر زمانہ میں یہ مسلک اختیار فرمایا تھا کہ اسلام کے کسی فرقہ کے اعمال و عقائد سے اختلاف نہیں کرتے تھے۔ جب آپ کے اس خیال کی شہرت ہوئی تو ایک جلیل القدر فقیہہ نے تصدیق حال کے واسطے اپنے دو شاگردوں کو حکم دیا کہ جاؤ اگر مولانا کی یہی حالت دیکھنا تو تم ان کو گالیاں دینا۔ شاگردوں نے جا کر مولانا سے ملاقات کی اور معلوم ہوا کہ واقعی آپ کسی سے اختلاف نہیں فرماتے تو استاد کے حکم کے مطابق انھوں نے مولانا کو گالیاں دیں۔ آپ نے انکسار کے ساتھ فرمایا "مجھے اس سے بھی اختلاف نہیں"

یہ بھی فرمایا کہ "قرض لینا انسان کے وقار کو ضائع کرتا ہے" یہ بھی فرمایا کہ "قرض دو تو طلب نہ کرو" یہ بھی فرمایا کہ "واپس لینے کی نیت سے قرض دینا محبت کو قطع کرنا ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "شریعت اور طریقت میں خود بینی منافی آداب عبدیت ہے" بقول

از مردمکِ چشم بباید آموخت دیدن ہمہ کس را و ندیدن خود را

یہ بھی فرمایا کہ "خدا اس وقت ملے گا۔ جب من و تو کا جھگڑا چھوڑ دو گے" یہ بھی فرمایا کہ "جس نے حق کو دیکھا وہ کامیاب ہوا۔ اور جس نے خلق کو دیکھا وہ خراب گیا" یہ بھی فرمایا کہ "جو کام کرو خدا کے بھروسے پر کرو۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "خود پرستی حجاب کو بڑھاتی۔ اور مقصود سے دور رکھتی ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "مرید میں جب تک خودی رہے گی۔ پیر سے دور رہے گا" بقول ؎

در محفلے کہ خورشید اندر شمار ذرہ ست خود را بزرگ دیدن شرط ادب نباشد

یہ بھی فرمایا ہے کہ "گمنامی کو دوست رکھو اور شہرت سے بچو" مصرع۔ خودپسندی جان من برہان نادانی بود۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ "خواہشات نفس امارہ کی تعمیل خدا سے دور رکھتی ہے" یہ بھی فرمایا۔

ہے کہ "نفس امارہ کے خلاف عمل کرنا عبادت ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "نفس کی دوستی ہلاک کرتی ہے" یہ بھی فرمایا ہے "کہ مرید کی ترقی کا زینہ ادب ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ جس دنیا سے عنقریب علیحدہ ہونا ہے اس کی جستجو صریح غفلت ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "دنیا کا دلدادہ فلاحِ آخرت سے محروم رہے گا" یہ بھی فرمایا ہے کہ "تمام برائیوں کی جڑ دنیا ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "جو حق سے ڈرتا ہے وہ خلق سے بے خوف رہتا ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھتا ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ رنج پہنچے تو صبر اور راحت پہنچے تو شکر کرو" یہ بھی فرمایا ہے کہ "ہماری منزل عشق ہے اور منزل عشق میں انتظام نہیں" اور اکثر اس مضمون کو یوں فرمایا ہے کہ ہمارا مشرب علیں عشق ہے۔ اور عشق میں خلافت اور جانشینی نہیں۔ اور کبھی یہ مفہوم ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ "ہماری منزل عشق ہے اور مشرب عشق میں خلافت اور جانشینی کا انتظام نہیں۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے"

امتناع جانشینی نظر خائر سے دیکھتے ہیں تو ارشاد آخرالذکر غیر معمولی اہمیت سے معمور معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور قبلہ عالم نے اسی مفہوم کو مختلف الفاظ میں مسترشدین سے مخاطب ہو کر کبھی استفہامیہ لہجہ میں اور کبھی ہدایت کے طور پر تاکیدا اور متواتر فرمایا ہے۔

بلکہ اس ملفوظ کی خاص اہمیت کا اظہار جناب والا کے اس طرز تعلیم سے بھی ہوتا ہے کہ اس فرمان کے نافذ کرنے میں سرکار عالم پناہ نے خلاف عادت وہ جد وجہد فرمائی جس کی نظیر آپ کے ہفتاد سالہ دور ہدایت میں نہیں ملتی۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرکار عالم پناہ نے یہ حکم صادر فرمانے میں اس قدر کوشش سے کیوں کام لیا۔ جس طرح دیگر قطعی اور ضروری احکام سے اپنے غلاموں کو خبردار کیا تھا۔ اسی طرح اس فرمان کی نسبت بھی آپ کا بے تکلف عنوان سے بیان کر دینا کافی تھا۔

چونکہ یہ استفسار ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اس لئے یہ عرض کرونگا کہ فی الحقیقت

اس کوشش میں مصلحت وارثی کیا تھی۔ اس کا تو علم نہیں۔ لیکن بظاہر آپ کا بار بار اس مفہوم کو مختصر الفاظ میں اظہار کرنے کا سبب بھی یقینی ہے اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ سبب عرض کرنے سے پہلے ایک تاریخی واقعہ کا ذکر کر دوں جس کے وقوع کا علم ہو جانے کے بعد شاید بہ آسانی یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس جہت سے یہ حکم صادر ہوا۔ اور اس لحاظ سے حضور قبلۂ عالم نے اس حکم عام کے اعلان کرنے میں یہ اہتمام فرمایا اور اس اعلان کے لئے جو خلاف عادت کوشش فرمائی وہ بخیال مزید احتیاط تھی جس کو دوسرے الفاظ میں حفظ ماتقدم بھی کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ تقریباً سب کو معلوم ہے کہ مستقیم شاہ صاحب رئیس فتحپور جن کا بارگاہ وارثی میں قدیم خدمت گزار مریدوں میں شمار ہے اور اسی صدق ارادت کے جوش میں وہ ممدوح وطن مالوف سے کنارہ کش ہو کر مع اپنے چند اعزا کے دیوی شریف میں بطور مہاجرت ظل حمایت وارثی میں پناہ گزیں رہیں اور انتقال بھی دیوی شریف ہی میں ہوا۔ مگر تدفین اس مکان میں ہوئی جو فتحپور رئیس اسی غرض سے مرحوم نے خرید کیا تھا۔

مستقیم شاہ صاحب کے انتقال کے بعد بھی ان کے اعزا ایک مقتدر خادم کی شان سے اسی مکان میں سکونت پذیر رہے اور معززین ارباب دیوی شریف نے ان کا احترام بھی کیا۔

لیکن بالآخر طرفین کے دلوں میں اس خیال کی وجہ سے مغائرت بلکہ معاندت کا گہرا حجاب حائل ہو گیا کہ قصبہ کے وہ حضرات جن کو دربار وارثی میں غلامی کا شرف حاصل تھا ان کا عموماً بہ لقب العین تھا کہ سرکار عالم پناہ کا جانشین کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضور کے وہ احکام یاد تھے جو اس بارے میں صادر ہو چکے تھے۔

مگر برخلاف اس کے جب یہ شہرہ رہا کہ مستقیم شاہ صاحب کے اہل قرابت اپنی دیرینہ خدمت کے اعتبار سے سمجھتے ہیں کہ سجادگی کے مستحق ہم ہیں اور بالاعلان یہ کہتے سنا بھی کہ حضور قبلۂ عالم نے ہم کو مستقیم شاہ صاحب کے مزار کا مہتمم کیا ہے اور وعدہ فرمایا ہے کہ ہماری قبر بھی مستقیم شاہ کی قبر کے برابر ہو گی بلکہ اپنی قبر کا نشان بنا دیا ہے تو باہم اختلاف ہو گیا اور

ان کو اس خلافِ مشربِ تخیل سے خود غرض خادم سمجھنے لگے۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ مستفیضم شاہ صاحبہ کے خاندان کے جملہ افراد کو اپنی عقیدت کے لحاظ کر بہت ممتاز ارادتمند دل کا مرتبہ حاصل تھا۔ لہٰذا سب کو جانشینی کا خیال لاحق ہوا یہ تو بالکل خلافِ عقل اور ان کی قابل قدر خدمت کے صریح منافی معلوم ہوتا ہے۔

اور اگر کسی خاص شخص کا یہ تخیل ہو تو اس کی نادانی اور عین غفلت کی دلیل تھی کہ سرکار عالم پناہ کے ان ملفوظات کو نظر تعمق سے نہیں دیکھا۔

مثلاً آپ اکثر فرما چکے تھے کہ "ہمارا مشرب عشق ہے" اور یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ "عاشق اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو" اور یہ کلیہ بھی گوش گذار کر دیا تھا کہ "عشق میں ترک ہی ترک ہے" اور بالآخر صاف لفظوں میں فرما دیا تھا کہ "عشق میں انتظام نہیں"

اور ظاہر ہے کہ یہ ارشادات منطق کے دقیق مسائل نہ تھے جن کے سمجھنے کے لئے خاص دماغ کی ضرورت ہوتی۔ کیونکہ حضور قبلہ عالم نے سلیس اردو میں اپنے مشرب اور اصول مشرب سے مسترشدین کو کماحقہٗ آگاہ کر دیا تھا کہ ہم وادیٔ عشق کے رہ نوردیں ہم کو اسباب موجودات سے نہ تعلق نہ لوازماتِ دنیا سے واسطہ بلکہ ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ مولا ترکِ ترک کا مضمون ہے کہ بجز خیالِ یار دنیا و مافیہا کی ترتیب و تنظیم سے سروکار نہیں۔

امتناعِ سجادگی کا ضبطِ تحریر میں آنا

حتیٰ کہ بعد ان ہدایات کے ہمارے شفیق رہنما نے یہ مزید احتیاط فرمائی کہ شاید کسی نے ان معمولی اشارات کو اپنی ثقالتِ عقل سے مقطعات سے تعبیر کیا۔ اور یہ عذر پیش کیا کہ ان ملفوظات کے مفہوم سے ہم نے جانشینی کو منافی مشرب نہیں سمجھا تھا۔ اس لئے آپ نے صاف اور بے پردہ مضامین میں یہ فرما دیا کہ ہمارا مشرب عشق ہے جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے اور منزلِ عشق میں خلافت اور جانشینی نہیں ہے"

اس فرمان کی وضاحت نے غلامان وارثی کو آپ کے مشرب اور اصول مشرب سے

بخوبی آگاہ کر دیا تھا اور حالانکہ اب کسی تا دیل کی بھی گنجائش نہ تھی۔ مگر افسوس جن کے خیالات اغراض سے معمور تھے ان کے دل سے جانشینی کی یاد فراموش نہ ہوئی۔

چنانچہ اکثر معتقد حضرات نے حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھکو معلوم ہوا ہے کہ آپ کے کسی دست گرفتہ کا خیال ہے کہ بلحاظ قدامت اور باعتبار خدمت میں جانشینی کا سزاوار ہوں۔

اور بعض خدام کہتے تھے کہ شیخ عنایت اللہ صاحب وارثی تعلقدار سیدنپور کا ایک خط حضور کے پاس آیا تھا جس میں بکمال شرح و لبسط مرقوم تھا کہ باوجود امتناع قطعی کے جس کا ذکر آپ کے ملفوظات میں بصراحت موجود ہے۔ آپ کے ایک خدمت گزار بالاعلان کہتے ہیں کہ مجھ کو حضور نے مستقیم شاہ صاحبہ کے مزار کا مہتمم اور جانشین کر دیا ہے۔ اور دہیں جناب والا بھی استراحت فرمائینگے۔

چنانچہ اسی واقعہ کو حکیم سید عبد الآد شاہ صاحب وارثی۔ اپنی کتاب موسومہ عین الیقین کے صفحہ ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ "فتحپور اور دیلوی کے لوگ جھگڑتے تھے فتحپور کے لوگ جو مستقیم شاہ کے خاندان سے ہیں وہ کہتے تھے کہ جناب حضور نے مجھے اپنا خلیفہ کیا ہے اور دیلوی کے صاحبان کہتے تھے کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جب لوگوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا نزاع عشق میں خلافت کیسی؟

غرض یہ اخبار جب متواتر گوشگزار ہوئے تو حضور قبلۂ عالم کو اپنے غلاموں کی یہ خود غرضی ناگوار ہوئی اور قاضی بخشش علی صاحب سے فرمایا کہ کاغذ قلم دوات لاؤ۔ قاضی صاحب معہ صوف لکھنے کا سامان لیکر فوراً حاضر ہوئے ارشاد ہوا کہ لکھو "ہماری منزل عشق ہے۔ جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں کوئی ہو۔ چمار ہو یا خاکروب۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔"

الحاصل ۱۳۰۶ھ میں حسب الحکم قدیم یہ فرمان کفولوی صراحت کے ساتھ ضبط

تحریر میں آگیا اور سرکار عالم پناہ نے وہ تحریر باین حکم خادم خاص کو سپرد فرمائی کہ اگر کوئی شخص اس کی نقل کا خواستگار ہو تو اس کو دے دینا۔

ممکن ہے کہ اس تحریر کی نقل بعض دیگر مریدین نے بھی حاصل کی ہو لیکن چند ہفتہ کے بعد جب قصبہ مسولی ضلع بارہ بنکی میں جسٹس سید شرف الدین وارثی قدمبوسی کے لئے پٹنہ سے حاضر ہوئے تو حضور قبلہ عالم نے خاص طور پر وہ اصل تحریر ان کو مرحمت فرمائی اور ایک نقل اس کی اپنے قدیم حلقہ بگوش منشی نادر حسین صاحب رئیس نگرام کو اس مخصوص حکم کے ساتھ مرحمت ہوئی کہ "نادر حسین اگر کوئی انگریز بھی مانگے تو اس کو دکھا دینا"

جسٹس موصوف نے تو حکیم سید عبدالاحد شاہ صاحب وارثی کی کتاب عین الیقین میں اس تحریر کو شایع کرا دیا۔ اور ستائیس سال کے بعد اگست ۱۹۱۵ء میں جب درگاہ وارثی الیسوی ایشن کی جانب سے عدالت ڈسٹرکٹ جج لکھنؤ میں حسب دفعہ ۹۲ ضابطہ دیوانی۔ مقبرہ شریف کو وقف عام کرانے اور تنسیخ سجادگی کا دعویٰ ہوا تو جسٹس سید شرف الدین نے اپنے اظہار میں بکمال وضاحت اس تحریر کا ذکر کیا۔ اور منشی نادر حسین صاحب نے وہ تحریر عدالت میں پیش کی۔ جس کی بنا پر آستانہ اقدس وقف عام ہوا۔ اور ثالثاً ہمیں لوث سجادگی سے ہمیشہ کے لئے مبرا ہو گیا۔

بظاہر یہ فلسفہ تھا کہ حضور قبلہ عالم نے ایک اہم ترین رکن مشرب کی اشاعت کیواسطے بطور اتمام حجت یہ اہتمام فرمایا کہ پہلے اپنے مشرب اور اصول مشرب سے مسترشدین کو بالاجمال مگر متواتر آگاہ کیا۔ اور ہر مرتبہ ایکس ارشادات میں بہ نظر استفہام کچھ نہ کچھ وضاحت فرمائی حتیٰ کہ اصل منشاء یعنی امتناع سجادگی کا نہایت سلیس اور سادہ الفاظ میں اظہار کر دیا تاکہ جملہ حلقہ بگوش ہمارے اصول مشرب سے آگاہ ہو جائیں اور کسی کو لاعلمی کا عذر نہ ہو۔

بہر کیف حضور قبلۂ عالم کے اس حکم عام کی شہرت ہو گئی ہزاروں غلامانِ وارثی اس امتناع مشرب سے واقف ہوتے مصنفین نے اپنے تصنیفات میں اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ قاضی

بخشش علی صاحب وارثی نے اپنے رسالہ وسیلۂ بخشش میں یہ فرمان بصراحت نقل کیا اور وہ رسالہ جب حضور کی نظر سے گزرا تو اس میں اپنے حکم امتناع کا ذکر دیکھکر متبسم لبوں سے فرمایا کہ "اب جو کتاب لکھی جائے گی اس میں تنسیخ سجادگی کا ذکر ہوا کرے گا"

اور حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے رشحات الانس مطبوعہ ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۱۱ میں سرکار عالم پناہ کا یہ حکم عام حرفاً بحرف نقل کیا ہے کہ "ہماری منزل عشق ہے" "جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے"

پھر شاہ صاحب موصوف اس کے تحت میں لکھتے ہیں کہ مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ صاحب عین الیقین نے بھی لکھا ہے کہ ۲۷ نومبر ۱۸۸۹ء کو یہ فرمان وارثی بایں صراحت ضبط تحریر میں آیا کہ "ہماری منزل عشق ہے جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے ہمارے یہاں جو کوئی ہو، بچار ہو یا خاکروب۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے"

اور حاجی شاہ محمد خالصاحب وارثی نے اپنے رسالہ تلقین میں اس حکم امتناع سجادگی کا ذکر بصراحت کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ آپ کی بے مثل ہونے کی عین دلیل ہے۔

علیٰ ہذا مولفین سیرت وارثی نے بھی حضور قبلۂ عالم کے اس حکم عام کو تعلیمات کی بحث میں نمایاں طور پر لکھا ہے۔ چنانچہ مولوی تفضل حسین صاحب وارثی رئیس اٹاوہ نے اپنی ضخیم کتاب موسومہ بہ مشکوٰۃ حقانیہ کے صفحہ ۱۷۰ ارشادات متعلق عشق کے سلسلہ میں حضور کا یہ ملفوظ نقل کیا ہے کہ "جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ منزل عشق میں خلافت نہیں ہوتی"

پھر مولف موصوف مشکوٰۃ حقانیہ کے صفحہ ۲۱۱ میں لکھتے ہیں کہ "تحقیق و تدقیق سے جو ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ آپ نے خود نہ کسی کو خلیفہ کیا نہ سجادہ نشین نامزد کیا۔" اور اس کے استدلال میں وسیلۂ بخشش سے حضور قبلۂ عالم کا حکم امتناع سجادگی نقل کیا ہے۔

پھر مولف ممدوح صفحہ ۲۱۲ میں مسٹر شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی وارثی بیرسٹر ایٹ لا و تعلقدار گدیہ ضلع بارہ بنکی کی مستند شہادت اسی بحث میں پیش کرنے میں کہ شیخ مشیر حسین

صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی زبانی میں نے بارہا سنا ہے کہ ہمارا مشرب عشق ہے اور عشق میں کسب نہیں۔ خدا کی دین ہوتی ہے۔ ہمارا کوئی خلیفہ نہیں عشق میں خلافت کسی کے ساتھ مخصوص نہیں جس کے دل میں عشق ہو اور ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے"۔

اسی کے تحت میں مولف موصوف ایک اور مستند شہادت کا حوالہ دیتے ہیں کہ منشی نادر حسین صاحب وارثی رئیس نگرام جو بارگاہ وارثی میں خاص شرف قدامت رکھتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور انور نے بمقام نواب گنج بارہ بنکی مجھ سے ارشاد فرمایا کہ نادر حسین ہمارا کوئی جانشین نہیں ہے۔ ہماری منزل عشق ہے جو کوئی دعویٰ کرے وہ باطل ہو نادر حسین تم سے اگر کوئی انگریز پوچھے تو یہی کہہ دینا۔ اور قاضی بخشش علی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ وہ تحریر لاؤ اور منشی جی کو دیدو۔ قاضی جی نے عرض کیا کہ ایک ہی تحریر جو رکھی گئی ہے فرمایا وہی لاؤ۔ قاضی صاحب تحریر لائے حضور نے ملاحظہ فرما کر مجھے مرحمت فرمائی کہ اپنے پاس رکھو وہ میرے پاس موجود ہے۔

علیٰ ہذا سید غفور شاہ صاحب وارثی حسامی متوطن مضافات بہار نے بھی اپنے رسالہ الوارث میں اس حکم امتناعی کو مختلف واقعات کے سلسلے میں لکھا ہے اور اس ملفوظ کو آپ کے خصوصیات میں شمار کیا ہے۔

اور مرزا منعم بیگ صاحب وارثی مولف حیات نے بھی حضور قبلہ عالم کے اس حکم عام کے بعض حصص مختلف حالات میں بہ سبیل سلسلہ نقل کئے ہیں لیکن صفحہ ۵۵ میں یہ ملفوظ بصراحت لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ " ہم دنیا کے جھگڑوں بکھیڑوں کو کیا جانیں دنیا مردار پر ہم نے پہلے ہی لعنت کر دی۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہی چاہے کوئی ہو

الغرض مولفین سیرت وارثی کا حضور قبلہ عالم کے اس حکم امتناعی کو اہتمام کے ساتھ نقل کرنا اس کی اہمیت اور قطعیت کا اقتضا اور اس کی صحت کی عین دلیل اور اخوانِ ملت کو خبردار کرنا ہے کہ لوث سجادگی سے مشرب وارثی کلیتہً محفوظ ہے۔